بجائے اس کی بہن تھی۔ ہم شکل ہونے کے باوجود دونوں بہنوں کے نقوش میں کچھ نمایاں فرق تھا جسے میں نے بادی النظر میں تبدیلیاں سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا۔ مجھ سے متعارف نہ ہونے کی وجہ سے نادرہ کی بہن مجھے نہیں پہچان سکتی تھی۔

وہ نتیجہ میں نے لفٹ چھوڑنے سے پہلے اخذ کرلیا۔ اس کی روشنی میں میرے ذہن میں عجیب سا ہیجان برپا ہوچکا تھا۔ نادرہ کا شوہر عبدالغنی' ہیروئن کی اسمگلنگ کے جرم میں کارڈف کی جیل میں دس سال کی سزا بھگت رہا تھا جس کے دو ڈھائی سال گزر چکے تھے۔ اس کا اکلوتا بیٹا فرخ ایک امریکن بورڈنگ ہاؤس میں زیر تعلیم تھا۔ امریکی ایجنٹوں نے ان دونوں حوالوں سے اسے بلیک میل کرکے میری تلاش پر مامور کرنا چاہا تھا لیکن نادرہ ان سے متنفر اور خوفزدہ تھی۔

اسے ہراساں کرنے والے امریکی ایجنٹ ہمارے ہاتھوں مارے گئے تو بظاہر وہ قصہ نمٹ گیا اور میرے مشورے پر نادرہ سکھر منتقل ہوگئی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ حالات نے وہ کون سی نئی کروٹ لی تھی کہ مجبور ہو کر نادرہ کی بہن کو اوبرائن کے دروازے پر حاضری دینا پڑ رہی تھی اور میری ذات پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے تھے۔

میرے پاس صرف اندازے ہی اندازے تھے۔ صحیح جواب صرف نادرہ دے سکتی تھی جو نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھی۔

میں نے رواروی میں گھر یعنی اپنی عارضی کمین گاہ تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی لے لی تھی لیکن انجانے اندیشوں اور وسوسوں کے تحت ڈیفنس کمرشل ایریا میں ہی ٹیکسی کو فارغ کردیا۔

چند منٹ تک بازار میں ٹہلنے کے بعد ایک سڑک کے سایہ دار کنارے پر رک کر میں نے موبائل فون پر اول خان سے رابطہ کیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ دفتر میں مل گیا۔

"سناؤ' ملاقات کیسی رہی؟ میں تمہارے کسی پیغام کے انتظار میں دفتر میں رکا ہوا تھا۔" میری آواز سنتے ہی وہ چہکا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم خیریت سے واپس لوٹ آئے ہو۔"

"تمہارا اندازہ درست تھا۔" میں نے جذبات سے عاری آواز میں اعتراف کیا۔ "زخم کھائے ہوئے بھیڑیے بہت زیادہ خطرناک ہوجاتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں وہاں سے واپس لوٹ سکوں گا۔"

"اوہ!" اول خان کی بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز سنائی دی۔ "میں نے تمہیں وارننگ دی تھی۔ تم خود ہر وقت خطرات کو دعوت دیتے پھرتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس بار وہ بڑے پیمانے پر میرا گھیراؤ کرچکے ہیں۔"

"کس حیثیت میں؟" اس نے پوچھا۔ "آج کل تم کئی چہرے لیے پھر رہے ہو۔"

"اصل حیثیت میں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے اس سے اپنا تعارف کرنل جمال دستی کے طور پر نہ کرایا ہوتا تو آج میری واپسی محال تھی...."

"تم نے غلطی کی۔" وہ درمیان میں ہی بول پڑا۔ "تمہارا یہ نام اب فورس سے وابستہ ہوچکا ہے۔ انہیں ہمارے خلاف ایک نام یا ثبوت مل گیا ہے۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "لمبی کہانی ہے۔ سن کر تم خود سمجھ لو گے کہ میں نے نادانستگی میں ایک صحیح نام استعمال کیا تھا۔ وہ فورس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں اور میرے ذریعے مزید باتیں جاننے کے آرزو مند ہیں تاکہ اس پر آخری وار کرسکیں۔"

"پھر تم جہانگیر کے گھر پہنچو' ویرا بھی وہاں آنے والی ہوگی۔" اول خان کی آواز میں بے چینی عود کر آئی۔

"شاید مجھے یہی کرنا پڑے۔ میرا موجودہ ٹھکانا مخدوش ہوچکا ہے۔"

"کیوں؟ وہاں کیا خطرہ ہے؟ صبح تک تو تم اس بارے میں بالکل بے فکر تھے۔"

"صبح کی بات اور تھی۔ میں نے وہاں سے نکلتے ہوئے نادرہ کی بہن کو دیکھا تھا۔"

"وہ وہاں کیا کرنے گئی ہے؟ تم نے اسے کیسے پہچان لیا؟ وہ شاید سکھر میں رہتی ہے نا؟"

"ہاں' پہلی نظر میں میں اسے نادرہ ہی سمجھا تھا۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکی...."

"پھر تم اپنے ٹھکانے پر لعنت بھیجو اور سیدھے جہانگیر کی طرف آجاؤ۔" اس نے میری بات کاٹ کر مشورہ دیا۔ "ہم سر جوڑ کر کوئی صحیح فیصلہ کرسکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہاں خطرات بڑھتے چلے جائیں گے۔ میں وہاں سے بیم گن اور سی ایس ڈی نکالنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے اسے اپنی الجھن سے آگاہ کیا۔

"دونوں چیزیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔" اس کی پرخیال آواز ابھری۔ "اس وقت بھی تم اکیلے نہیں ہو۔ میرا ایک آدمی تمہیں کور دے رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ناکافی ثابت ہو۔ میں اس کے لیے کمک کا بندوبست کرکے آدھے گھنٹے میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ وقت کہیں نہ کہیں گزارتا ہوں۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اب وقت کے ساتھ خطرات بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں گے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

وہ سایہ دار جگہ چھوڑ کر دوبارہ مین روڈ کی طرف بڑھتے ہوئے میں اپنے گردوپیش سے چوکنا تھا لیکن مجھے اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نظر نہ آسکا جس پر ایس ٹی ایف کا کارکن ہونے کا شبہ کیا

Downloaded from https://paksociety.com

جاسکتا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' پوری ہوشیاری سے اپنا فرض ادا کررہا تھا۔

مٹرگشت کے انداز میں بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے کے باوجود میں محض ڈیڑھ منٹ میں قریبی سڑک پر نکل آیا اور پھر خالی کھڑی ہوئی ٹیکسیوں کی طرف بڑھ گیا۔

کراچی کے ٹیکسی ڈرائیور میٹر پر لمبا سفر کرنے والوں کے مقابلے میں کرایہ طے کرکے مختصر سفر کرنے والی سواریوں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں نہ صرف زیادہ آمدنی ہوتی ہے بلکہ وہ ہر وقت شہر کے مصروف اور کاروباری علاقے میں ہی گھومتے رہتے ہیں۔

میں وہاں سے نرسری کے لیے روانہ ہوا تو میں نے ایک پان فروش کے کیبن کے قریب موٹر سائیکل سوار کو حرکت میں آتے دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ میرا محافظ تھا۔ شارع فیصل کے سگنل پر ٹیکسی رکی تو اسے مجبوراً قریب آنا پڑا۔ میں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جواب میں سرہلائے بغیر نہ رہ سکا۔

میں نے نرسری کے بازار میں داخل ہونے کے بجائے سروس روڈ پر ہی ٹیکسی چھوڑ دی۔ موٹر سائیکل سوار پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں نے ہاتھ دکھا کر اسے روک دیا۔

"موٹر سائیکل کہیں پارک کرکے میرے ساتھ آجاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "ایک ساتھ رہ کر ہم دونوں ہی زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"یس سر!" کہہ کر وہ موٹر سائیکل کو آگے لیتا چلا گیا۔ میں بھی اسی سمت میں آگے ہولیا۔

میرا ذہن مسلسل نادرہ' اس کی بہن اور ابرائن کی تکیلی تکون میں الجھا ہوا تھا۔ تواتر کے ساتھ عجیب اور پُرپیچ سوالات ذہن میں سر ابھار رہے تھے لیکن میرے پاس کسی سوال کا کوئی قابلِ قبول جواب موجود نہیں تھا۔

نرسری کی گلی میں ایس ٹی ایف کا ہرکارہ مجھ سے آملا اور خفت آمیز آواز میں بولا۔ "سر! مجھے دور رہ کر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ چیف....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چیف کی فکر نہ کرو۔ وہ احتیاط کلفٹن کی حد تک ضروری تھی۔ یہ بتاؤ کہ تم مسلح ہو یا خالی ہاتھ آئے ہو؟"

"سر! میں ڈیوٹی پر ہوں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "میرے پاس فاضل راؤنڈز بھی ہیں۔"

میں نے غیر ارادی طور پر دسویں بار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اول خان سے بات کیے ہوئے مجھے دس منٹ بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔

میں نے ذہن میں [illegible] شروع کردیا۔

ابرائن ذہنی ہیئت عرف ابلی مکار ہونے کے ساتھ ہی بہت محتاط آدمی نظر آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے جال میں آئے ہوئے پنچھیوں کو غیر ضروری طور پر اپنے آس پاس دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتا ہوگا۔ نادرہ کی بہن کے نظر آنے سے پہلے ابلی نے خود مجھ [illegible] والا تھا۔ میں اس

مشورہ

پولٹری فارم کے مالک نے اپنے دوست سے کہا "جب بھی سیلاب آتا ہے' سیکڑوں چوزے ہلاک ہوجاتے ہیں' اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ میں تو قلاش ہوتا جارہا ہوں۔"

دوست نے چند لمحے سوچا اور پھر بولا "تم چوزوں کی جگہ بطخیں کیوں نہیں پال لیتے؟"

○☆○

مشہور اداکار باب ہوپ کو ایک بار ڈاکے کے مقدمے میں گواہ کے طور پر پیش ہونا پڑا۔ ڈاکو کے وکیل نے باب ہوپ کو اپنے سوالات سے پریشان اور ہراساں کرنے کی کوشش کی۔

"مسٹر ہوپ! کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ ڈاکا کس وقت ڈالا گیا؟" وکیل صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے" باب نے ابھی کہنا ہی شروع کیا تھا کہ وکیل نے اس کی بات کاٹی۔

"اپنا خیال نہیں بلکہ درست بتایئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

"مجھے بلاواسطہ جواب کی ضرورت ہے" وکیل گرجا۔

باب نے معصومیت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا "آپ یہ نہیں جاننا چاہتے کہ میں کیا سمجھتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر میں گواہی نہیں دے سکتا" باب ہوپ نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے مایوسی کے انداز میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں سمجھے بغیر نہیں بول سکتا کیونکہ میں وکیل نہیں ہوں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

سے رخصت ہوا تو... لفٹ سے وہ خاتون برآمد ہوئی جو کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت سکھر سے چل کر اس عمارت تک پہنچی تھی۔

ہم نے نادرہ کے جس آراستہ فلیٹ کو بے سروسامانی کے عالم میں خیرباد کہا تھا' وہ کئی روز سے امریکی ایجنٹوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اول خان سے خبریں ملتی رہی تھیں کہ جان اور ایڈی اپنے سراغ رساں کتوں کے ساتھ وہاں جاتے رہے تھے اور ان کارروائیوں میں مقامی حکام ان کی پوری پوری معاونت کررہے تھے تاکہ وہ میرا یعنی ڈینی کا کوئی سراغ حاصل کرسکیں۔

دوسری طرف سلطان شاہ کے منظم اغوا سے یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ ہماری قیام گاہ کے طور پر وہ فلیٹ پہلے سے امریکی ایجنٹوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا۔ میرے بارے میں کسی سراغ کی تلاش میں مکمل ناکامی کے بعد ان لوگوں کا فلیٹ کے مالک کی طرف متوجہ ہونا فطری امر تھا۔

سرکاری ریکارڈ پر نادرہ کا جو بھی پتا درج رہا ہو' مقامی حکام کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ ہمارے متروکہ فلیٹ کی مالکن ان دنوں اپنی مستقل رہائش ترک کرکے سکھر میں مقیم تھی۔ شاید انہوں نے نادرہ کی طلبی کا فرمان جاری کیا تھا۔

مقامی اہل کار وہ فرائض اپنے امریکی ہم منصبوں کی خواہش پر سرانجام دے رہے تھے۔ اپنے طور پر انہیں اس مشق سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مہم کے سرکردہ ایجنٹ یعنی جان اور ایڈی مارے جاچکے تھے اس وجہ سے ان کا میزبان' اوبرائن ڈی ہنٹ میدان میں رہ گیا تھا اور کوئی متبادل بندوبست ہونے تک تمام تفتیشی اہتمام اسی کے سر آن پڑا تھا۔

مقامی انتظامیہ نے شاید نادرہ کو شہر میں آکر اوبرائن سے ملنے کی ہدایت کی ہوگی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ نادرہ زیادہ بیمار تھی' مرچکی تھی یا ملک سے نکل گئی تھی۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو' وہ کراچی آنے سے قاصر تھی۔ حکم نامہ سخت رہا ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بہن کو کراچی آنا پڑ گیا۔

اس خاتون کی آمد کے بعد یہ نکتہ زیادہ شدومد کے ساتھ زیرِ غور آنا لازمی تھا کہ شہر میں نادرہ کی مزید کیا جائیدادیں تھیں' سوسائٹی والے مکان کا ذکر آتے ہی اوبرائن اپنی توجہ ادھر بھی مرکوز کرسکتا تھا۔

وہ صرف وقت کی لڑائی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اوبرائن کے ادھر متوجہ ہونے سے پہلے میں مکان میں داخل ہوکر اپنی دونوں اہم ترین چیزیں نکال لوں۔ ایک بار اس کے آدمی وہاں پہنچ جاتے تو میرے لیے ادھر کا رخ کرنا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔

نادرہ کی بہن کی آمد کے معاملے میں میرا ذہن صاف ہوچکا تھا اور مجھے ایک بھاری بوجھ سے نجات مل گئی تھی لیکن اس کی جگہ دوسرے مسئلے نے لے لی تھی۔

"پتا نہیں اول خان کا پیغام کب آئے گا۔" میں نے وقت دیکھ کر پُرتشویش انداز میں کہا۔ "وقت تیزی سے نکلا جارہا ہے۔ کیا تم ذرا سا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو؟"

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ہر جگہ سائے کی طرح تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ میں تمہارا پیچھا کررہا ہوتا تو بھی مجھے ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دینا پڑتا۔"

میں نے اسے مقبول آباد ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع نادرہ کے مکان کے بارے میں بریف کیا۔ وہاں ہمارا کام چند منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ وہ فوراً تیار ہوگیا۔

میں نے اتمام حجت کے طور پر اول خان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پتا چلا کہ وہ دفتر سے نکلا ہوا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون میرے حوالے کیا ہوا تھا اور مجھے علم نہیں تھا کہ اس نے کوئی متبادل بندوبست کرلیا تھا تو اس کا نیا نمبر کیا تھا۔

ان دنوں موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی کھلی اجازت ہوا کرتی تھی۔ دہشت گردی کے انسداد کے نام پر ایسی پابندی کا اچھوتا خیال کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں تن بہ تقدیر ہوکر موٹر سائیکل کے ذریعے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہم شارع فیصل کے داہنے سروس روڈ سے مطلوبہ گلی میں گھومے تو وہ حسبِ معمول ویران نظر آرہی تھی۔ میں نے نکڑ سے ہی دیکھ لیا کہ نادرہ کے مکان کے سامنے کوئی گاڑی تھی' نہ کسی قسم کی سرگرمی۔ میرے ایما پر اس نے اپنی موٹر سائیکل پھاٹک کے قریب روک دی۔

میدان صاف پاکر مجھے دل ہی دل میں ندامت ہوئی کہ میں نے اتنے معمولی سے کام کے لیے اول خان کی باتوں میں آکر خاصا وقت ضائع کردیا تھا۔

ہم دونوں پھاٹک سے گزر کر کسی رکاوٹ کے بغیر اس مکان کے ویران احاطے میں داخل ہوگئے۔

عمارت کے گرد گھوم کر ہم عقبی حصے کی طرف جارہے تھے کہ اول خان کا آدمی ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے پھرتی سے اپنی جیب سے ایک لاسلکی آلہ نکالا اور اس کا کوئی سوئچ دبا کر اسے اپنے دہانے کے قریب لے گیا۔

دوسری طرف سے ریڈیائی شور میں اول خان کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میرے ساتھی نے اس کی کال کا جواب دیا تو اول خان نے بتایا کہ وہ اپنے اسکواڈ کے ساتھ تیزی سے مقبول آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بات پوری کرکے اس نے اپنے آدمی کی پوزیشن دریافت کی تو میں نے اپریٹس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"سوری چیف!" میں نے کہا۔ "مجھ سے صبر نہیں ہوسکا۔ اس وقت ہم مکان کے احاطے میں ہیں اور چند منٹ میں فارغ ہوکر یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"اوہ! تم بے صبری میں بڑی غلطیاں کر بیٹھتے ہو۔" اول خان کی

Downloaded from https://paksociety.com

مضطربانہ آواز ابھری۔ "چند منٹ پہلے پولیس کے ریڈیو کنٹرول سے فیروز آباد پولیس اسٹیشن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مسلح نفری کے ساتھ اس مکان کو گھیرے میں لے لیں۔ پیغام میں نے خود سنا تھا وہ کسی بھی لمحے آکر تمہیں چوہے دان میں گھیر لیں گے۔ فوراً وہاں سے نکل جاؤ اور باہر میرا انتظار کرو۔"

میں اس کی بات کا جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ میرے کانوں میں پولیس سائرن کی ہلکی سی آواز آئی۔ فیروز آباد پولیس اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ شاید ان کی گاڑیاں ہماری کمین گاہ کو گھیرنے کے لیے سڑکوں پر نکل پڑی تھیں۔

"سائرن کی آواز آرہی ہے، چیف!" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"سی ایس ڈی نو پنے اور گن اٹھانے میں ایک منٹ لگے گا۔ ہم ان کے پہنچنے سے پہلے نکل جائیں گے۔" اس سے بات کرنے کے دوران میں ہی میں نے عقبی احاطے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"نو..... نو....." اول خان دہاڑا۔ "سب کچھ بھول جاؤ۔ باہر نکل جاؤ۔ میرے پہنچنے سے پہلے انہوں نے تم کو گھیر لیا تو بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

اول خان بولتا رہا۔ وہ ڈرا رہا تھا، دھمکیاں دے رہا تھا، گڑگڑا رہا تھا۔ میں نے اس کی سنی اَن سنی کر دی۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں عقبی کمرے کے مقفل دروازے پر موجود تھے۔

فضا میں سائرن کی آوازیں لحہ بہ لحہ تیز اور واضح ہوتی جا رہی تھیں۔ شارع فیصل کی دوسری جانب واقع تھانے سے پولیس کی گاڑیوں کو مقبول آباد تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ اپنی دو نایاب اور انمول چیزوں کے حصول کے لیے کیے جانے والے فیصلے نے یکایک سنگین صورت اختیار کر لی تھی۔ ایک طرف ہم دو آدمی مقفل دروازے پر اپنے مقصد کے حصول کے لیے موجود تھے، دوسری طرف سے پولیس ہمیں گھیرنے آرہی تھی اور تیسری سمت سے اول خان اپنے اسکواڈ سمیت ہماری طرف اڑا آرہا تھا۔

"تم کہاں مر گئے ہو..... جواب کیوں نہیں دیتے..... اوور!"

میں نے جیکٹ کی جیب سے چابی نکالتے ہوئے اپریٹس پر توجہ دی تو اول خان کی جھنجلائی ہوئی بلکہ ہذیانی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میری خاموشی پر اس کی وہ کیفیت قابلِ فہم تھی۔

"تالا کھل گیا۔" میں نے بٹن دبا کر اسے اطلاع دی۔ "بس چند سیکنڈ میں ہم باہر ہوں گے۔"

فلسطین کی جنگ آزادی میں شامل ایک پاکستانی جاں باز کی ناقابل فراموش جدوجہد

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں ..... جب خون جگر برفاب ہوا

جاسوسی ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی مقبول ترین کہانی

علی یار خان کی سرگزشت

مجاہد

کتابی صورت (گیارہ حصوں میں مکمل) میں تیار ہے

قیمت فی حصہ -/50 روپے ..... ڈاک خرچ -/16 روپے

گیارہ حصے ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف /450 روپے

رعایت حاصل کرنے کے لئے پوری رقم پیشگی بذریعے منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23

رمضان چیمبرز۔ بلمو ریا اسٹریٹ (نزد دفتر اخبار جنگ) آئی آئی چندریگر روڈ کراچی۔ 74200

Downloaded from https://pksociety.com

"مجھے ایریٹس پر پولیس سائرن کی واضح آوازیں آرہی ہیں۔ وہ بہت قریب آچکے ہیں۔"

دل اڑا دینے والی وہ آوازیں اب واقعی کان کے پردوں میں گھس رہی تھیں۔ میں نے کمرے میں گھس کر سی ایس ڈی ایک جھٹکے سے تاروں سے نوچ کر الگ کی اور جیب میں ڈال لی۔ میرے اشارے پر میرے نامعلوم ساتھی نے دیوار گیر الماری کا درمیانی چوبی پٹ تالے سمیت اکھاڑ دیا۔

میں نے کمبل کی تہ میں ہاتھ ڈال کر بیم گن نکالی اور میرے وجود میں آسودگی کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔ میں نے اپنا ہدف حاصل کرلیا تھا۔

"کام ہوگیا.... ہم واپس لوٹ رہے ہیں' چیف!" میں نے اول خان کو اطلاع دی۔

"باہر کا رخ نہ کرنا.... تم پھنس چکے ہو۔ میں سائرن کی آوازیں نہیں سن سکا۔ شاید اب وہ تیزی سے عمارت کو گھیر رہے ہوں گے۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میں نرسری کے قریب سے گزر رہا ہوں' اگر تم چند منٹ زندہ رہ کر گزار لو تو میں دیکھوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔"

اول خان کے توجہ دلانے پر میں سناٹے میں رہ گیا۔ میں اپنی دھن میں مگن تھا اور پولیس کار کا سائرن بہت قریب آکر یکلخت بند ہوچکا تھا۔ دوپہر کی تپتی ہوئی فضا میں یکایک موت کی سی خاموشی رچ گئی تھی۔ اول خان ایریٹس کے ذریعے ان تبدیلیوں کا بالکل صحیح ادراک کررہا تھا۔

ہم دونوں خاموشی سے دیوار سے لگ گئے اور اپنے اپنے ریوالور سنبھال کر کونے کی طرف سرکنے لگے۔ میرے ساتھی کا چہرہ پسینے میں بھیگنا شروع ہوگیا تھا اور اس کی آنکھوں میں وحشت لہرانے لگی تھی۔ پتا نہیں میرے چہرے کا کیا حال تھا۔

کھیل کھیل میں موت یوں سر پر آن کھڑی ہوئی تھی کہ میں اندازہ تک نہیں لگا سکا تھا۔

"مکان پولیس کے نرغے میں آچکا ہے۔" اچانک میگافون پر ایک کرخت آواز سنائی دی۔ میں نے غیر ارادی طور پر ایریٹس کا بٹن دبا لیا تاکہ وہ آواز براہِ راست اول خان تک پہنچ سکے۔

"اندر جو بھی ہے' ہتھیار پھینک کر باہر آجائے ورنہ دس تک گنتی پوری ہوتے ہی مسلح دھاوا بول دیا جائے گا۔ یہ مجرموں کے لیے آخری وارننگ ہے..... ون....."

میں نے ایریٹس کا بٹن چھوڑ دیا۔ ریسیور پر اول خان کی گھبرائی ہوئی آواز آنے لگی۔ "میں گنتی مکمل ہونے تک نہیں آسکتا۔ ہر قیمت پر ایک ڈیڑھ منٹ گزارو..... احکام بہت سخت ہیں۔ اس پولیس ایکشن میں جو سامنے آیا' کسی بٹیر کی طرح بھون دیا جائے گا۔ بچو اور ان کو روکتے رہو۔"

گنتی تین تک پہنچ چکی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک باورچی سپاہی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں خودکار رائفل دبی ہوئی تھی۔ وہ چوکنے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پھونک پھونک کر اندر بڑھ رہا تھا۔

"ہوائی فائر کروں؟" میرے ساتھی نے گھبرائی ہوئی اور سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں!" میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ "گولی نہیں چلے گی۔ یہ قانون کے محافظ ہیں۔"

"ان پر نہیں' میں ہوا میں فائر کروں گا۔" وہ اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

"نہیں۔ فائر فائر ہوتا ہے۔ کوئی یہ نہیں دیکھے گا کہ گولی کدھر چلائی گئی ہے۔ ہلکا سا دھماکا بھی انہیں مشتعل کردے گا اور پھر اول خان کا کام دشوار ہوجائے گا۔"

احاطے کی دیوار کے ساتھ اندر بڑھتا ہوا سپاہی ہماری مکمل خاموشی سے خوفزدہ ہوکر ایسی جگہ پر رک چکا تھا جہاں سے وہ کسی بھی لمحے ہمیں دیکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنے ساتھی کے بازو پر ہاتھ مارا اور دیوار سے لگے لگے واپس دروازے کی طرف سرکنا شروع کردیا۔ میں نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ اس نے میری تقلید کی۔

گنتی پانچ سے آگے بڑھنے والی تھی کہ اچانک کہیں سے فائر ہوا' میرے بائیں بازو میں آگ اور درد کی ایک لہر سی اتر گئی اور میں نے بے اختیار اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر اپنی بے ساختہ چیخ کو حلق کی گہرائیوں میں دفن کردیا۔

میرے ساتھی کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ ہم دونوں ہی زمین پر گر گئے۔

اس پہلے فائر کے ساتھ ہی متعدد گولیاں چلیں۔ ماحول سنگین تر ہوگیا۔ میں نے ایریٹس اپنے ساتھی کو دے دیا اور داہنے ہاتھ سے اپنا زخم دبائے دروازے کی طرف گھسٹتا رہا۔

پہلے راؤنڈ کے جواب میں ہماری طرف سے خاموشی رہی تو فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ اس دوران میں ہم عقبی کمرے سے متصل اس دروازے تک پہنچ چکے تھے جو مکان میں جاتا تھا۔

میں نے سینے کے بل فرش پر لیٹے لیٹے بہت احتیاط اور آہستگی سے پٹ کو اتنا دھکیلا کہ ہم دونوں باری باری اندر جاسکیں۔

سات تک گنتی ہوچکی تھی۔ میں اندر والی پختہ راہداری میں پہنچتے ہی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا اور تیزی سے ان زینوں کی طرف بڑھ گیا جو تہ خانے میں جاتے تھے۔

میں اس تہ خانے کو پہلے بھی عقوبت خانے کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں بھی مجھے اس کا ایک ایک گوشہ اچھی طرح یاد تھا۔

"بچوں کے بل میرے پیچھے چلے آؤ۔" عقبی دروازہ بند کرکے میں نے سرگوشی کی اور ہم دونوں بلوں کی طرح بے آواز قدموں

Downloaded from https://paksociety.com

سے گرد آلود زینے طے کر کے تہ خانے میں اترنے لگے۔

گرد آلود تہ خانے کی سیلن زدہ فضا میں روشندان کے بند ہونے کے باعث خاصا اندھیرا تھا۔ میں نے اندازے سے ٹٹول کر وہاں کے دونوں بلب اتار دیے۔ گھپ اندھیرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے سانسوں کی آواز واضح طور پر سن رہے تھے۔

"گنتی ختم ہونے والی ہے چیف!" میرے کانوں میں اپنے ساتھی کی بھنبھناہٹ سی آئی۔ "ڈینی کے بازو میں گولی لگی ہے۔ ہم نے ابھی تک کوئی فائر نہیں کیا۔ ہم تہ خانے میں ہیں۔"

"اوہ خدایا! تو رحم کردے۔" اول خان کی آواز بھی اس بار دھیمی تھی۔ شاید اس کے آدمی نے اپریٹس کی آواز گھٹا دی تھی۔ "بس میں پہنچنے والا ہوں۔"

"اب اسے بند کردو۔" میں نے اپنی اذیت پر قابو پا کر دھیمی آواز میں کہا۔

وہ تہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھا تو میں نے اسے روک دیا۔ "دروازہ نہیں' اپریٹس بند کردو۔ اب یہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

میں اسے لے کر تہ خانے کی پہلی دیوار سے یوں لگ کر کھڑا ہو گیا کہ دروازے سے اندر آنے والا کوئی بھی شخص پیچھے مڑے بغیر ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"دس!" باہر کی فضا سے میگافون کی گھٹی گھٹی آواز تہ خانے کی فضا میں لہرائی۔ "فائر اینڈ ایکشن۔"

اس بار فضا گولیوں کی ہولناک برسات سے لرز اٹھی۔ میرے لیے وہ زندگی کی سب سے خراب صورتِ حال تھی کیونکہ میرا مقابلہ مجرموں کے کسی ٹولے سے نہیں بلکہ قانون کے محافظوں سے تھا۔ نادرہ کے مکان پر ان کے دھاوے کی وجوہ جو بھی رہی ہوں' مجھے پورا یقین تھا کہ اس میں ان کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ انہیں یقین دلایا گیا ہو گا کہ اس مکان میں خطرناک مجرموں کا مسکن تھا یا پھر وہ رات میں وہاں روپوش رہتے تھے۔

شاید پولیس فورس وہاں آتی اور خاموشی سے خانہ تلاشی لے کر لوٹ جاتی مگر باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل اس امر کی شاہد تھی کہ اندر کوئی نہ کوئی موجود تھا۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد پولیس پارٹی کے سربراہ نے جو بھی فیصلہ کیا' وہ بہت صائب تھا۔ اندر والوں کو غیر مسلح ہو کر باہر نکلنے کی مہلت دینے کے بعد اسے ہر کارروائی کا حق حاصل تھا۔ گنتی کے درمیان جو چند گولیاں چلیں اور جن میں سے پہلی گولی نے مجھے زخمی کیا' وہ شاید میرے مقدر کی خرابی کا نتیجہ تھیں۔ پولیس والے بھی عام انسان ہوتے ہیں۔ مسلح مقابلے کے خوف سے اعصاب زدہ ہو کر کوئی بھی کمزور دل سپاہی ایسی حرکت کر سکتا تھا۔

پولیس کی نفری پوری طرح مسلح اور آزاد تھی۔ ہم دونوں تاریک تہ خانے میں محصور تھے۔ ہم [illegible]

کام نہ لینے کا اٹل فیصلہ کر چکے تھے۔ اگر اول خان کے پہنچنے سے پہلے کوئی ادھر آنکلتا اور ہماری گردنیں ناپ لیتا تو ہم بالکل بے بس تھے۔

دھواں دھار فائرنگ کی آڑ میں پولیس مکان میں داخل ہو چکی تھی۔ بارودی دھماکوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ تہ خانے کی چھت کے مختلف حصوں سے بھاگتے دوڑتے ہوئے وزنی قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ اوپر سے آنے والی للکارتی ہوئی یا تحیر زدہ آوازیں بھی ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ دونوں سانس روکے' دیوار کا ایک جز بنے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔

پھر اچانک ہی کوئی تہ خانے کی طرف نکل آیا۔ دو افراد کے قدموں کی دھمک زینوں سے اوپر ہی رک گئی' کچھ سرگوشیاں ابھریں۔ پھر کسی نے للکارا۔ "اوئے! کون ہے نیچے؟ شرافت سے ہاتھ اٹھا کر باہر آجاؤ ورنہ اڑا دیں گے۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ زخم کی تکلیف کو میں بالکل بھول گیا۔ وہ کسی بھی لمحے زینے طے کر کے ہمارے سروں پر پہنچ سکتے تھے۔

طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد چٹ کی ہلکی سی آواز آئی۔ شاید کسی نے اوپر کا سوئچ آن کر کے تہ خانہ روشن کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"ادھر کوئی نہیں ہو سکتا۔" ایک محتاط آواز آئی۔ "نیچے اندھیرا ہے اور دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ کوئی ہے تو کسی الماری یا

ادارتی نوعیت کے کام سے دلچسپی رکھنے والے متوجہ ہوں

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے لئے

ضرورت ہے مدیر اور پروف ریڈرز

ادب و صحافت کے شعبے سے دلچسپی رکھنے والے کثیر المطالعہ افراد جو اردو زبان و بیان پر خصوصی دسترس رکھتے ہوں اپنے مکمل کوائف کے ہمراہ ذاتی طور پر رجوع کریں۔ کسی ادبی یا صحافتی ادارے میں کام کا تجربہ اضافی قابلیت تصور ہو گا۔ انٹرویو کے لئے آمد و رفت کے اخراجات ادارہ ادا نہیں کرے گا۔ یہ امیدوار کی اپنی ذمے داری ہو گی۔

رابطے کا پتا

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز C-63 فیز ٹو ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ (ایئر کارواں بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی۔ 75500

Downloaded from https://paksociety.com

باتھ روم میں ہی ہو سکتا ہے۔"

وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی زینوں سے ایک فائر ہوا۔ گولی کھلے ہوئے دروازے سے گزر کر دیوار کی جڑ میں پیوست ہو گئی۔ فضا دھماکے سے جھنجھنا اٹھی اور بارود کی بُو سے بھر گئی۔

وزنی جوتوں کی آہٹیں بتدریج ان زینوں سے دور ہوتی چلی گئیں۔

میرے ساتھی نے جوش سے میرا داہنا بازو دبایا۔ بولنا خطرناک تھا۔ اس وقت ہماری ذرا سی آہٹ بھی ہماری موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ کی انگلیاں تازہ تازہ خون کے لیس سے چپچپا رہی تھیں۔ دیوار کے ساتھ بے عملی کی حالت میں کھڑے کھڑے مجھے نقاہت محسوس ہونے لگی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ گھسٹتا ہوا وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ ایس ٹی ایف کا آدمی میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

تہ خانے کی اوپری منزل پر ہونے والی ہڑبونگ اور دھما چوکڑی میں رفتہ رفتہ کمی آتی چلی گئی۔ مکان میں کسی کو نہ پا کر پولیس والوں کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔ تہ خانے کا کھلا ہوا دروازہ ان کی کامیابی اور ہم دونوں کی سلامتی کا ضامن بن گیا تھا۔

وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میرے تازہ زخم میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ہڈی محفوظ تھی یا مجروح ہوئی تھی' گولی بازو میں ہی تھی یا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔

مجھے صرف ایک خوف تھا کہ کہیں اول خان کے پہنچنے میں زیادہ دیر ہو گئی تو زخم سے زیادہ خون بہہ جانے کے سبب میں جانبر نہ ہو سکوں گا۔

خون کی کمی سے دوچار ہونے والے میرے اعصاب رفتہ رفتہ سست پڑتے جا رہے تھے' ذہن پر رہ رہ کر دھند سی حملہ آور ہونے لگی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں وہ تمام دعائیں دہرانی شروع کر دیں جو آخری وقت میں انسان کی مغفرت کا سبب بن جانے کی شہرت رکھتی ہیں۔

ایک مرتبہ پھر کسی کے جوتوں کی دھمک تہ خانے کی طرف آنے لگی۔ برے وقت کی دہشت سے میرا گلا خشک ہو گیا' دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے سے ناچنے لگے۔

اس بار وہ آہٹیں رکنے کے بجائے زینوں پر منتقل ہو گئیں۔ وہ جو بھی تھا' رکے بغیر سیدھا تہ خانے میں چلا آ رہا تھا۔

"فائر کر دوں؟" اس نے میری پیشانی تھام کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

میری زبان بھاری ہونے لگی تھی۔ میں نے سر کی منفی جنبش سے اسے روک دیا۔

وہ آہٹیں زینے کے وسط میں رک گئیں اور پھر آواز ابھری۔

"ہولڈ اٹ..... میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔" وہ اول خان کی آواز تھی جو میں نے پوری طرح سنی اسی کے ساتھ میرے دماغ میں پھلجھڑیاں سی چلنے لگیں اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں تھا۔

○☆○

دوبارہ آنکھ کھلی تو وہ تہ خانہ تھا نہ وہاں کا دہشت ناک سماں۔ میں ایک صاف ستھرے بستر پر دراز تھا اور اوپر سفید چھت چمک رہی تھی۔ میں نے اپنی پتلیوں کو جنبش دی تو وہ چھت دور تک پھیلی ہوئی نظر آئی۔

جہانگیر کا کوئی کمرا اتنا بڑا تو نہیں ہے۔ میں نے سوچا۔ اسی لمحے غزالہ کا حسین اور جگمگاتا ہوا چہرہ میرے سامنے آ گیا۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے بے اختیار میرا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں لے لیا۔

میں غیر متوقع طور پر اسے یوں اپنے روبرو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے علم کے مطابق اول خان نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ پشاور بھیجا ہوا تھا۔ پتا نہیں وہ پشاور سے کب کراچی واپس آئی تھی۔ باتوں کے دوران میں بعد میں پتا چلا کہ میری نازک حالت کی وجہ سے اول خان نے غزالہ کو حادثے کی شام کو ہی پشاور سے واپس بلا لیا تھا تاکہ وہ میری دیکھ بھال کر سکے۔

میں نے بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ تھامنے چاہے اور بائیں بازو میں شدید ٹیس اٹھنے سے تڑپ اٹھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی کلائی تھام لی۔

"آپ اچھے ہیں نا؟ آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک سوال کر کے خود ہی جواب دے دیا۔

"میں کہاں ہوں.....؟ میرے بازو کی ہڈی تو محفوظ ہے نا؟" اس سے سوال کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان میں ہلکی سی لکنت محسوس کی۔

"تمہیں چوہے دان سے نکال کر بہت مشکل سے یہاں پہنچایا گیا تھا۔" غزالہ کے بجائے میرے کانوں میں ویرا کی چبھتی ہوئی آواز آئی۔ "مرنے سے بال بال بچے ہو۔"

کروٹ لینی مشکل تھی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ غزالہ بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ کر ویرا سے بولی۔ "وہ کڑا وقت گزر گیا۔ اب ایسی بدفال منہ سے مت نکالو۔ مریں ان کے دشمن۔ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"تمہارے اسی لاڈ پیار نے ڈبی کو بگاڑا ہے۔" اس بار ویرا کی آواز استہزائیہ نہیں تمسخرانہ تھی۔ "تم کبھی اسے غلطیوں پر نہیں ٹوکتی ہو۔ اسے بتاؤ کہ گولی سے ہڈی ضرور بچ گئی تھی لیکن بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے جان بچانی مشکل ہو گئی تھی۔"

"تمہیں خون کی چار بوتلیں دی گئی ہیں۔" سلطان شاہ نے [illegible] آواز میں مطلع کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اول خان کو وہاں پہنچنے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔"

"خوب!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم سب ہی یہاں موجود ہو۔ اس وقت ہم کہاں ہیں؟"

"اسٹیشن فور کے فیلڈ اسپتال کا یہ خاص کمرا ہے جو تمہیں دیا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"اور اول خان کہاں ہے؟" میں نے باری باری ان کا جائزہ لے کر پوچھا۔

"وہ پرسوں سے تمہارے چلائے ہوئے چکر کو سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔"

"پرسوں سے! تو کیا میں دو دن سے مسلسل بے ہوش تھا؟" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"پہلے واقعی بے ہوش تھے پھر مسکن دواؤں کے زیر اثر انتا غفیل رہے۔" ویرا نے آنکھیں مٹکا کے کہا۔ "زیادہ بک بک تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اول خان کے مشورے پر تمہیں ڈرپ کے ساتھ مسکن دوائیں دی جا رہی تھیں۔"

"سوری!" میں نے غزالہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔ "میں نے تم سب کو بہت پریشان کیا۔"

"قلق اس بات کا ہے کہ اول خان نے تمہیں آخر تک وہاں جانے سے روکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پولیس کو نادرہ کے مکان کے سلسلے میں بری طرح ورغلایا گیا تھا۔ تم کسی کی بات نہیں مانتے۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں مجھے ملامت کی۔

"وطن کی بنیادوں میں اپنا خون شامل کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو مینارِ پاکستان کے نیچے جا کر اپنی کوئی شہ رگ کاٹ لو۔ پولیس اور ایس بی ایف کو امتحان میں کیوں ڈالتے ہو؟" ویرا بولی۔

"مجھ سے جو غلطی سرزد ہونی تھی وہ ہو گئی۔ اب یہ ملامتیں بے سود ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ نادرہ کے مکان کے بارے میں اچانک کیا مصیبت آ گئی تھی۔" میں نے کہا۔

ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر غزالہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اول خان یہی کہہ رہے تھے کہ آپ ہوش میں آتے ہی سب کچھ جاننا چاہیں گے اور دوبارہ حالت خراب ہو جائے گی۔ اسی خدشے کی وجہ سے آپ کو خواب آور دوائیں دی جا رہی تھیں۔"

"وہ مرحلے گزر گئے۔" میں نے بحالی کے احساس کے ساتھ کہا۔ "اب میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ خود ہی بات بتاتے چلے جاؤ تو مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"پوری تفصیل اول خان ہی بتا سکے گا۔" ویرا نے کہا۔ "ہمیں اتنا معلوم ہے کہ یہ فتور نادرہ کی بہن طاہرہ نے پھیلایا تھا۔"

"وہ ان معاملات میں اول کی کارروائی کے نتیجے میں کس شخص کی زندگی کو

Downloaded from https://paksociety.com

معصومیت

ایک شخص کے گھر چوری ہو گئی۔ تھانے دار نے تفتیش کا آغاز کیا "میری بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ جس وقت چوری ہوئی تھی اس وقت کیا بجا تھا؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "ایک ڈنڈا میرے سر پر دوسرا میری بیوی کے سر پر۔"

○☆○

ایک ماں اپنے پانچ سالہ جڑواں بچوں کو لے کر بچکانا کپڑوں کے اسٹور پر گئی تاکہ جڑواں بچوں کے لیے ایک جیسے سوئٹر خرید سکے۔ کاؤنٹر کلرک نے پوچھا "کیا آپ ان بچوں کو سوئٹر پہنا کر شیشے میں دکھانا چاہیں گی؟"

پولیس آپریشن ہوا اور تہ خانے کے کھلے ہوئے دروازے کی وجہ سے پولیس پارٹی مجھ تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ وہ لوگ اس عمارت میں اپنا سر کھپا ہی رہے تھے کہ اول خان اپنے اسکواڈ کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔

اسے اپنے آدمی سے پوری پوزیشن معلوم ہو چکی تھی۔ اس نے انسپکٹر انچارج سے بات کی تو اس نے تسلیم کیا کہ عمارت سے کوئی فائر ہوا نہ وہاں سے کوئی ملزم یا مجرم ہاتھ آسکا۔

اول خان نے اسی شام سے عمارت کی مسلسل نگرانی کی ہدایت دے کر پولیس پارٹی کو واپس بھیج دیا۔ اس کی شناخت کے بعد انسپکٹر اس کی ہدایت سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی اس نے اول خان کی کسی مداخلت سے پہلے اپنا آپریشن مکمل کر لیا تھا۔

میدان صاف ہوتے ہی اول خان نے مجھے بے ہوشی کی حالت میں تہ خانے سے نکال لیا۔ جب وہ مجھے لے کر اپنے سہ نفری اسکواڈ کے ساتھ مقبول آباد سے نکل رہا تھا تو اوبرائن ڈی ہنٹ طاہرہ اور محافظوں کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ اول خان اسے نظرانداز کر کے نکل آیا۔

اول خان نے ان لوگوں کو بتایا کہ میری حوصلہ مندی اور حاضر دماغی کے باعث اس روز ایک بہت بڑا المیہ یوں کانوں کان ٹل گیا تھا کہ کسی کو میرے محصور یا زخمی ہونے کی بھنک تک نہیں مل سکی تھی۔ اس رازداری کو برقرار رکھنے کے لئے وہ مجھے شہر کے بجائے اپنے فیلڈ اسپتال میں لے آیا تھا۔

نادرہ کے مکان پر آپریشن کی ناکامی اور اپنی نامزدگی ہوئی عمارت سے پولیس کی نجلت میں واپسی پر اوبی بری طرح بھنایا تھا لیکن وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ کر رہ گیا۔ اس کے پاس پولیس پر الزام تراشی کے لئے کوئی مواد تھا نہ ثبوت۔

علاقے کے مکین گواہ تھے کہ نادرہ کے خالی مکان پر پولیس نے بھرپور تیاری کے ساتھ چڑھائی کی تھی اور علاقے کی فضا کو بارود کی تیز بو سے بوجھل کرنے کے بعد بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تھی۔

"تمہارے بازو کا زخم دیکھنے کے بعد ڈاکٹر حیران تھا کہ اتنا کاری زخم کھا کر بھی تم نے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔" وہ کہانی پوری ہونے کے بعد ویرا نے کہا۔ "تم اتنے بہادر کب سے ہو گئے؟"

"اس وقت مجھے زخم کا نہیں جان کا خوف تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ میرا خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے اپنی بے ساختہ چیخ کیسے روکی تھی۔ وہ میری چیخ گیا آواز بھی سن لیتے تو ہم تہ خانے کا دروازہ کھلا رکھنے کے باوجود نہیں بچ سکتے تھے۔"

مجھ سے باتیں کر کے غزالہ کی اداسی دور ہو گئی تھی۔ وہ شوخ اور والہانہ نظروں سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میرے جواب پر وہ کچھ نہیں بولی لیکن [illegible]

"ہر زخم کو خاموشی سے سہہ لینا صرف مردوں کی شان ہے۔ تمہیں کانٹا بھی چبھ جائے تو اف اللہ کہہ کر دہری تہری ہو جاؤ گی۔ ڈینی نر کا بچہ ہے جبھی موت کے منہ سے مکھن کے بال کی طرح نکل آیا۔"

"ہمیشہ ڈینی کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنا قد بلند کرتے رہنا' خود کچھ کر کے نہ دکھانا۔" ویرا نے زہر میں بجھی ہوئی آواز میں اسے سلگانے کی کوشش کی۔

"یہ میرے توڑے ہوئے گھٹنوں کا کمال ہے کہ آج کھٹو مل' جان اور ایڈی سے نمٹنے کے بعد تم اوبرائن کو للکار رہی ہو۔ واقعات کو تعصب کی عینک کے بغیر بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تم دونوں کی ہر وقت کی لڑائی سے میں عاجز آگئی ہوں۔" غزالہ اپنی ہتھیلیاں دونوں کانوں پر رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ جھگڑے ہر وقت اچھے نہیں لگتے۔"

"میں کبھی پہل نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے بیزاری سے کہا۔ "اپنی چہیتی ویرا کو سمجھاؤ جو ہر وقت مرچیں چباتی رہتی ہے۔ اس سے کہو کہ کبھی میٹھی باتیں بھی کر لیا کرے۔"

"آگئے نا اصلیت پر!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "تم سے تو کوئی معذور بھکارن بھی میٹھی میٹھی باتیں کرنے پر آمادہ نہیں ہوگی۔ تمہاری یہ حسرت قبر تک تمہارے ساتھ جائے گی۔"

"میں نے میٹھی میٹھی نہیں' صرف میٹھی باتیں کہا تھا۔" سلطان شاہ غرایا۔ "تم میری ہربات کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے نتیجے اخذ مت کیا کرو۔"

ان دونوں کی محاذ آرائی وہیں دم توڑ گئی کیونکہ اچانک ہی اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا تھا۔ "کیا بات ہے؟ سب خاموش کیوں ہیں؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"تلخ کلامیوں کے تبادلے کے بعد ایسا سکوت آ ہی جاتا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "یہ تینوں آج کل کہاں کہاں رہ رہے ہیں؟"

"پرسوں سے سب اسٹیشن فور کے مہمان ہیں۔" اس نے کرسی سنبھال کر بتایا۔ "تمہاری نازک حالت دیکھ کر میں دہل گیا تھا۔ کوئی نیا خطرہ مول لینے کے بجائے میں تینوں کو یہاں لے آیا۔"

"سی ایس ڈی اور بیم گن کہاں ہیں؟" اچانک خیال آجانے پر میں نے پوچھا۔

"بیم گن غزالہ کے پاس ہے۔ سی ایس ڈی اب میرے فون سے منسلک ہے۔"

"میں ایک بات ابھی اپنے دماغ سے جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔" ویرا نے براہ راست اول خان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ بچھو کے ڈنک کی طرح میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"کوئی اور مثال دو۔ تمہارا ڈنک بچھو سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

"دیکھو' اس الو کو خاموش کرلو ورنہ میں اس کا دماغ درست [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے سلطان شاہ کو گھورا تو اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"ناقص العقل مخلوق کی بے سروپا باتیں سننا میرے لئے مشکل ہے۔ میں تازہ ہوا کھانے جا رہا ہوں۔"

"اپنے گھر کی عورتوں کی بھی تم اسی طرح بے عزتی کرتے ہو گے۔" ویرا اس پر برسی۔

"خدا نہ کرے۔" سلطان شاہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کے بولا۔ "وہ بہت کم بولتی ہیں اسی لئے ڈھنگ کی بات کرتی ہیں۔ تمہاری زبان میں تو بچہ لگا ہوا ہے۔" اپنی بات پوری کر کے وہ ویرا کا جواب سنے بغیر پھرتی سے باہر نکل گیا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں کہ یہ کسی دن مجھ سے پٹ جائے گا۔" ویرا نے بے بسی سے کہا۔

"اس پر بھول کر بھی ہاتھ نہ اٹھانا۔ اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "اسے تم سے بے پناہ انسیت ہے اسی لئے ہر وقت تمہارے پیچھے پڑا رہتا ہے۔"

"بھاڑ میں گئے ایسے جھمکے جن سے پھٹ جائیں کان۔" ویرا نے تنک کر کہا اور ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میری قوتِ برداشت جواب دے گئی تو ذرا سی دیر میں اس کے سر سے انسیت کا سارا بھوت اتار دوں گی۔ لفنگا کہیں کا۔"

"اس کے پیٹھ پیچھے غیبت مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم کس بات کا ذکر کر رہی تھیں۔" اول خان نے اس کی ذہنی رو بدلنے کے لئے اسے یاد دلایا۔

"ہاں! تم کو یاد ہو گا کہ پہلی ہی نظر میں مجھے نادرہ کے لچھن اچھے نظر نہیں آئے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اس کمینی نے ڈینی کو کس حال کو پہنچا دیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اچھی عورت نہ رہی ہو لیکن تازہ واقعے سے اس بے چاری کا کیا واسطہ؟" غزالہ نے نرمی سے کہا۔ "وہ یہاں سے ہزاروں میل دور کارڈف میں بیٹھی ہوئی ہے۔"

"اس کی بہن کی چالاکی پر مجھے ضرور حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "اس نے بالا ہی بالا کیسے پتا چلا لیا کہ نادرہ کے گھر کا ایک کمرا کوئی استعمال کر رہا ہے؟"

"وہ اپنی بہن کے پاس آتی جاتی رہی ہو گی۔ پاس پڑوس میں کسی سے معلوم کر لیا ہو گا۔" اول خان نے اس کی صفائی پیش کی۔

"معلوم کر ہی لیا تھا تو اس نے اپنے طور پر ڈینی تک پہنچنے کے بجائے اوبرائن کو خبر کیوں دی؟" ایک جواب کے بعد ویرا کے پاس دوسرا اعتراض تیار تھا۔

"خود کو اس کی جگہ رکھو تو ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔" اول خان اس کی جرح کا جواب دینے کے لئے تیار تھا۔ "اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کمرا کون استعمال کر رہا ہے۔ معاملہ پولیس کی اعلیٰ سطح پر پہنچا ہوا تھا اس وجہ سے [illegible]

مول لینے کے بجائے اوبرائن کو مطلع کر دیا کیونکہ ڈی آئی جی نے اسے اوبرائن سے ملنے کی ہدایت کی تھی۔"

"نادرہ اور طاہرہ کو میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ویرا نے اصرار کیا۔ "یہ کہیں بھی نظر آگئیں تو میں ان کے چہرے رگڑ دوں گی۔"

"ان قصوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ آج کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے اول خان سے کہا۔

"پولیس کی کارروائی مکمل اور بے داغ تھی۔ ایس ٹی ایف کا ریکارڈ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔" اس نے بتایا۔ "اوبرائن کراچی میں کسی کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن وہ بہت کمینہ شخص ہے۔ اس نے اپنے سفیر کے ذریعے ہمارے دفترِ خارجہ سے شکایت کی ہے کہ کرنل جمال دستی نامی کوئی شخص خود کو اسپیشل ٹاسک فورس کا افسر ظاہر کر کے گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ میں نے اپنے طور پر اس نام سے تمہارا تقرر کیا تھا جو ریکارڈ پر آچکا ہے۔ تنگ آکر میں نے کہہ دیا کہ کرنل جمال دستی کا تقرر ایڈہاک تھا۔ عارضی مدت پوری کر کے وہ غائب ہو چکا ہے۔"

"تمہارے کمزور مؤقف سے اوبرائن کی شکایت کو تقویت ملے گی۔"

"میں جانتا ہوں۔ میرے سامنے کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ تم زخمی اور بے ہوش تھے۔ میں کیا کرتا۔"

"میری طرف سے خاموشی کے باعث اس نے یہ حرکت کی ہے۔ میں فون پر اس سے رابطہ کر لوں تو وہ اپنی شکایت واپس لے سکتا ہے۔"

"ایک بار ایسا ہو جائے تو میں بہت سی الجھنوں سے بچ جاؤں گا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "میں کرنل جمال دستی کے وجود سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ میرے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔"

"بلے جلنے سے میرے بازو میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ میں بستر سے اٹھ نہیں سکوں گا....."

"نہیں۔ تم ایک ہفتے تک بستر سے نہیں ہلو گے۔" میرا مدعا بھانپ کر وہ جلدی سے بولا۔ "میں ابھی فون کی لائن یہاں منتقل کرائے دیتا ہوں۔"

میرے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجا کر اس نے ایک اردلی کو طلب کیا اور کچھ ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ غزالہ نے بھی مسہری چھوڑ دی اور ویرا سے بولی۔ "ان لوگوں نے اپنے چکر شروع کر دیے ہیں۔ آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔"

"تم چلی جاؤ۔" ویرا نے بے مروتی سے کہا۔ "مجھے ان کے چکروں سے دلچسپی ہے۔"

غزالہ خفت آمیز انداز میں مسکراتی ہوئی میرے کمرے سے [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

"کم از کم میرے سامنے غزالہ سے ایسی بے رخی سے بات نہ کیا کرو۔" میں نے شکوہ کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ تمہاری بیوی ہی نہیں' میری بہترین دوست بھی ہے۔ مجھے اس سے اپنی مرضی کے مطابق بات کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

ویرا کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ جس بات پر اڑ جاتی تھی اس سے سر مو بھی سمجھوتا نہیں کرتی تھی۔

چند منٹ بعد ٹیلی فون ایک لمبے تار کے ساتھ میرے سرہانے ایک تپائی پر پہنچا دیا گیا۔ اول خان سے پتا چلا کہ اس لائن پر ہی سی ایس ڈی نصب تھی۔

اس وقت دوپہر ہونے والی تھی۔ اوقاتِ کار میں اوبرائن کو اپنے دفتر میں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے ایڈی سے ملنے والے راست نمبر پر رابطہ کیا اور اوبرائن کی آواز پہچان لی۔

"میں جمال بول رہا ہوں اوبی!" میں نے اپنی آواز میں تازگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! کرنل جمال دستی!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "دو دن سے تم کہاں غائب ہو؟"

"دو دن کہاں؟ پرسوں تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ صرف کل کا دن گزرا ہے اور تم نے میرے خلاف اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔"

"کیسی ریشہ دوانیاں؟" اس مکار کی آواز سے معصومانہ حیرت عیاں تھی۔

"تمہارے سفیر نے دفترِ خارجہ میں میرے خلاف شکایت بھیجی ہے۔ میں تمہاری مطلوبہ فہرست حاصل کرنے والا تھا مگر اب یہ کام ناممکن نظر آ رہا ہے..... میں مجبور ہو گیا ہوں۔"

"کیوں؟ میری شکایت سے تمہارے لئے کیا دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں؟" اس نے اپنی گھٹیا حرکت کا بالواسطہ اقرار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اتنے بھولے نہ بنو۔ دفترِ خارجہ والے تمہارے سفیر کی ایک سنگین شکایت کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور کچھ ہو یا نہ ہو' مجھے کسی بھی وقت لاک اپ میں ڈال دیا جائے گا۔ میں نے تمہارے ساتھ ایسی کوئی برائی تو نہیں کی تھی جس کا تم نے بدلہ لیا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شکایت پر اتنی تیزی سے کارروائی ہو گی۔ دو تین دن تو ہمارے سفارت خانے والے بھی خط کے اجرا میں لے لیتے ہیں۔ تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔"

"شاید تم یہ چاہ رہے تھے کہ تمہارا کام مکمل ہوتے ہی میں عتاب میں آ جاؤں؟"

"ہرگز نہیں..... یہ لمبی مدت کی پالیسی کا ایک حصہ تھا۔ اس سے تمہارے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے تو میں ابھی فیکس کے ذریعے اپنی شکایت واپس لے لیتا ہوں۔"

"کاش ایسا ہو سکے اور ہمارے دفترِ خارجہ والے بھی تمہاری معذرت قبول کر لیں ورنہ میرا نام تو بلیک لسٹ میں جا ہی چکا ہے۔"

"میں یہ کام ابھی کرتا ہوں۔ آج کی تاریخ میں شکایت واپس لے لی جائے گی۔"

"تم کوشش کر کے دیکھ لو۔" میں نے مایوسانہ آواز میں کہا۔ "تمہیں میری ساکھ کو جو نقصان پہنچانا تھا' وہ پہنچا چکے ہو۔ آخر تمہیں مجھ سے کیا شکایت پیدا ہو گئی تھی۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں تھی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "میں نے اپنی اور تمہاری ملاقات کی رپورٹ کے ساتھ ایک تجویز بھیجی تھی کہ اگر تمہارے خلاف ایک ہلکی پھلکی شکایت ریکارڈ پر ڈال دی جائے تو آنے والے برسوں میں اس سے ہم ایک اہم فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

"آنے والے برسوں میں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم یہاں کسی لمبی منصوبہ بندی کے تحت کام کر رہے ہو؟"

"بڑے کام برسوں کی مدت میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تم نے امریکا کا نقشہ دیکھا ہو تو سمجھ سکتے ہو کہ ہم صرف جغرافیائی سرحدوں پر یقین رکھتے ہیں اور مشرق سے ہر مصنوعی سرحد کو ختم کر کے بڑی بڑی تجارتی اور پیداواری منڈیاں قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ یہ کام چند ہفتوں یا مہینوں میں نہیں ہو سکتا۔"

اس کے وہ الفاظ میری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھے۔ میں نے پوچھا۔ "تم جغرافیائی سرحدوں کی تعریف کس طرح کر سکتے ہو؟"

"زمین کا عدم تسلسل یا یوں سمجھ لو کہ ہر خلیج' کھائی' دریا یا پہاڑ جغرافیائی سرحد بناتا ہے۔ تم نے میدانوں میں اپنی مرضی کی لکیریں ڈال کر سرحدیں قائم کر لی ہیں۔"

"یہ سرحدیں ہماری نہیں' انگریز سامراج کی بنائی ہوئی ہیں۔" میں نے کہا۔

"اس خطے میں صرف ایک سرحد ہے۔ ہمالیہ کے ایک طرف چین واقع ہے اور دوسری طرف ایک ارب تیس کروڑ انسانوں پر مشتمل متعدد چھوٹے بڑے ممالک ہیں۔ ان میں سے تمہارے اور بھارت کے درمیان کشمیر پر جھگڑا ہے۔ تھوڑی سی جگہ اور آبادی کے لئے دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف ایٹمی تیاریوں میں مصروف ہیں اور پورے خطے کو تس نہس کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"میری شکایت کا ازالہ کرتے کرتے تم نے سیاسی باتیں شروع کر دیں۔"

"یہ سیاسی باتیں نہیں' ہماری عظیم تر منصوبہ بندی کی روح ہے۔ تم جانتے ہو کہ کشمیر کی بلکہ بقول تمہارے مقبوضہ کشمیر کی کل [illegible] مناسب ہے۔ تم

Downloaded from https://paksociety.com

کتنی چھوٹی سی آبادی کے لئے اپنے تمام وسائل تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

اوبرائن ڈی ہنٹ کی زبان سے امریکی عزائم سامنے آرہے تھے۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے کہا۔ "میں غیر سیاسی آدمی ہوں۔ ساری باتیں تم بتا رہے ہو تو یہ گنتی بھی تم ہی گنوا دو۔ پتا نہیں تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔"

"مقبوضہ کشمیر کی کل آبادی تیس لاکھ ہے جس میں چالیس فیصد یعنی بارہ لاکھ ہندو ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے۔" اوبرائن کو شاید وہ سارے اعداد و شمار ازبر تھے۔

"بات اٹھارہ لاکھ یا اٹھارہ کروڑ کی نہیں' اصولوں کی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم نے یہ اعداد و شمار اپنے مقاصد کے لئے مرتب کئے ہوں۔ ان کی سند کیا ہے؟"

"یہ مواصلات اور سیٹلائٹ کا دور ہے۔ ہر سند ہر جگہ مل جائے گی۔ ذرا غور کرو کہ محض اٹھارہ لاکھ افراد کی خاطر کیا ہمسا سے گوادر اور گلگت سے گالے تک چھ سات ممالک میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی توپ کے دہانے پر لا بٹھانا کہاں کی دانش مندی ہے۔ اس جنونی مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ ہر مصنوعی سرحد مٹا کر ہمالیہ اور خیبر کو سرحد بنا دیا جائے۔ ہمالیہ کی ایک سمت میں چین ہوگا' دوسری طرف عظیم قوت اور آبادی والا برصغیر۔ ہمارے اس منصوبے میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی ذرا بھی اہمیت نہیں ہے۔"

"اہمیت نہیں ہے تو تم نے میرے خلاف شکایت کو ریکارڈ پر لانا کیوں ضروری سمجھا؟" میں اس کی زبان سے نئے امریکی منصوبے کے خدوخال سن کر اندر سے دہل اٹھا تھا مگر میں نے اس موضوع پر بات آگے بڑھانے کے بجائے رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

"ایس ٹی ایف جیسی نادیدہ اور قانون سے ماورا قوتیں ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔" اس نے کھل کر تسلیم کر لیا۔ "ہمارا ہدف تمہاری ذات نہیں ہے۔ ہم مناسب موقع پر اس فورس کو فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ رپورٹ ہمارے ہوم ورک کا ایک حصہ بننے والی تھی۔"

"اب تم اسے واپس لے رہے ہو؟" میں نے اس سے تائید چاہی۔

"مجبوری ہے کیونکہ تم رپورٹ سے کہیں زیادہ اہم مشن پر کام کر رہے ہو۔ تمہاری کامیابی سے ہماری راہ کافی مختصر ہو جائے گی۔" وہ میری باتوں میں آچکا تھا۔

اس سے وعدہ لیتے ہی میں اس کے من پسند موضوع کی طرف چلا گیا۔ "تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ برصغیر کے نام پر تم پاکستان کو ختم کر کے عظیم تر ہندوستان قائم کرنے کے خواہاں ہو۔"

"ہمیں پاکستان یا ہندوستان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم خوش فہمی کے لئے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ ہم سارے ملکوں کو پاکستان میں مدغم کر دینا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ پورا خطہ چین کے مقابلے میں ایک زبردست اکائی ہے اور مستقبل میں ہم اسے یہی کردار سونپنا چاہتے ہیں۔"

"موجودہ حالات میں تمہارا یہ خواب محض ایک خواب ہی نظر آتا ہے۔"

"جب تک اس علاقے کے دو بڑے ملکوں میں دشمنی کی جڑیں نہیں کاٹی جاتیں' یہ خواب پورا نہیں ہوگا۔" اس نے گلی لپٹی رکھے بغیر کہہ ڈالا۔ "ایک طرف صرف اٹھارہ لاکھ افراد کی آزادی کی خودساختہ لڑائی ہے اور دوسری طرف سوا ارب سے بھی زیادہ انسانوں کی خوش حالی۔ ہم کشمیر کا بٹوارہ کر دیں گے۔ جو جہاں ہے' وہیں رہے۔ دوسری طرف والوں کو بھول جائے۔ جس دن یہ سمجھوتا ہو گیا' ہمارے خواب کو پہلی تعبیر مل جائے گی اور تم دیکھو گے کہ غیر منقسم پنجاب' بنگال اور راجستھان جیسی مضبوط اور متحد ریاستوں پر مشتمل ریاست ہائے متحدہ ایشیا نامی ملک عالمی نقشے پر ظہور میں آئے گا۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے عتاب سے نجات ملنی چاہیے۔" میں نے اکتاہٹ ظاہر کی۔

"اس طرف سے تم بے فکر رہو۔ میں فون بند کر کے سب سے پہلے یہی کام کروں گا۔" اس نے یقین دلایا اور پھر پوچھا۔ "تم اب بھی اپنے محکمے کا محفوظ فون استعمال کر رہے ہو؟"

اس نے میرے اقرار کو آزمانے کے لئے لائن میں کوئی گڑبڑ کی اور سی ایس ڈی کی مداخلت سے فون بند ہو گیا۔

"بہت لمبی بات ہوئی!" ویرا نے متجسس انداز میں کہا۔ "زیادہ تر وہی بولتا رہا اور تم سنتے رہے۔"

"جان نے صحیح کہا تھا۔ اوبرائن ہمارے ملک میں بہت گھناؤنے عزائم کے ساتھ وارد ہوا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس کی باتوں نے مجھے فکرمند کر دیا ہے۔"

وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے ان کو اوبرائن ڈی ہنٹ کی ہرزہ سرائیوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے وہ بھیانک منصوبہ سن رہے تھے جس میں نظریاتی بنیادوں کو منہدم کر کے جغرافیائی وحدتوں کی عمارت تعمیر کرنے کے عزائم پوشیدہ تھے۔

"اب سمجھ میں آرہا ہے کہ پچھلے کافی عرصے سے امریکی پاکستان پر بار بار اپنا پھن کیوں مار رہے ہیں۔" میری زبان سے وہ روداد سن کر اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "وہ تمہیں بھی ایس ٹی ایف کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور فورس کے ساتھ تم کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو پاکستان میں اپنی مرضی کی بساط جمانے کے لیے کھلا میدان مل سکے۔"

"ہمیں پاکستان [illegible] نے سنجیدگی سے اسے ٹوک

Downloaded from https://paksociety.com

دیا "میرے اور تمہاری فورس کے علاوہ بھی اس ملک میں دشمن کی گردن توڑنے والے لوگ موجود ہیں۔ جن لوگوں نے اسپیشل ٹاسک فورس کا تصور دیا' اس کی منصوبہ بندی اور تشکیل کی' تم انہیں کیوں بھول رہے ہو۔"

اول خان شرمندہ ہو کر بولا "ہاں' یہ میری فورس نہیں ہے۔ اس کی داغ بیل ڈالنے والے آج بھی گمنام رہ کر اس کے کارناموں پر فخر کرتے ہوں گے۔ انہوں نے بھلے وقتوں میں اسپیشل ٹاسک فورس بنا دی ورنہ آج تو دور دور تک امید کی کرنیں نظر نہیں آتیں۔"

"ہم تینوں ہی امید کی کرنیں ہیں۔ ویرا پاکستانی نہیں ہے لیکن تم اس کی کامیابیوں اور کارگزاریوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔

میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ نام نہاد قومی دانش وروں کے برعکس میں پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں بہت زیادہ... پُرامید تھا۔ اگر ہمیں تحفظات فراہم کرنے اور ہمارا مان پورا کرنے والے نہ ہوتے تو ہم ایک دن بھی اپنے دشمنوں کے سامنے نہیں کھڑے رہ سکتے تھے۔ دو دن پہلے کی بات تھی کہ فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے ایک انسپکٹر نے اپنے ڈی آئی جی کا حکم پورا کرتے ہی اول خان کا مشورہ بے چون وچرا مان لیا اور اپنی نفری لے کر واپس چلا گیا۔ وہ تعاون نہ کرتا تو میری کہانی اسی روز ختم ہو گئی ہوتی۔ اول خان اس سے بحث میں الجھا رہتا اور میں خون ضائع ہونے کے سبب نادرہ کے مکان کے اندھیرے تہ خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتا۔

یہ ضرور تھا کہ ہم حالات سے باخبر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ سرگرم اور فعال تھے لیکن ہم بہت سی بیساکھیاں استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کر رہے تھے۔ سرکاری عہدوں پر جہاں فرض ناشناس اور غدار افراد براجمان تھے وہاں ہمارے معاونین کی بھی کمی نہیں تھی۔

"تمہاری شکایت کے بارے میں اس نے کیا کہا؟" اول خان نے پوچھا۔

"غلطی مان رہا تھا اور کوئی لمبی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ طے ہو گیا ہے کہ آج ہی وہ شکایت واپس لے لے گا۔" میں نے اسے بتایا۔

"یہ بہت بڑا کام ہو گا۔ میرے مسائل حل ہو جائیں گے۔" وہ خوش ہو کر بولا "ایک مرتبہ شکایت واپس لے لی گئی تو تمہیں بھی کھل کھیلنے کی آزادی مل جائے گی۔ ان لوگوں نے دوبارہ تمہاری شکایت کی تو اسے کوئی اہمیت دیے بغیر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے بستر پر پڑے پڑے بھی تمہاری ایک مشکل آسان کر دی۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ [illegible]

تھی؟"

"شاید تمہارا ذہن کہیں اور تھا۔ میرے سوال کے جواب میں ہی اس نے جوش میں آ کر اپنے طویل مدت کے منصوبے پر روشنی ڈالنی شروع کی تھی۔"

"اور وہ اس نئے ملک کا نام بھی تجویز کر چکا ہے۔" اول خان کی آواز میں ملال اور صدمے کا عنصر نمایاں تھا۔

"نام سے انہیں کوئی غرض نہیں ہے۔ عملی طور پر وہ اس خطے میں ریاست ہائے متحدہ ایشیا بنانا چاہتے ہیں اور اس پر کام شروع ہو چکا ہے۔"

"نام سب سے زیادہ اہم ہے۔" ویرا بولی "فرض کرو کہ نئے ملک کو پاکستان کہا جائے تو اس کا مفہوم یہی ہو گا کہ دیگر ممالک اپنا علیحدہ وجود ختم کر کے پاکستان میں ضم ہو گئے ہیں۔ یہ پوزیشن ہر پاکستانی خوشی سے قبول کر لے گا لیکن متعصب ہندو اس پر چراغ پا ہو جائیں گے۔"

"ہاں' یہ نفسیاتی فرق تو پڑے گا۔ اس بارے میں اس کی باتیں گول مول تھیں۔"

"مجھے اس منصوبے پر ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا "امریکا نے روس کو افغان جنگ میں الجھا کر تباہ و برباد کر دیا ہے۔ جنگ میں خود شرکت کیے بغیر دل کھول کر لڑاکا گروپوں کو مدد فراہم کی ہے۔ اسے یقین ہے کہ روس کی قوت تباہ ہو جائے گی۔ اسے اصل خوف چین سے ہے جو ہمالیہ کی اوٹ میں تیزی سے ایک فوجی اور صنعتی عفریت کا روپ دھارتا چلا جا رہا ہے۔ امریکی دانش ور اب روس کے بجائے چین پر بات کرتے رہتے ہیں۔"

"مجوزہ اتحاد بھی چین کے خلاف استعمال ہو گا۔" اول خان نے کہا "موجودہ حیثیت میں کوئی بھی ملک چین کے لیے چیلنج نہیں بن سکتا۔"

اور برائن ڈی ہنٹ نے اپنی کھلی کھلی باتوں سے ہمارے سوچنے کے لیے بہت سا فکر انگیز مواد فراہم کر دیا تھا۔ ہم دیر تک پُرہول امکانات اور اندیشوں پر سر کھپاتے رہے پھر اول خان ایک پیغام ملنے پر وہاں سے اٹھ کر اپنے دفتر چل دیا۔

"اب بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" چند ثانیوں تک مسکراتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لینے کے بعد ویرا نے شوخی سے پوچھا۔

"وہی جو بادشاہ دوسرے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے ہم سب کی جان نکال دی تھی۔ تمہیں وہاں جانے کی اتنی عجلت کیوں تھی؟"

"یہ موضوع ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نئی بات کرو۔ مقدر کا [illegible] تقدیر کے نفاذ کے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ اس تجربے سے گزرنے کے بعد تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔"

اول خان میرے کمرے سے چلا گیا تھا۔ غزالہ کو شاید اس بات کا علم ہوگیا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکی کہ ویرا میرے ساتھ تخلیے میں رہے۔ چند منٹ میں وہ میرے پاس آگئی۔

"تم چاہو تو جا کر کچھ آرام کرلو۔ میں ان کی دیکھ بھال کرلوں گی۔" اس نے آتے ہی ویرا کو پیشکش کی۔ ویرا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کا منہ بن گیا۔

اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی سگریٹ ختم کی اور پھر اکتائے ہوئے انداز میں اٹھ کر چلی گئی۔ غزالہ نے بڑھ کر چند ثانیوں کے لیے اپنا چہرہ میرے سینے پر رکھ دیا اور میرے وجود میں لذت انگیز ٹھنڈک سی سرایت کرگئی۔ ایسی والہانہ چاہت اور سپردگی کا اظہار غزالہ جیسی باوفا بیوی ہی کرسکتی تھی۔

شام کو چار بجے اول خان دوبارہ آیا تو بہت خوش تھا "تم نے اوبرائن سے بات کرکے مجھے بہت بڑی مشکل سے نکال لیا۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے وعدے پر واقعی عمل کیا ہے۔"

"شکایت معذرت کے ساتھ واپس لے لی گئی ہے مگر کرنل جمال دستی کے بارے میں اوپر والوں کی پوچھ گچھ جاری ہے۔ ایس ٹی ایف کی صفوں میں بدعنوانی یا ذاتی مفاد پرستی کو ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہے گا۔"

"مجھے ایڈہاک ملازم قرار دے کر تم پیش منظر سے غائب کرچکے ہو۔ اب وہ تم سے کیا جاننا چاہیں گے؟ تم ایک روپوش آدمی کو کہاں سے پیدا کروگے؟"

"ڈسپلن کے معاملات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ سوال اس وقت بھی برقرار ہے کہ میں نے مشتبہ پس منظر رکھنے والے کو اپنی فورس میں کیوں جگہ دی۔"

"پھر تم کیوں خوش ہورہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اوپر والوں کا لب ولہجہ نرم پڑتے ہی میں نے اپنا مؤقف تبدیل کرلیا ہے۔ تمہیں ایڈہاک ملازم کے بجائے ایک بے لوث مخبر قرار دیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایس ٹی ایف کے فنڈز سے کرنل جمال دستی کے نام پر ایک پیسہ بھی جاری نہیں کیا گیا۔"

"تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ تم نے ڈینی کو بچانے کی کوشش کی تھی؟"

"یہ بات میں لکھ کر نہیں دے سکتا۔ اسلام آباد جا کر ذاتی طور پر بتاؤں گا کہ مجبوری کے تحت ڈینی کو کرنل جمال دستی کا نام دینا پڑا تھا اور یہ قصہ ختم ہوجائے گا۔ اوبرائن نے اپنی شکایت واپس لے کر میری پوزیشن مضبوط کردی ہے۔"

"تم اسلام آباد جارہے ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"صرف اتنی سی بات کے لیے؟"

"یہ ضمنی کام ہوگا۔ اصل معاملہ اوبرائن سے ملنے والی معلومات کا ہے۔ اب سمجھ میں آرہا ہے کہ بعض سیاسی حلقے امریکا کے اشارے پر ہی پاکستان اور بھارت کی کنفیڈریشن کا مسئلہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں فوری طور پر مقتدر حلقوں کے علم میں آنی چاہئیں۔"

"میں اس بارے میں سوچتا رہا ہوں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "میں نے اوبرائن کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ ایک لمبی مدت میں مرحلہ وار اپنے مقاصد حاصل کریں گے۔"

"تمہاری یہ وضاحتیں میرے کام آئیں گی۔ تم جانتے ہو کہ اس قسم کے تجزیے میرے بس سے باہر ہیں۔ تمہاری اس سے براہِ راست بات ہوئی تھی۔ تم ہی اس کی بہترین تشریح کرسکتے ہو۔"

"میرے لیے ایک سگریٹ سلگا دو۔" میں نے اس سے فرمائش کی۔ اول خان کی آنکھوں میں آزردگی سی تیر گئی۔ اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر سگریٹ سلگا دی۔ اسے یہ جان کر دکھ ہوا ہوگا کہ عارضی طور پر ہی سہی، میں اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات پوری کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

میں نے سگریٹ کے دو گہرے گہرے کش لے کر دھواں فضا میں خارج کیا پھر کہنا شروع کیا "اس کی زہریلی باتوں سے مجھے جو اشارے ملے ہیں ان سے تین مرحلے سامنے آئے ہیں۔ پہلا مرحلہ کشمیر میں مکمل ترین سیز فائر اور موجودہ کنٹرول لائن کی بین الاقوامی سرحد میں تبدیلی کا ہوگا۔ یہ پاکستان اور بھارت کے درمیان محاذ آرائی کا سب سے بڑا بلکہ بنیادی سبب ہے....."

"کیا تمہاری دانست میں یہ اس مسئلے کا کوئی مناسب حل ہے؟" اس نے درمیان میں پوچھا۔

"اس وقت ہم ان کے منصوبے پر بات کررہے ہیں۔ میری ذاتی رائے مختلف ہے۔ پوزیشن کو جوں کا توں تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ماضی میں ہم جو کچھ کرتے رہے وہ غلط تھا۔"

"میں بھی اس وقت بالکل یہی بات سوچ رہا تھا۔" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"دوسرے مرحلے میں شاید وہ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی کنفیڈریشن بنانے پر زور دیں گے۔ یہ اس خطے میں بڑی آبادی والے تین ملک ہیں۔ ان کا ادغام ایک نئی سوچ اور نفسیات کو جنم دے گا۔ اس کے بعد تیسرے مرحلے میں چھوٹے موٹے ملکوں کو ملا کر یہ اپنا خواب پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"انہیں بھارت کی پوری حمایت حاصل ہوگی۔ وہاں اکھنڈ بھارت کے نعرے اب بھی سنائی دیتے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"سیاسی تجزیے ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو اس فن کی روزی کھا رہے ہیں۔ ہمارا کام محدود اور مختلف ہے۔ ملک دشمنوں اور مجرموں کے خلاف جہاد میں پہلی مرتبہ ابرائن جیسا خطرناک اور ٹیڑھا مگر صاف گو سازشی سامنے آیا ہے۔ اس کے جرائم کی فہرست میں پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازشیں کرنے کے جرم کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ امریکی اس کو اپنے لیے بہت اہم تصور کرتے ہیں۔"

"وہ اہم ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "وہ موقع پرست اور زیرک ہے۔ اس قدر جارح مزاج کا مالک ہے کہ مخاطب پر فوراً حاوی ہونے کی کوششیں شروع کر دیتا ہے۔ اس کے چنگل میں پھنسنے والے کمزور آدمی مشکل سے ہی نکل پاتے ہوں گے۔"

"تم اپنے بارے میں کیا محسوس کر رہے ہو؟ اس نے تمہیں بھی گھیرا ہوا ہے۔"

میں سگریٹ اپنے لبوں سے ہٹا کر بے ساختہ ہنس پڑا "وہ صبح کی پوزیشن تھی۔ اپنی شکایت واپس لینے کے بعد اس نے مجھے بے مہار کر دیا ہے۔ میں اسے تگنی کا ناچ نچاؤں گا۔"

"اسے جلد از جلد جانا چاہیے۔ پاکستان میں اس کا قیام طویل ہو گیا تو یہ اپنا نیٹ ورک نہ جانے کہاں کہاں پھیلا دے گا۔ اس کے عزائم سے واقف ہونے کے بعد اسے ڈھیل نہیں دی جا سکتی۔"

"میں اسے پاکستان سے نہیں، اس دنیا سے روانہ کر سکتا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "بس تمہاری اجازت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم کسی آفت کا شکار ہو جاؤ۔"

"میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک اہم ملک کا سفارت کار ہے۔" وہ کمزور سی آواز میں بولا "اس کی موت پر خوف ناک پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"تم اسلام آباد جا رہے ہو۔" میں نے دھیرے سے اسے شہ دی "اس بارے میں بھی بات کر لینا۔ گرین سگنل مل گیا تو اپنی سی کچھ کر گزریں گے۔"

"پہلے اپنی خیر مناؤ اور بستر چھوڑو۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔ عمر بھر چلتی رہیں گی۔" وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"تمہارا ڈاکٹر میرے زخم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" مجھے وہ بھولا ہوا موضوع یاد آ گیا۔

"ہمارے اسٹیشن پر کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ یہاں صرف فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی سہولتیں میسر ہیں۔ تم کو دیکھنے کے لیے ایک آرمی سرجن آتا ہے۔ وہ تمہاری قوتِ مزاحمت پر حیران تھا۔"

"میں نے کوئی مزاحمت کی ہی نہیں، بس بے خبری میں گولی کا نشانہ بن گیا۔"

"میں دو سرجنوں کے ہاتھ [illegible]

خون کی مقدار اتنی کم رہ گئی تھی کہ تمہاری زندگی خطرے کے نشان سے بھی نیچے تھی مگر تم بچ گئے۔ گولی نے تمہارے بازو کی جلد اور گوشت کو ادھیڑ ڈالا تھا۔ ہڈی پر صرف خراش آئی ہے۔ ایک ہفتے بعد تم اس قابل ہو سکو گے کہ کھڑے ہو کر اپنے بازو کو لٹکا سکو۔ آزادانہ نقل و حرکت بعد کی بات ہے۔"

"خطرہ تو ٹل چکا ہے۔ اب یہ ڈرپ کا سلسلہ ختم کر دو۔ میں غزالہ کی مدد سے اپنے سارے کام انجام دے لوں گا۔ بستر پر ہفتے بھر پڑا رہا تو میری پیٹھ میں زخم پڑ جائیں گے۔"

"سات بجے ڈاکٹر آئے گا تو بات کر لیں گے۔" اس نے مجھے دلاسا دیا۔

اول خان کی زبانی مجھے پتا چلا کہ بے ہوشی کی حالت میں میری جان کو لاحق خطرے کی پچھلی دو راتیں میرے تیمارداروں نے بہت اضطراب کے عالم میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میرے ہوش میں آنے کے بعد ویرا اور سلطان شاہ غائب ہو گئے تھے۔ بس غزالہ میری دیکھ بھال میں لگی رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں اپنے کمروں میں پڑے سو رہے تھے۔

شام کو کرنل کے عہدے کا آرمی سرجن مجھے دیکھنے آیا۔ وہ جوان اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس نے خود ہی ڈریسنگ کھول کر زخم اور ٹانکوں کا جائزہ لیا۔ مجھے جلد صحت یابی کی نوید سنائی اور دوبارہ زخم کی ڈریسنگ کر کے چلا گیا۔

"ایک طرف تم کرنل جمال دستی کی وضاحتوں میں الجھے ہوئے ہو۔ دوسری طرف مجھے یہاں لا ڈالا ہے۔ کیا یہ دونوں باتیں متضاد نہیں ہیں؟"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "میرا بیشتر اسٹاف جانتا ہے کہ تم ڈینی ہو۔ یہاں تم ڈینی ہی ہو۔ جمال دستی والی وضاحت میرے اسلام آباد پہنچنے پر ہو گی۔"

"میرے بارے میں جہانگیر کو کیا بتایا گیا ہے؟ وہ میاں بیوی کس حال میں ہیں؟"

"انہیں آپ کے زخمی ہونے کی خبر نہیں دی گئی۔" غزالہ نے بتایا "اول خان نے اس بری خبر کو پوری طرح خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ دونوں مزے میں ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ آپ کسی اہم کام سے چند روز کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"چوہدری سلام کا کیا بنا؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔ بھولی ہوئی باتیں مجھے ایک ایک کر کے یاد آتی جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب بہت پرانے قصے ہوں۔

"ان سوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم نارمل ہوتے جا رہے ہو۔" اول خان مسکرا کے بولا "اس کے خلاف ثبوت اس قدر واضح اور مکمل تھے کہ اس کے حامی ہچکچا کر پسپا ہوتے چلے گئے اور آخر کار اینٹی نارکوٹکس اور ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی والوں نے

Downloaded from https://paksociety.com

"ہماری جدوجہد بار آور ہوئی۔" میں نے خوشی سے کہا۔
"کھٹول مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا۔ چوہدری سلام اب وقت کی چکی میں پستا رہے گا۔ تم دیکھ لو کہ یہ دونوں کتنے طاقت ور اور بارسوخ تھے مگر ظلم اور جرم ہمیشہ نہیں پھل پھول سکتا۔ جب تک کہیں بھی کوئی ایک فرض شناس اور ایمان دار آدمی بیٹھا ہوا ہے' جرم کی بیخ کنی ہوتی رہے گی۔"

"چوہدری سلام اپنی گرفتاری پر اپنے دوستوں اور بہی خواہوں سے شاکی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے برے وقت میں کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اسے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا۔ مایوسی کے اس غلبے میں اس نے متعدد سرکردہ سیاسی اور سماجی چہرے بے نقاب کردیے ہیں۔ وہ سب اس کے ساتھ یا اپنے طور پر ہیروئن کے ناجائز کاروبار میں ملوث ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس بار موت کے سوداگروں کی ایک بڑی کھیپ پکڑی گئی ہے۔"

"ابھی کوئی نہیں پکڑا گیا۔" اول خان نے میری تصحیح کی "ایک ملزم کے انکشافات کو اتنی اہمیت نہیں دی جاسکتی کہ اس کی بنا پر نام نہاد معززین کی اندھا دھند گرفتاریاں شروع کردی جائیں۔ ان کے علم میں نہیں ہے کہ چوہدری سلام نے کیا کام دکھایا ہے۔ ایسے افراد کی نگرانی شروع ہوگئی ہے۔ مناسب وقت آنے پر وہ باری باری دھر لیے جائیں گے۔"

"کیسی سرعت سے اور کتنا نیک کام ہو رہا ہے پھر بھی ہم اپنے سسٹم سے نالاں رہتے ہیں۔"

"تم یہ بات بھول رہے ہو کہ کھٹول اور چوہدری سلام اسی سسٹم کے کلیدی پرزے تھے اور ایک مدت سے پروان چڑھ رہے تھے۔"

تھوڑی دیر بعد ویرا اپنی نیند پوری کرکے وہاں آپہنچی۔ اس کے بعد سلطان شاہ بھی آگیا اور ہماری باتیں سنجیدہ موضوعات سے ہٹ کر خوش گپیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ہر شخص دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے لیے تازہ دم اور سدا بہار نظر آرہا تھا۔

○☆○

اگلے دن میں نے بستر چھوڑ دیا۔ گلے میں سلنگ ڈال کر میں نے یہ اہتمام کرلیا تھا کہ بائیں بازو کا سارا زور گہنی کے ذریعے میری گردن سے جھولنے والی نرم پٹی پر رہے۔ میں نے دن کا بیشتر حصہ اسٹیشن فورمیں گھومتے پھرتے یا اول خان کے دفتر میں بیٹھ کر گزارا۔

کھٹول کو قتل کرنے والے چاروں امریکیوں کی پولیس کے ہاتھوں ہلاکت کو کئی روز گزر چکے تھے لیکن اخبارات میں اس خونین واقعے کی بازگشت موجود تھی۔

لاشوں کے پوسٹ مارٹم اور اسلحے کے ماہرین کی جامع رپورٹیں آجانے کے بعد تاثر دیا جارہا تھا کہ امریکی سفارت خانے کے اہل کار اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار لے کر چلتے ہیں۔ ان کی گاڑیوں میں بھی ہتھیار موجود ہوتے ہیں۔ ان کا مؤقف تھا کہ وہ کھٹول کو ایک ہندو دوست سمجھ کر اس کے گھر گئے تھے۔ وہاں کھٹول کے ملازمین نے ان پر حملہ کردیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اپنے دفاع میں ہوا۔

تازہ ترین نکتہ یہ تھا کہ کھٹول کی موت کا سبب بننے والی گولی لینڈ روور میں موجود ایک سب مشین گن سے چلائی گئی تھی۔ لینڈ روور میں موجود دوسرے ہتھیاروں سے چلائی ہوئی گولیاں پولیس کی گاڑیوں وغیرہ سے برآمد ہوئی تھیں۔ ان کے سارے ہتھیار امریکی ساخت کے تھے۔

بقیہ چار مقتولین کے بارے میں خود پولیس نے اقرار کرلیا تھا کہ انہیں کھٹول کے قتل کے بعد فرار ہوتے ہوئے' پولیس مقابلے میں ہلاک کیا گیا تھا۔

ان حقائق کے باوجود امریکی حکام ایک ہی راگ الاپ رہے تھے کہ وہ پورا واقعہ کسی بھیانک سازش کا نتیجہ تھا جس میں اصل ہدف کھٹول تھا۔ امریکی شہری شاید واردات کے عینی شاہد ہونے کی بنا پر ہلاک کردیے گئے تھے۔

ان کی نرالی منطق یہ تھی کہ کھٹول کو ڈینی کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے پر انتقام کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ لوگ اس بات کا کوئی جواب دینے سے قاصر رہے تھے کہ غیر سفارتی نمبر پلیٹ والی لینڈ روور میں ان کے چار آدمی کھٹول کے آس پاس کیوں موجود تھے۔

ایک اخبار کے نامہ نگار نے کمال ہی کر دکھایا تھا۔ اس نے لینڈ روور کی پرائیویٹ نمبر پلیٹ سے اس کے مالک کا سراغ لگا کر انکشاف کیا تھا کہ وہ کھٹول کا ایک قریبی ہندو دوست تھا جو ان دنوں کسی کاروباری دورے پر کینیا گیا ہوا تھا۔

امریکیوں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے وہ انکشاف بہت اہم تھا۔ اگر وہ چاروں امریکی کسی مجبوری کے تحت اپنی سفارتی گاڑی میں سفر نہیں کررہے تھے تو کس اتفاق کے تحت کھٹول کے دوست کی لینڈ روور استعمال کررہے تھے؟ کھٹول کا وہ دوست بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے وہ گاڑی کس طرح اور کس اختیار کے تحت حاصل کی تھی؟

نامہ نگار نے اپنی اس دریافت کے ساتھ ان کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا۔ اس کا مؤقف تھا کہ امریکیوں نے کھٹول کو مارنے کے لیے اس کے دوست کی گاڑی استعمال کرکے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ پرائیویٹ گاڑی ہونے کی وجہ سے وہ ہر شک و شبے سے بالاتر رہتے اور اگر کوئی اس گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیتا تو کھٹول کے غیر حاضر دوست کا نام سامنے آنے پر بات الجھ جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہی سوچا جاسکتا تھا کہ ہندو برادری کے کسی ابھرتے ہوئے سیاسی رہنما نے کھٹول جیسی طاقت ور شخصیت کو قتل کرکے اپنا راستہ صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

اخبار اول خان نے بھی پڑھا تھا لیکن وہ تفصیل میں نہیں گیا تھا۔ اسے حقائق کا علم تھا اور وہ پُریقین تھا کہ امریکی سر کے بل کھڑے ہوجائیں تب بھی اپنے آلودہ دامن کے داغ نہیں مٹا سکیں گے۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں مزید دو دن تک مجبوری اور جزوی معذوری کے اس عذاب سے گزرتا رہا اور صرف اسٹیشن فور تک محدود رہا۔ اس دوران میں میں نے ایک بار پھر اویرائن کو فون کیا تاکہ اس کے صبر کا پیمانہ چھلکنے سے پہلے اسے تھپک کر سلا سکوں۔

"تم فون کرتے ہو اور غائب ہو جاتے ہو۔" میری آواز پہچانتے ہی وہ پھٹ پڑا "مجھے اپنا فون نمبر دو تاکہ میں ضرورت کے وقت تم سے رابطہ کر سکوں۔"

"نہیں اولی' تم مجھے مروا دو گے۔" میں نے سختی سے انکار کر دیا "تم نے شکایت واپس لے کر اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر میری دُم میں بدستور نمدہ کسا ہوا ہے۔"

"کیوں؟ اب تم پر کیا مصیبت آئی ہوئی ہے؟" اس نے بھنا کر پوچھا۔

"باہر میری نگرانی ہوتی ہے' دفتر میں لوگ محتاط رہ کر بات کرتے ہیں۔ یہ سوال ہر ایک کے لیے پریشان کن ہے کہ فورس کے سیکڑوں اہل کاروں میں سے صرف میرا نام کیوں لیا گیا۔"

"میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں۔ انہیں تم ہی سنبھالو گے۔ مجھے جلد از جلد نتیجہ چاہیے۔" دوسری طرف سے بے اعتنائی سے جواب دیا گیا۔

"ہر کام کو بگاڑنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اسے سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "نتیجے کے لیے تم کو کچھ انتظار کرنا ہو گا۔"

"پہلے تم نے بتایا تھا کہ تم فہرستوں تک رسائی حاصل کرنے والے تھے؟"

"وہ اس وقت کی بات ہے جب تم نے مجھ پر الزام تراشی نہیں کی تھی۔ اس کے بعد میں اشتباہ آمیز نگاہوں کا مرکز بن گیا ہوں۔"

"کان کھول کر سن لو!" اس کی تادیبی آواز ابھری "میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔"

"نہ دو" میں نے بے پروائی سے کہا "میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"

"میں تمہارے بارے میں پریس ریلیز جاری کرا دوں گا۔ تم تباہ ہو جاؤ گے۔"

"میں پہلے ہی تباہ ہو چکا ہوں۔ مزید کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم لوگ پریس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ ہم کو اپنے اوپر نیچے والوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ان میں تم میری ساکھ خراب کر چکے ہو۔"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تم مجھے آنکھیں دکھانے پر تل گئے ہو؟"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ مجھ پر ناجائز دباؤ مت ڈالو۔ میں خود بھی وقت برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کام ہو جائے تو مجھے فون کرنا۔ ڈینی کے بارے میں کیا ہو رہا ہے؟"

"وہ کراچی ہی میں ہے۔ میں ایک آدھ بار دور سے اسے دیکھ بھی چکا ہوں۔ بات وہی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے اعتماد سے محروم ہو چکا ہوں۔ ان سے کچھ اگلوانا مشکل ہو گیا ہے۔"

"تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میرے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ میں نے تمہارے لیے کتنی مشکلات پیدا کی ہیں۔ تمہاری غلط بیانی سامنے آئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ تم اپنا اطمینان کر لو" میرے یہ کہتے ہی فون بند ہو گیا۔

اس گفتگو کے دوران میں ویرا اور غزالہ کمرے میں ہی موجود تھیں۔ سلطان شاہ ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ساتھ والی بال کورٹ میں گیا ہوا تھا۔

"تم چھیڑ چھاڑ کر کے اسے بلاوجہ اشتعال دلا رہے ہو" فون بند ہونے پر ویرا نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ جو کچھ چاہ رہا ہے اسے فراہم کر دوں؟"

"اس کے اشاروں پر ناچنا نہیں چاہتے تو خاموش بیٹھے رہو" وہ بولی۔

"خاموش رہ کر اس سے رابطہ توڑنا مناسب نہیں ہے۔ وہ اس وقت ہمارا اکلوتا بدترین دشمن ہے جو نگاہوں میں آیا ہوا ہے۔ جلد یا بدیر اس کے خلاف کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"اس سے رابطہ قائم رکھ کر تم کیا فائدہ حاصل کرنے کی آس لگائے بیٹھے ہو؟"

"وہ میری طرف سے تھوڑا سا چڑا مید رہے گا۔ شاید میں اسی طرح اس پر ڈورے ڈال سکوں۔"

"یہ رابطہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کے ساتھیوں کو ان رابطوں کا علم رہے گا۔ کبھی بھی اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو الزام تمہارے اوپر آجائے گا۔"

"پتا نہیں' یہ اولی خان اسلام آباد کب جائے گا۔ میں تم سے اس حد تک متفق ہوں کہ چوہے اور بلی کا یہ کھیل زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے۔"

"اولی خان کا آج رات اسلام آباد جانے کا پروگرام ہے" غزالہ نے مجھے بتایا۔

پھر اولی خان بھی آگیا۔ اس نے غزالہ کی دی ہوئی اطلاع کی تائید کی اور مزید بتایا کہ اس کے باس کی مصروفیات کی وجہ سے اس کی روانگی میں تاخیر ہوئی تھی۔ اسلام آباد میں اس سے ملاقات کے بعد اگلی شام تک اسے واپس آجانا تھا۔

میں نے اسپتال کا بستر چھوڑنے کے ساتھ اس کمرے کو بھی [illegible] کی قلت تھی پھر بھی

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان نے ایک کمرا عورتوں کو دیا ہوا تھا۔ دوسرا سلطان شاہ کے حوالے تھا۔ کسی کسی وقت وہ خود بھی سلطان شاہ کے کمرے میں ستالیتا تھا۔

وہ سچویشن نازک تھی۔ میرے اور غزالہ کے یک جا ہونے کی صورت میں ویرا کو سلطان شاہ کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا۔ تکنیکی اعتبار سے وہ کوئی موزوں بندوبست نہ ہوتا۔ مکمل تخلیے میں ویرا اس کی جودرگت بناتی' اس کا صرف تصور ہی کیا جاسکتا تھا۔ معاملات ان دونوں کے درمیان رہتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اس بندوبست سے کچھ ایسی تلخیاں جنم لیتیں کہ ہمارے لیے حالات کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔

اس غور وخوض کے بعد میں نے اعلان کردیا کہ میں کوئی متبادل بندوبست ہونے تک سلطان شاہ کے کمرے میں رہوں گا۔

شاید اول خان بھی اس بارے میں فکرمند تھا۔ میرا فیصلہ سنتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مجھے عورتوں کے کمرے سے اٹھا کر راہداری میں لے گیا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے کافی دنوں سے شراب نوشی ترک کی ہوئی ہے" تخلیے میں پہنچ کر اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا "یہ حقیقت ہے یا صرف میرا احساس ہے؟"

"طبیعت اس طرف راغب نہیں ہوتی۔ ویسے میں تائب نہیں ہوا ہوں۔ اوبرائن کے ساتھ میں نے ایک گلاس لیا تھا۔ تمہیں اس بارے میں کیا پریشانی لاحق ہے؟"

"تم لوگ یہاں میرے مہمان ہو۔ تمہاری ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے" اس نے انکسار سے کہا۔ "کہو تو اسلام آباد جانے سے پہلے کچھ بندوبست کردوں؟"

"میری فکر مت کرو" میں نے ہنستے ہوئے کہا "بس ویرا کے دال دلیے کا بندوبست کردو۔"

"اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے دس بوتلوں کا کریٹ آچکا تھا۔ وہ اسی کی تحویل میں ہے۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "تم نے وہ پورا کریٹ اس کے حوالے کردیا۔"

"پھر کیا کرتا؟" وہ ہنسنے لگا "مجھے تو یہ تک نہیں معلوم کہ کون سی بوتل باہر اور کون سی فریج یا فریزر میں رکھی جاتی ہے۔ اپنی ضروریات وہی سنبھال سکتی ہے۔"

"اس نے لائن لگادی ہوگی۔ اب اس بارے میں اس سے کچھ نہ پوچھنا۔"

"وہ کئی بار سرور میں ضرور نظر آئی لیکن اس نے بے اعتدالی نہیں کی" اول خان نے ویرا کی صفائی پیش کی "اب اس کی دیکھ بھال تمہارے ذمے ہے۔"

"مجھے یہاں فون کی کمی محسوس ہورہی ہے" میں نے اس کے ساتھ سلطان شاہ والے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آج رات جہانگیر سے بات کرنے کا ارادہ کررہا ہوں۔"

"فون یہاں تک لانے میں ذرا سی الجھن ہے۔ زمین کھود کر تار دبانا پڑے گا..."

"پھر بھول جاؤ۔" میں نے اسے منع کردیا "میں تمہارے دفتر سے ہی بات کرلوں گا۔"

"میرا کمرا تمہارے لیے ہر وقت کھلا رہے گا۔ میں آدمیوں کو ہدایت دے دوں گا۔"

کھانے کے بعد اول خان ہم سے رخصت ہوکر اپنی گاڑی میں ائرپورٹ روانہ ہوگیا۔

"سلطان شاہ والی بال کھیل کر تھکا ہوا ہے۔ اب لمبی تان کر سوئے گا۔ تم زنانہ کمرے میں ہی آجاؤ۔" ویرا نے مجھے پیشکش کی۔ "بے چاری غزالہ میری وجہ سے بور ہوتی رہتی ہے۔"

میں نے اسے گھور کر پوچھا "بور ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہوتی ہوگی۔"

"کمرے میں چل کر خود ہی اندازہ لگالوگے" وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

ان کے کمرے میں اول خان نے اپنے گھر سے کچھ آرائشی چیزیں بھی منگوادی تھیں جن کی وجہ سے وہ کمرا خاصا نکھر گیا تھا۔ ویرا نے ایک الماری کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی بوتل نکالی تو غزالہ کی بوریت کا سبب خود بہ خود واضح ہوگیا۔

بوتل اور دو گلاس تپائی پر رکھ کر ویرا فیلڈ انٹرکام پر میس سے برف طلب کررہی تھی تو غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اس کا ساتھ دینے سے منع کردیا۔

"یہ کیا بدذوقی ہے؟" میں نے ویرا پر آنکھیں نکالیں "کھانے کے بعد اسکاچ کی کیا تک ہے؟"

"میں نے تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے بس دو چار لقمے لیے تھے۔ کھانا تھوڑی دیر بعد کھاؤں گی" اس نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "اول خان نے اس ویرانے میں بھی میرا بہت خیال رکھا ہے۔"

"دوسرا گلاس واپس رکھ دو۔ میں شکم سیر ہوچکا ہوں" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اوہ!" ویرا کا منہ لٹک گیا "میں سوچ رہی تھی کہ آج تمہارے ساتھ مزہ آئے گا۔ ساتھ نہیں دینا تو میں تم کو باندھ کر نہیں بٹھاؤں گی۔ خاموش اور کھلی فضا میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کرکے تمہیں عجیب راحت ملے گی۔ اس دوران میں' میں اپنا کوٹا پورا کرلوں گی۔"

تجویز اس کی طرف سے آئی تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "اب تک کتنی بوتلیں نگل چکی ہو؟"

"سختی سے ایک بوتل یومیہ چل رہی ہے۔ باقی اسٹاک موجود ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اداس لومڑی کی طرح اکیلے بیٹھ کر پینے میں تمہیں کیا مزہ آتا ہے؟"

"کیسٹ پر اپنی پسند کی دھنیں سنتی ہوں یا پھر پرانی غزلیں۔ تمہیں پتا ہے کہ یہ میرے پرانے شوق ہیں۔ کیسٹ پلیئر موجود ہو تو مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

کیسٹ پلیئر اس کے سرہانے موجود تھا۔ وہ اس میں الجھ گئی۔ میں غزالہ کو لے کر باہر نکل گیا۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے ملیر چھاؤنی کا وہ پُرسکون علاقہ اس وقت خواب ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ بجری سے ڈھکے ہوئے میدان میں بیرکوں سے آنے والی بس اتنی روشنی تھی کہ قرب وجوار میں دیکھا جاسکتا تھا۔ میدان سے آگے پختہ سڑک تھی جس پر قطار سے اسٹریٹ لائٹس جل رہی تھیں۔ ادھر سے کبھی کبھار اِکّا دُکّا گاڑی گزر جاتی تھی ورنہ وہاں سائیکلوں پر سوار یا پیدل چلنے والے فوجیوں کا راج تھا۔ اس علاقے میں مشینی ٹرانسپورٹ کی بھرمار نہ ہونے کی وجہ سے فضا میں آلودگی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے میدان سے سڑک تک آگئے۔ مادرِ وطن کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگانے والے شہبازوں کے لیے میرا زخمی بازو ذرا بھی اہم نہیں تھا۔ ہم کسی کی چبھتی ہوئی طنزیہ یا سوالیہ نگاہوں کا نشانہ بنے بغیر اگلے چوراہے پر ایک اسٹور تک گئے۔ وہاں چھاؤنی میں رہنے والے اِکّا دُکّا افسران اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھے۔

اسٹور ضروریاتِ زندگی سے لدا ہوا تھا۔ اشیا تر و تازہ اور نرخ معقول تھے۔ ہم یخ بستہ کولڈ ڈرنک لے کر اسٹور سے ملحق لان پر جا بیٹھے۔ غزالہ مجھے اپنے پشاور کے مختصر سے قیام کے دوران میں ہونے والے معاشرتی تجربات کے بارے میں بتا رہی تھی۔

ویرا کمرے میں محبوس، جام وسبو کی تنہا تمنائی تھی اور ہم اس کے مشورے پر کھلی فضا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بوتلیں ختم کرکے بھی ہم دیر تک وہاں بیٹھے اور باتیں کرتے رہے۔ اس روز مجھے غزالہ بدلی بدلی اور زیادہ پُرکشش محسوس ہو رہی تھی۔ اسے بے اندازہ خوشی تھی کہ میں نے محض اس کی جنبشِ ابرو پر ویرا کی دعوت رد کردی تھی۔

واپسی پر میں اول خان کے دفتر کی طرف نکل گیا۔ چابی رات کے گارڈ کے پاس موجود تھی۔ اس نے فلیگ پوسٹ پر روشن بلب کے نیچے ہمیں پہچان کر فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ اسے ہر طرح کے وسائل میسر تھے لیکن اس کے دفتر میں مجھے ہمیشہ سادگی نظر آئی تھی۔ بنیادی ضرورت کی ہر دفتری سہولت موجود ہونے کے باوجود وہاں تعیش کا سایہ تک نہیں تھا۔ اپنے کردار اور عمل کی اسی مضبوطی کے بل پر وہ اپنے جوانوں سے جتنی [illegible]

بھی گھنٹوں کام لے سکتا تھا۔

"کراچی میں آپ چار دوست ہوا کرتے تھے نا؟" اول خان کے دفتر کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر غزالہ نے سوال کیا "ان ہی میں جہانگیر بھی ہوا کرتا تھا۔"

"ہاں!" میرا ذہن یک بہ یک برسوں پرانے ماضی کی یادوں میں کھو گیا "عجیب دن تھے وہ بھی۔ میں، جہانگیر، طارق اور نادر خان۔ طارق ایسی بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں مارا گیا تھا کہ ہم میں سے کسی کو اس کے جنازے کو کندھا دینے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی پھر نادر خان بھی یوں ہی ہم سے بچھڑ گیا۔ کراچی میں شی کے کاروبار کی بنیاد رکھنے والوں میں سے میرے ساتھ صرف جہانگیر باقی رہ گیا۔"

"اسی لیے آپ دونوں ایک دوسرے کا اتنا خیال رکھتے ہیں؟" غزالہ دھیرے سے ہنسی۔

"مجھے اس کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے ذرا گھامڑ واقع ہوا ہے" یہ کہہ کر میں فون پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

فون سلمیٰ نے ریسیو کیا تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ جہانگیر کہیں بیٹھا عالمِ سرور میں جھوم رہا ہوگا۔

"بڑا بھائی کیا کر رہا ہے؟" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں سوال کیا۔

"آخر تمہیں ہمارا خیال آگیا" سلمیٰ میری آواز پہچان کر اپنائیت سے بولی "کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اچانک کہاں غائب ہوگئے تھے؟"

"ابھی بھی غائب ہی ہوں۔ لاہور سے فون کر رہا ہوں" میں نے کہا۔

"تم آس پاس یا شہر میں ہوتے ہو تو میرے دل کو عجیب سی ڈھارس رہتی ہے کہ ہم پر کوئی برا وقت نہیں آئے گا۔ تمہارے غائب ہوتے ہی میں اندر سے خالی ہو جاتی ہوں۔"

"میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ تمہارا افلاطون اس وقت مجھ سے بات کرسکے گا؟"

"اپنا پٹرول پیے بغیر وہ مشکل سے ہی بولتے ہیں اور اوٹ پٹانگ بولتے ہیں۔ اس وقت بھی دوسرا پیگ بناتے ہوئے تمہیں یاد کر رہے تھے..... ہولڈ کرو، میں انہیں بلاتی ہوں۔"

"یار ڈیڈی دی گریٹ۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ کہیں تم عالمِ بالا کی طرف ہی کوچ نہ کرگئے ہو۔ ابھی میری نصف بدترنے بتایا کہ تم صرف لاہور تک پہنچے..... اے! دور ہٹو، یہ کیا بدتمیزی ہے..... میں ابھی تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ سلمیٰ کی کسی حرکت پر شاید اس سے الجھ پڑا تھا اور ریسیور پر ہتھیلی رکھے بغیر سارے مکالمات براہِ

Downloaded from https://paksociety.com

"کس کا منہ توڑ رہے ہو؟ کیا اول فول بک رہے ہو؟" میں نے تمسخر سے پوچھا۔

"اپنے مقدر میں سلمٰی کے سوا اور کون ہے؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ تکلیف اسے ہو رہی ہے۔ میرے پیٹ میں انگلی مار کر مجھے بدترین کہہ رہی تھی۔"

"صحیح کہہ رہی تھی۔ جس چیز کو تم اپنا پیٹ سمجھ رہے ہو وہ پیٹ نہیں، توند کہلاتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم ہمیشہ اس کی حمایت کرتے ہو۔ اس نے تمہیں اُلّو کا گوشت کھلایا ہے جو تمہیں اس کی ہر بات صحیح نظر آتی ہے۔"

"اُلّو کے گوشت میں یہ تاثیر ہوتی تو سلمٰی سب سے پہلے تم کو اسی کا قورمہ کھلاتی تاکہ تمہاری چھت کے نیچے ہر وقت سکھ چین کا دور دورہ رہے" میں نے جل کر کہا۔

"اپنی چہیتی سے کہو کہ مجھے اُلّو کے گوشت کے بجائے سکھیا دے دے۔ اس کی پوری زندگی سکھ چین سے کٹے گی۔ وہ میری ہر خوشی سے جلتی ہے۔ دو گھونٹ شراب پی لوں تو میری ہر بات کو شرابی کی بڑ کہہ کر ٹال دیتی ہے" بولتے بولتے اچانک اس کی آواز مسرت آمیز سرگوشی میں تبدیل ہوگئی "سالی جل بھن کر پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔"

"تم بہت خبیث ہوگئے ہو۔ اپنی بیوی کی بے عزتی کر کے خوشی محسوس کرتے ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ ناخن بڑھائے رکھتی ہے۔ میں اسے ہزار مرتبہ منع کر چکا ہوں کہ میری تت... مم... میرے پیٹ میں انگلیاں نہ مارا کرے۔ کسی دن ناف میں اس کا زہریلا ناخن گھس گیا تو وہ بیٹھے بٹھائے بیوہ ہو جائے گی۔ وہ سمجھ کر ہی نہیں دیتی۔"

"مجھے ان خرافات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے" میں نے تلخی سے کہا "میں نے صرف یہ جاننے کے لیے فون کیا ہے کہ گولڈن فارمیسی کیسی چل رہی ہے۔ کوئی تمہیں تنگ تو نہیں کر رہا؟"

"دکان روز کھل رہی ہے اور علاقے میں تمہاری دعا سے میری دھاک بھی بیٹھ گئی ہے۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے "کیا کسی کے ساتھ مار پیٹ کی نوبت آگئی تھی؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے دھندوں سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری نے سب کے دماغ ٹھیک کر دیے ہیں۔ پرسوں تین بڈھے میرے پاس آئے تھے۔"

"تمہیں بزرگوں کا احترام کرنا بھی نہیں آتا۔ وہ کوئی سفارش لے کر آئے ہوں گے؟"

"ہاتھ پیر جوڑ رہے تھے کہ ان دونوں کو چھڑوا دوں" بولتے بولتے ایک مرتبہ پھر اس کی آواز رازدارانہ ہوگئی "قاسم کی حرافہ بیوی بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔ اسے میں نے پھٹکار کر دکان سے نکال دیا۔ وہ آخر تک فٹ پاتھ پر کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔"

"وہ دوبارہ آئیں تو ان سے سمجھوتا کر لینا۔ چند روز میں وہ دونوں رہا ہو جائیں گے۔"

"وہ چھوٹنے والے ہیں تو میں کل ہی فون کر کے ان تینوں کو بلا لوں گا۔ مفت میں سالوں پر احسان ہو جائے گا۔ علاقے میں دکان چلانی ہے تو ان سے بنا کر رکھنی پڑے گی۔"

"گڈ..... مجھے خوشی ہے کہ یہ موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آگئی۔ اب سلمٰی سے نہ لڑنا۔ وہ تمہاری بدخواہ ہوتی تو تمہاری مدہوشی میں دس دفعہ تمہاری ناف کو ناخنوں سے نوچ چکی ہوتی۔ تمہاری ان بے سروپا بدگمانیوں کی وجہ سے وہ تم سے بیزار رہتی ہے۔"

"آج تو میں ویسے بھی اس سے لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے اپنی دانست میں مجھے اطمینان دلایا "اس سے پوری صلح تمہاری واپسی کے بعد ہوگی۔"

"گھر میں تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔ باہر نکلو تو ہوش و حواس میں رہا کرو۔ آج کل شہر کے حالات کچھ خراب چل رہے ہیں۔ کہیں بھی کوئی دوسرا کالو مکرانی ٹکرا سکتا ہے۔"

"تمہارے مشورے کے بغیر میں اسی اصول پر چل رہا ہوں۔ باہر ہوش، گھر میں مدہوش۔ اس سنہرے اصول سے زندگی بہت آسان اور گوارا ہو جاتی ہے۔"

"اب تم سے واپسی پر ملاقات ہوگی..." میں نے اختتامی فقرے کے ساتھ فون بند کرنا چاہا مگر اس نے درمیان میں سے ہی میری بات اچک لی۔

"کسی وقت ویرا اور غزالہ کو ادھر بھیج دو۔ تمہارے جاتے ہی سب غائب ہو جاتے ہیں۔"

مجھے معلوم تھا کہ وہ غزالہ کا نام تکلفاً لے رہا تھا ورنہ اسے اصل حاجت ویرا کی تھی۔ اس جیسی حسین اور ذہین لڑکی کے ساتھ پینے کا حظ وہ کئی بار اٹھا چکا تھا۔

"وہ دونوں میرے ساتھ ہیں۔" میں نے جہانگیر کو ٹال دیا۔ "واپسی پر ہم سب مل کر تمہارے گھر ایک شام گزاریں گے۔ تمہارے سارے شکوے دور ہو جائیں گے۔"

"چشمہ روشن....." اس نے اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہا اور میں نے اسے پھٹکار دیا۔

"وہ چشمہ نہیں چشم ما ہے، بے وقوف آدمی! گاڑھی اردو نہیں بول سکتے تو اس کی ٹانگ مت توڑا کرو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ بس کبھی کبھی زبان ذرا بہک جاتی ہے۔" کھسیانی ہنسی کے ساتھ جواب آیا اور میں نے فون بند کر دیا۔

ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزار کر کمرے میں پہنچے تو میز پر سے بوتل غائب تھی۔ ویرا کے گلاس میں کنڈنی سیال کے چند

Downloaded from https://paksociety.com

گھونٹ نظر آرہے تھے۔ وہ خود کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے' میز پر پاؤں پسارے سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔ کیسٹ دھیمی آواز میں چل رہا تھا۔

اسٹیشن فور بنیادی طور پر ایک فوجی کیمپ تھا جہاں ملحق باتھ روم جیسی عیاشیوں کا گزر نہیں تھا۔ اول خان نے دونوں عورتوں کی سہولت کے لیے قریبی غسل خانہ اور بیت الخلا ان کے لیے مخصوص کرکے مقفل کرادیا تھا۔ غزالہ لباس تبدیل کرنے کے لیے غسل خانے کی چابی لے کر چلی گئی تو ویرا نے مخمور اور گھائل نظروں سے میری طرف دیکھا "اس کمرے میں بیٹھو گے نہیں؟"

"دن لمبا تھا۔ رات گہری ہوچکی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ان پنجروں سے جہانگیر کا گھر اچھا تھا جہاں ہر وقت عافیت اور سکون کا کوئی نہ کوئی گوشہ میسر رہتا تھا۔ ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے۔"

"اوبرائن کا مسئلہ حل ہونے تک ہمیں شہر سے دور رہنا پڑے گا۔ ابھی تک اس نے مجھ سے تمہارا ذکر نہیں کیا لیکن میرا اندازہ ہے کہ میرے ساتھ ساتھ وہ تمہیں بھی ڈھونڈ رہا ہوگا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ جہانگیر کے گھر سے قدم باہر نہیں نکالوں گی۔ مجھے اس قید خانے سے وہاں پہنچادو۔ یہاں مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"تم اکیلی نہیں ہو' غزالہ بھی تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"غزالہ کی دل جوئی کے لیے تم یہاں ہو۔" اس نے شکایت کی۔

"میں کسے اپنا سمجھوں۔ یہاں کے کھلے ماحول میں تم بھی مجھ سے کھچے کھچے رہنے لگے ہو۔ کسی کسی وقت جھلا کر جی چاہتا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ کر اپنی کنپٹی پر گولی مارلوں۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نیلی اور خمار زدہ آنکھوں میں گمبھیر اداسی تیر رہی تھی جس میں اداکاری کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"شراب پینے کے بعد تم ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہورہی ہو ورنہ میرے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ مجھے اپنے اور غزالہ کے رشتے کا احترام کرنا پڑتا ہے۔"

"کسی وقت میرے مجروح جذبوں کے بارے میں بھی کچھ سوچ لیا کرو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے اجنبی نہیں ہیں' جتنا دوسرے سمجھتے ہیں۔"

میں نے کھڑے کھڑے بے چینی سے اپنا وزن دوسرے پاؤں پر منتقل کیا اور کہا "زندگی میں کچھ موڑ ایسے بھی آتے ہیں جہاں ماضی کی یادیں عذاب بن جاتی ہیں۔ کوشش کرو کہ ان یادوں کو فراموش کیے رہو۔ محض میری اور میری خانگی زندگی کی خاطر۔"

"ڈیڈی ڈارلنگ! یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ تمہاری خاطر تو میں نے خود کو برباد کرلیا ہے۔"

"بس ویرا۔ چپ رہو اور ہوش کی باتیں کرو۔" میں نے گھبرا کر تیزی سے کہا "غزالہ کسی بھی لمحے خاموشی سے کمرے میں آجائے گی۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "وہ تمہارے سامنے زبان نہیں کھولتی تو یہ نہ سمجھو کہ وہ بھولی ہے۔ وہ سب سمجھتی ہے۔ اسے میری حسرتوں کا بھی اندازہ ہے اس لیے وہ تم کو میرے پاس چھوڑ کر کپڑے بدلنے گئی ہے۔ نادان ہوتی تو تمہارے جانے کے بعد غسل خانے کا رخ کرتی۔"

مجھے گھبراہٹ سے اپنی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میں نے جلدی سے کہا "تم فکر مت کرو۔ کل اول خان کے آنے کے بعد میں تمہیں جہانگیر کے گھر پہنچادوں گا۔"

"وہ اپنی سفاک بیوی سے پریشان ہے اور محبت کی قدر کرنی جانتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگاسکتے کہ اس کے ساتھ چند گھڑیاں گزار کر میری انا کو کتنی تسکین ملتی ہے۔ وہ میری جھڑکیاں بھی ہنس ہنس کر سنتا ہے اور اس کی پیشانی پر ذرا بل نہیں آتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت بہت خطرناک موڈ میں آچکی تھی۔

"اور وہ تو بالکل نکما ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس کی بوجھل زبان دوبارہ چل پڑی "ورزش کرنے اور والی بال کھیلنے کے سوا اسے یہاں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پتا نہیں کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ ہر جمالیاتی حس سے بالکل عاری اور پتھر کی طرح بے جان ہے....."

غزالہ لباس تبدیل کرکے لوٹ آئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ راہ داری میں قدموں کی چاپ سنتے ہی ویرا نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا ویرا' شب بخیر۔ تم غزالہ سے گپ شپ کرو۔" میں اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے نکل گیا۔ برابر والے کمرے میں اندھیرا تھا اور سلطان شاہ تھک ہار کر بے خبر سو رہا تھا۔

وہ رات سکون سے گزر گئی۔

بیرکیں وسیع میدان میں بنی ہوئی تھیں۔ کمروں کے دونوں طرف دالان نما برآمدے تھے مگر ابھرتے ہوئے سورج کی کرنیں صبح سویرے ہی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے چھن کر کمرے میں اجالا کردیتی تھیں جس کی وجہ سے دیر تک سونا ممکن ہی نہیں تھا۔

فضا قریب اور دور کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہی تھی جن میں ڈرل' مارچ اور کاشن دینے کی صدائیں شامل تھیں۔ میں ناشتے سے فارغ ہوکر برآمدے میں نکلا تو رات کو ویران پڑے ہوئے میدانوں میں یکساں اور یک رنگ انسانوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ دور دور تک ہر یونٹ اپنے گراؤنڈ پر اپنی اپنی وردی میں مصروف تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بازو کے زخم کی وجہ سے میں کسی کی مدد کے بغیر لباس تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ میرے بدن پر پچھلی شام سے ایک ہی ڈھیلا ڈھالا لباس تھا جو شب خوابی کی وجہ سے شکن آلود ہو چکا تھا۔ میں بیرک سے دور جانے کے بجائے اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا۔

اول خان نہیں تھا لیکن دفتر میں اس کا عملہ موجود تھا۔ تینوں آدمیوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر سلام کیا' میری مزاج پرسی کی اور دفتر سے نکل گئے۔

میں نے کرسی پر دراز ہو کر سگریٹ ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر سے سلگا کر اپنے فیصلے پر غور کرنے لگا۔ میرا ارادہ اوبرائن کو فون کرنے کا تھا۔

اول خان شام تک اسلام آباد سے اوبرائن کی قسمت کا فیصلہ لے کر آنے والا تھا۔ اس وقت اسے اپنی طرف سے پُرامید رکھنے کے لیے میں ایک فون کال کر لیتا تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں وقت سے پہلے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا کر شام کو کوئی بہتر راستہ اختیار کر سکتا تھا۔

میں یوں ہی بیٹھا ہوا تھا کہ اول خان کا اردلی میرے لیے گرم گرم چائے کی پیالی لے آیا۔

"میں بہت شدت سے تمہیں یاد کر رہا تھا۔" رابطہ ہونے پر اوبرائن نے پُرسکون آواز میں کہا "تم کہاں ہو اور اس وقت کن حالات سے گزر رہے ہو؟"

"مجھے خوشی ہے اوبی کہ آج تم نے میری آواز سن کر کسی چڑچڑے پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں تمہارے شہریوں اور ادارے میں اپنی ساکھ بحال کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ ابھی تک حوصلہ افزا نتائج سامنے آئے ہیں۔ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔"

"میرے سکون کا سبب یہ ہے کہ میں تمہاری طرف سے مطمئن ہو چکا ہوں۔"

"پہلے یہ بے اطمینانی کیوں تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری اپنی غلطی تھی۔ تم نے اپنا تعارف کرایا اور میں نے تمہیں کرنل جمال دستی تسلیم کر لیا۔ بعد میں مجھے رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ تم کوئی فراڈ بھی ہو سکتے ہو۔ تمہاری آواز سنتے ہی میرا یہ احساس زیادہ قوی ہونے لگتا تھا۔"

"کیا میں تمہارے موجودہ اطمینان کا سبب جان سکتا ہوں؟" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"ضرور.... تمہارے فنگر پرنٹس کے موازنے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تم کرنل جمال دستی ہی ہو۔"

اس کی زبان سے فنگر پرنٹس کا ذکر سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ پتا نہیں اس نے میرے فنگر پرنٹ کب اور کیسے حاصل کر لیے تھے۔

"میرے فنگر پرنٹس تمہارے پاس کہاں سے آ گئے؟" میں نے

سوچنے کے بعد میں نے اس سے براہِ راست سوال کر ڈالا۔ اس کا جواب میرے لیے بہت اہم تھا۔

"چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں تم اور اول خان پہلی بار شریک ہوئے تھے۔ وہاں سے تم دونوں کے نشانات لے کر محفوظ کر لیے گئے تھے۔ یہ میرے نیٹ ورک کی خوبی ہے کہ ضروری معلومات خود بخود مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں۔ ایسا ہی بندوبست تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔"

"تمہاری موازنے والی بات ادھوری رہ گئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم نے میرے گھر میں اسکاچ کا ایک گلاس لیا تھا۔ وہ گلاس میں نے غیر ارادی طور پر محفوظ کر لیا تھا۔ کل خیال آیا تو میں نے موازنے کے لیے اسے لیبارٹری میں بھیج دیا۔ رپورٹ تمہارے حق میں تھی۔ اب میں پُرسکون ہوں کہ میرا رابطہ صحیح آدمی سے ہوا ہے۔"

وہ بہت مکار اور چالاک تھا۔ وہ خبر سنا کر اس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ڈینی کے طور پر میرا کوئی ریکارڈ ان کے پاس نہیں تھا لیکن کرنل جمال دستی کے نام سے میرے فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ میں شامل ہو چکے تھے۔ ان کی بنا پر وہ کہیں بھی میری موجودگی کا سراغ لگا سکتے تھے۔

آزادانہ طور پر کام کرتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے ہو سکتے تھے جہاں کرنل جمال دستی کا وجود بدترین شکوک و شبہات کا سبب بن سکتا تھا۔ ایسی جگہوں پر مجھے اپنے فنگر پرنٹس چھوڑنے سے کامل گریز کرنا تھا۔ جس کی واحد صورت یہ تھی کہ میں سرجری میں استعمال ہونے والے باریک جلدی دستانوں کا استعمال شروع کر دوں۔

"تم واقعی حیران کن صلاحیتوں کے مالک ہو۔ شاید تم نے سوچ سمجھ کر ہی مجھے شراب کی پیش کش کی تھی؟" میں نے اس کے ہاتھوں ایک زک اٹھانے کے بعد پوچھا۔

"یہ میرے کام کا ایک حصہ ہے۔ ایسے اجنبی ملاقاتیوں سے مجھے نفرت ہے جو اپنی کوئی شناخت چھوڑے بغیر رخصت ہونے کے عادی ہوں۔ میں دفتر اور گھر میں لوگوں کو کوئی نہ کوئی مشروب یا سادہ پانی پیش کر کے ان کے فنگر پرنٹس ضرور لے لیتا ہوں جو ایک مخصوص مدت کے بعد ضائع کر دیے جاتے ہیں۔"

"میرے فنگر پرنٹس کب ضائع کئے جائیں گے؟" میں بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"تمہارے ساتھ۔" اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم میرے لیے یا میرے ساتھ کام کرو گے اس لیے تمہاری یہ آفاقی شناخت زندگی بھر تمہاری فائل کا ایک حصہ بنی رہے گی۔ تمہاری فطری یا غیر فطری وفات سے پہلے اس فائل کے اتلاف کا کوئی امکان نہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اس پر اپنی کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر خوش دلی سے کہا "تم نے مجھے کسی ہزار پا عفریت کی طرح اپنے چنگل میں لے لیا ہے۔ میں نام بدل کر بھی تم سے نہیں بچ سکوں گا۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو۔" اس نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا "ہو سکتا ہے کہ اگلے چند روز میں ہی تمہاری فائل ضائع کرنے کی نوبت آجائے۔"

"تم سنگ دل ہونے کے ساتھ خوش مذاق بھی ہو۔ کھل کر بات کرتے ہو۔"

"صرف اس لیے کہ مجھے تمہارے فون پر بات سننے کا خطرہ نہیں ہے۔"

"اور اگر میں یہ ساری گفتگو کسی ٹیپ پر محفوظ کر رہا ہوں تو تم کیا کر سکو گے؟"

"یہ سائنس کے اصولوں کے خلاف ہوگا۔ میری کسی حرکت پر لائن کٹ سکتی ہے تو تمہاری طرف سے اسی قسم کی مداخلت پر بھی تمہارا آلہ کام دکھائے گا۔ مجھے اس کے بارے میں ابتدائی اطلاعات مل چکی ہیں۔ یہ ریڈ آرمی والوں کی سی ایس ڈی تو نہیں ہے؟"

"میں تمہاری طرح سائنس داں نہیں ہوں۔" میں نے اس پر ہلکی سی چوٹ کی "میں آلے کے نام اور نوعیت سے لاعلم ہوں۔ اس کا کام سو فیصد پکا ہے۔"

"اگر تم کچھ اور نہیں کر سکتے تو کسی طرح ڈینی کے فنگر پرنٹ ہی حاصل کر لو۔"

"ہائیں۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا "وہ تمہارا مطلوب مجرم ہے اور اس کے فنگر پرنٹ تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہمارے پاس تین فنگر پرنٹس کا ایک سیٹ موجود ہے۔" اس نے برجستہ جھوٹ بولا "ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان میں سے کون سے پرنٹس ڈینی کے ہیں۔"

"میرے لیے یہ کام سہل ہوگا۔ دستاویزات کے مقابلے میں کسی کاغذ، گلاس یا قلم کو محافظوں کی نظروں سے بچا کر لانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

اس مرتبہ پھر وہ میری باتوں میں آگیا اور جلدی سے بولا "یہ خیال رکھنا کہ کاغذ ہو تو چکنا ہو، کھردرے کاغذ پر بہت خراب پرنٹ آتا ہے۔ اس کی تصویر بنانی اور بھی مشکل ہوتی ہے۔"

"ڈینی کو ادھر آنے دو۔ میں یہ کام تو کر ہی گزروں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"وہ ویسا ہی ہے جیسا ہمارے انعامی اشتہار میں دکھایا گیا ہے؟" اس نے انتہائی غیر متوقع طور پر جینی کے بنوائے ہوئے گمراہ کن خاکے کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"خاکے سو فیصد درست نہیں ہوتے۔ وہ اس سے ملتا جلتا ہے۔ آج کل اس نے ہلکی سی داڑھی بھی رکھ لی ہے۔"

"وہ خاکہ ایک ایسی امریکی لڑکی نے بنوایا ہے جو ڈینی کی داشتہ یا دوست ہونے کی دعوے دار ہے۔ وقت ملا تو تمہاری مدد سے اس خاکے پر مزید کام کیا جائے گا تاکہ ڈینی زیادہ دیر تک آزاد نہ رہ سکے۔ اب اسے ہماری تحویل میں آجانا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس خاکے پر کام کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے میں دو ملین ڈالر کا انعام لے لوں گا۔ مجھے رہنمائی کے لیے کسی خاکے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کاش تم یہ انعام جلد از جلد حاصل کر سکو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم مجھے شدت سے کیوں یاد کر رہے تھے۔"

"ڈینی کے فنگر پرنٹس والی بات یاد آئی تھی۔ وہ میں تم کو بتا چکا ہوں۔"

مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جانب سے گڑبڑ کر کے فون بند کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاید وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اس وقت بھی اسی محفوظ ٹیلی فون پر مصروف ہوں یا کہیں اور سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔

فون بند کرنے کے بعد میں مضطربانہ انداز میں اول خان کے دفتر سے نکل گیا۔

میں نے اپنے ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے کے لیے صبح سویرے اوبرائن کو فون کیا تھا لیکن اس سے ہونے والی گفتگو نے پہلی بار مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میرے فنگر پرنٹس کا اس کی تحویل میں پہنچنا میرے لیے کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میں امریکا میں زندگی کے ہر شعبے میں کمپیوٹر کے بے محابا استعمال کا ذاتی طور پر مشاہدہ کر چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایس ٹی ایف کے ایک عہدے دار کے طور پر میرے فنگر پرنٹس صرف اوبرائن کی تحویل میں نہیں رہیں گے بلکہ ان کی نقول دوسرے اہم امریکی اداروں اور وفاقی ایجنسیوں کو بھی فراہم کر دی جائیں گی۔ یہی سلوک اول خان کے ساتھ بھی ہونا تھا۔

ہماری ذرا سی غفلت سے رونما ہونے والی اس تبدیلی کے اثرات بہت دور رس ہو سکتے تھے۔ ہم ان کے خلاف ہر مہم میں پیش پیش ہوتے تھے۔ کہیں بھی ہماری انگلیوں کے نشان باقی رہ جاتے تو ہماری کڑی گرفت ہو سکتی تھی۔

اول خان کراچی سے باہر تھا۔ میں نے اپنے تینوں ساتھیوں کو بھی اس ناگہانی مسئلے سے آگاہ کر دیا۔ میری بات سنتے ہی سلطان شاہ پھر گیا۔ "تم اوبرائن کو بلاوجہ ہوا بنا رہے ہو۔ مجھے اس کے فلیٹ کا پتا بتاؤ میں اسے یلغار اور کتے سمیت ختم کر کے فلیٹ کو آگ لگا دوں گا پھر دیکھتا ہوں کہ اس کے ریکارڈ میں تمہارے فنگر پرنٹس کیسے

Downloaded from https://paksociety.com

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ وہ اس کثیر المنزلہ عمارت میں تنہا نہیں رہتا۔ وہاں سیکڑوں لوگ آباد ہیں۔ اوبرائن کی وجہ سے ہم ان کی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتے۔"

"اوبرائن اور اس کے حمایتیوں کی زندگی سے تو کھیل سکتے ہیں نا؟ تم مجھے اس کا پتا سمجھاؤ۔ شام تک کوئی نتیجہ نہ لاؤں تو میرا نام بدل دینا۔"

"وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی ایک گنجان آباد عمارت کی آٹھویں منزل پر چڑھا بیٹھا ہے۔" ویرا نے دخل اندازی کی "بچوں جیسی حرکتیں کرو گے تو شام سے پہلے ہی مرحوم ہو جاؤ گے۔ یہ سنگین معاملہ ہے کہ اب ڈینی کی انگلیوں کے نشان بھی انہیں مل جائیں گے۔"

"انہیں کرنل جمال دستی کے نشانات ہی رہنے دو۔" سلطان شاہ غرایا "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ پاکستان بھر میں ایس ٹی ایف کے یونٹوں کے بارے میں اس کی معلومات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فورس میں بھی ان کا کوئی نہ کوئی مخبر پل رہا ہے۔"

"یہ بات ذہن سے نکال دو۔" میں نے وثوق سے کہا "ایس ٹی ایف میں دشمنوں کا کوئی مخبر زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ یہاں کسی کو اپنے کام سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ادھوری باتیں جاننے والے کسی کو کیا خبر دے سکتے ہیں؟"

"پھر اسے کیسے پتا چلا کہ ایس ٹی ایف کے کل دس یونٹ کام کر رہے ہیں؟"

"ایس ٹی ایف آسمان سے نہیں ٹپکی۔ بنانے والوں نے اسے بیوروکریسی کے زیر لیے ہی کھڑا کیا ہوگا۔ اسے سالانہ فنڈز ملتے ہیں۔ اس کی فائلیں وزارتِ خزانہ اور داخلہ یا پھر شاید وزارتِ دفاع کی تجوریوں میں ضرور موجود ہوں گی۔ یہ خبریں وہیں سے نکل سکتی تھیں۔"

خبریں کہیں سے بھی نکلتی ہوں' یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ اوبرائن بہت سی خفیہ باتوں سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس کی باخبری کے بارے میں امریکا سے آیا ہوا جان یہ کہہ کر روشنی ڈال چکا تھا کہ اوبرائن پاکستان میں اپنے نئے نظام کی وجہ سے امریکی ضروریات کے لیے ناگزیر حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

نئی پریشان کن اطلاع سے ہم چاروں کے ذہن بوجھل ہو گئے تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور میں بے چینی سے اول خان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق شام کی پرواز سے واپس کراچی پہنچ گیا۔ اس نے ہمارے سامنے خوش مزاجی کے مظاہرے کی کوشش کی لیکن میں نے بھانپ لیا کہ وہ اندر سے بجھا بجھا اور فکر مند تھا۔

وہ ہم سب کے لیے ایک غیر معمولی دن تھا۔ اول خان کی رسمی

صحت کا خیال

خاتون "تم کھانا مانگنے صرف میرے ہی دروازے پر کیوں آتے ہو؟"

بھکاری "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ جو غذا تمہاری صحت کے لیے مفید ہو' وہی استعمال کرو۔"

مزاج پرسی کے بعد اسے صبر نہ ہو سکا اور اس نے اوبرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے اول خان کو بتایا "اوبرائن بہت تیز جا رہا ہے۔ اس نے تمہارے اور ڈینی کے فنگر پرنٹس حاصل کر لیے ہیں۔"

"کب؟ کیسے؟" اول خان پر وہ اطلاع آسمانی بجلی کی طرح گری اور اس کا دہانہ حیرت کی زیادتی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔" میں نے اسے دلاسا دیا "تم آرام سے چائے پی لو پھر اس بارے میں کھل کر باتیں ہوں گی۔ اوبرائن ہمارے لیے روز بہ روز خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں جہاز پر بہترین چائے پی کر آیا ہوں۔ تم کام کی بات بتاؤ۔" وہ کرسی پر پہلو بدل کر مضطربانہ لہجے میں بولا "یہ فنگر پرنٹس کی کیا کہانی ہے؟"

میں نے مختصر الفاظ میں اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" اول خان کو تفصیل جان کر گہرا صدمہ پہنچا تھا "اس کے گھر کی بات مختلف ہے۔ وہاں وہ جو چاہے' کر سکتا ہے مگر ہر فنگ سے فنگر پرنٹس کی چوری شرمناک ہے۔ یہ کام اوبرائن کا کوئی پرانا زر خرید ہی سرانجام دے سکتا تھا۔"

"نئے اور پرانے کی بات مت کرو۔ زر خرید صرف زر خرید ہوتا ہے۔ اوبرائن اسے دل کھول کر نواز رہا ہوگا۔ ان کاموں میں ساری اہمیت سرمایہ کاری کی ہوتی ہے۔ زندگی بدل جانے کی امید میں عقل سے کورے انفارمر بھی حیران کن کارگزاری دکھانے لگتے ہیں۔"

"تم اسلام آباد سے کیا خبریں لے کر آئے ہو؟" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"اوبرائن نے ڈینی سے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں جو زہر افشانی کی ہے' وہ بالکل اسی طرح ٹاپ سیکرٹ فائلوں میں موجود ہے۔" اول خان نے تھکی ہوئی آواز میں انکشاف کیا۔ "امریکا اور پاکستان کے درمیان مذاکرات اور خط و کتابت میں وہ نکات من و عن بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اعداد و شمار تک وہی ہیں اور ان میں سارا زور کشمیر کے مسئلے کے حل پر ہے۔"

ہیروئن اور اس کی اندھی آمدنی سے شروع ہونے والی

Downloaded from https://paksociety.com

کہانیاں ایک مرتبہ پھر مقامی سیاست سے ہو کر بین الاقوامی سفارت اور سازشوں تک پہنچ رہی تھیں۔ سب کچھ ایک دوسرے میں یوں گڈمڈ ہو گیا تھا کہ کچھ سراغ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ سازشی مہروں نے جرم اور سیاست کاری کو ایسی مہارت سے یک جان کیا تھا کہ دونوں کے درمیان لکیر کھینچنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

"پھر تو اوبرائن نے کوئی نئی بات نہیں بتائی۔ ریکارڈ پر آئی ہوئی چیزیں سازش کے زمرے میں شمار نہیں کی جا سکتیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ریکارڈ میں الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ کشمیر کے مسئلے کے حل' پُرامن بقائے باہمی' اچھے تعلقات اور خطے میں آزادانہ تجارت کے ذریعے معاشی خوش حالی کا ذکر ہے۔" اول خان وضاحت پیش کرتے ہوئے بولا "اس میں کہیں بھی چین کے مقابلے میں ایک نئی اور عظیم تر ریاست کے قیام کا عندیہ نہیں ملتا۔ اوبرائن نے جوشِ بیان میں تمہیں آگے تک کے منصوبے بتا دیے ہیں۔"

"یہ منصوبہ اوبرائن کا بنایا ہوا نہیں ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اسے اس منصوبے کی تیزی سے تکمیل کے لیے پاکستان میں مامور کیا گیا ہے۔ اس کی کارگزاری ہمارے سامنے ہے۔ تم اس کے بارے میں اسلام آباد سے کیا فیصلہ لے کر آئے ہو۔"

اول خان چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا "اوبرائن کی شکایت کے حوالے سے باس نے میری پوزیشن تسلیم کر لی ہے۔ اب تم پوری بے فکری سے کرنل جمال دستی بن کر کام کر سکتے ہو۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" میں نے ترحم آمیز نرمی سے کہا "میں نے تم سے اور اوبرائن کے مستقبل کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"میں اسی طرف آ رہا ہوں۔ اب تم کسی حد تک فورس میں شامل ہو چکے ہو۔ اوبرائن کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ ہم دونوں کو کرنا ہوگا..... نتائج اور پیچیدگیوں کی پوری ذمے داری ہم پر ہوگی۔"

"پھر تم اسلام آباد کیا لینے گئے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کراچی میں کھٹمول کے ساتھ چار امریکیوں کے قتل کے بعد کوئی بھی اوبرائن کے بارے میں فیصلہ کرنے پر تیار نہیں ہے۔ امریکا کے متوقع ردِعمل سے ہر ذمے دار خوف زدہ ہے۔ آج صبح سے بلکہ کل رات سے ہی اس نے کوئی فیصلہ حاصل کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ہر جگہ اگر مگر اور ٹال مٹول کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں اصولی حمایت تک نہیں مل سکی۔"

"حیرت ہے کہ اعلیٰ ترین سطح پر سرد مہری کا یہ رویہ سامنے آ رہا ہے!" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میں نے اعلیٰ ترین سطح کی بات نہیں کی۔" اول خان نے سنبھل کر سختی سے میری تصحیح کی "ہماری طرح ہمارا باس بھی پروٹوکول پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ اس کی رسائی اپنے اہم منصوبوں تک ہے۔ اس سے اوپر بات کرنے کی ذمے داری دوسروں کی ہے۔"

"انتظامی فیصلے میں یہ ڈیڈ لاک تباہ کن بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"میں نے یہ بات اپنے باس کو بتا دی تھی۔ اس نے بھی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ لوگ معاملے کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ رہے ہیں لیکن فیصلہ صادر کرنے سے گریزاں ہیں۔" اول خان کی آواز سے بے بسی جھلک رہی تھی۔

"پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اوبرائن کے بارے میں مجھے اور تم کو فیصلہ کرنا ہوگا؟"

"یہ ایس ٹی ایف کے سربراہ کا اپنا فیصلہ ہے۔ ہم فیلڈ میں ہیں اور براہِ راست اوبرائن کے سامنے صف آرا ہیں۔ اس نے ہمیں فیصلے کی مکمل آزادی دے دی ہے۔"

"یعنی ہم کوئی بھی فیصلہ کر سکتے ہیں؟" میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ملک کے مفاد میں اور قوم کے نام پر ہمیں بہترین فیصلہ کرنا ہوگا۔ پوری ایمان داری کے ساتھ۔"

"خواہ وہ فیصلہ پسپائی اور خاموشی کا ہی ہو؟" میں نے مٹھیاں بھینچ کر پوچھا۔

"سب کچھ ہماری صوابدید پر ہے۔" اس کا جواب بالکل واضح تھا۔

میرا دورانِ خون تیز ہونے لگا۔ ذہن میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔ فیصلے صادر کرنے کے مجاز حکام اپنے فرض سے چشم پوشی کر رہے تھے۔ باس ان کے سامنے بے بس تھا۔ گھنٹی ہمارے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ ان حالات کے کیا نتائج ہو سکتے تھے۔ اسٹیشن فور کو قربانی کا بکرا بنا دیا گیا تھا۔ خوش اسلوبی کے ساتھ اوبرائن کا قصہ نمٹ جاتا تو اسٹیشن فور کو فراموش کر کے کریڈٹ کے بہت سے حق دار پیدا ہو جاتے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو عتاب ہمارا منتظر ہوتا۔

ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا' دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی اور میں نے اپنے وجود میں کھولتے ہوئے لاوے کے زیرِ اثر اپنا بایاں بازو سلنگ سے نکال کر بے رحمی سے کرسی کے ہتھے پر ٹکا دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں دو نوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کمنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو پکڑوانے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت متحمل پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہنے کی ہدایت دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کمنول کو اس کے پشت پناہ چودھری سلام کے گھر سے اغوا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کمنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہو گئے۔ کالو کرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کمنول کا پشت پناہ چودھری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو کرانی کو ہلاک کرنے کا حکم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔ خوش قسمتی سے کالو کرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کمنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کمنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹرو گیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کمنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کمنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو چکا ہے۔ وہ انتہائی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے ایویڈنس کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جناتیگر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا درہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کمنول کے متعلق مخبری کر دی۔ اس کا نتیجہ بڑے حسبِ منشا نکلا اور کمنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اولی میں اس کے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اولی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایف بی آئی سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بہن پر پڑی۔ خوبصورتی نے مجھے متوجہ کر لیا۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے بے حد خوش ہو گیا تھا۔ میں وہاں سی ایس ذی اور نیم گن لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کر دی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فورٹریس تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اولی نے دفترِ خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کر دی ہے۔ میں نے اولی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صلاحیت پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا اور دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

مایوسی اور بددلی کے غلبے سے جنم لینے والے میرے اس غیر ارادی ردِعمل نے دونوں عورتوں کو مضطرب کر دیا۔ غزالہ کے اضطراب میں دردمندی اور دکھ کے عناصر غالب تھے۔ ویرا نے غصیلی آواز میں فہمائش کرتے ہوئے میری بائیں کلائی دوبارہ سلنگ میں ڈال دی۔

"ویرا بالکل صحیح بات کہہ رہی ہے" اول خان نے اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے فیصلوں پر ایسی جھنجلاہٹ اور خود آزاری کا مظاہرہ کر کے تم اپنی شکست قبول کر رہے ہو۔"

"میں اوبرائن کا نرخرا چیر سکتا ہوں مگر تمہارا باس؟ اس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں؟" مجھے اپنی آواز میں شدید غم و غصے کا پوری طرح ادراک تھا۔

"میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر تم کو پورے حالات سے آگاہ کر دیا ہے" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ خود بھی بے بسی کا شکار ہے۔"

"ہر شخص بے بس ہے..... تمہارا باس پروٹوکول کا پابند ہے' اپنے ہم منصبوں سے اوپر کی سطح پر رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ تم بھی اپنی فورس کے ڈسپلن کے تابع ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اوبرائن کا ڈھول صرف اور صرف میرے گلے میں باندھ دیا گیا ہے۔"

"میں تمہارے ہر فیصلے میں پوری طرح شریک رہوں گا۔ خود کو اس قدر تنہا محسوس مت کرو۔ کل تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ ہم لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بیوروکریٹ اور حکمراں اس ملک کو چلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر آڑے وقت میں ہمارے کام آتے ہیں۔"

"بہت سے فیصلے تم اپنی مرضی اور صوابدید سے کرتے آئے ہو" ویرا نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "اب فیصلوں کے نتیجے میں کامیابیوں نے تمہارے قدم چومے ہیں۔ چند روز کے لیے سب کو بھول جاؤ..... سمجھ لو کہ تم تنہا میدان میں اترے ہوئے ہو۔"

ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے اول خان بول پڑا "دشمن کے پچھاڑیں اپنی لمان سے پچھڑا ہوا سپاہی کسی کمان دار کے حکم کا تابع نہیں ہوتا۔ تم فیصلہ کرو' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

"مجھے کسی بچے کی طرح بہلانے کی کوشش مت کرو" میں نے تلخی سے کہا "جب ٹھوس حقائق سامنے ہوں تو منفروضوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا۔ اسلام آباد کی خبریں سنا کر تم نے میرا دل خون کر دیا ہے۔ میں اپنی بیاگیر کے لیے نہیں' اس ملک کے لیے لڑ رہا ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تمہاری فورس کا سربراہ ایسے نازک موقع پر بزدلی دکھائے گا..."

"ڈینی!" اول خان نے اونچی آواز میں میری بات کاٹ دی۔

"آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ تم بھول رہے ہو کہ ایس ٹی ایف نے ڈسپلن کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ سخت ترین ڈسپلن کے سوا اس کا کوئی تحریری ضابطۂ کار نہیں ہے۔ اپنے باس کی مجبوریوں کو صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ جب اس نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے مجھے فیصلے کا اختیار دیا تو اس کی آنکھوں سے بے پایاں کرب جھلک رہا تھا۔"

"یہ کیسا ڈسپلن ہے کہ باس مجبور مگر اس کا ماتحت اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہے؟" میں نے تلخی اور استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"وہ سے اینڈ ہاڈ ڈسپلن کہتے ہیں" اول خان نے میری دلیل سے مرعوب یا متاثر ہوئے بغیر دفاع کیا۔ "اس نے فیصلہ صادر نہیں کیا' اس کی مرضی۔ اس نے اپنا اختیار مجھے منتقل کر دیا' یہ بھی اس کی مرضی۔ مجھے اس [illegible] نہیں ہے۔ اسی بل پر

Downloaded from https://paksociety.com

ایس ٹی ایف زندہ ہے۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے... شاید اس لیے کہ میں فورس سے باہر کا آدمی ہوں۔"

"اب تم باہر کے آدمی نہیں رہے" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔ "جب تک تم کرنل جمال دستی کے روپ میں ہو' ایس ٹی ایف کے مخبر بلکہ اہل کار ہو۔ تمہارے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ کام روکا نہیں گیا' جاری ہے اور تم بالکل آزاد ہو۔"

"مگر نتائج کی پوری ذمے داری میری اور تمہاری ہوگی" میں نے کہا۔

"یہ کہنے کی بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باس نے خاموشی اختیار نہیں کی ہوگی۔ معمول کے ذرائع ناکام ہونے کے بعد اب وہ اوپر سے اپنی بات منوانے کے دوسرے ذرائع استعمال کر رہا ہوگا۔"

"کوششیں جاری تھیں تو اس نے پروٹوکول کی آڑ لے کر تمہیں کیوں ٹال دیا؟" اس بار ویرا نے میرے موقف کی حمایت میں زبان کھولی تھی۔

"میری کراچی میں موجودگی ضروری تھی" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "وہ مجھے غیر معینہ مدت تک اسلام آباد میں بٹھا کر کام نہیں روک سکتا تھا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اس نے مجھے بلینک چیک دے کر بھیجا ہے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "یہ بات تمہیں اب سوجھ رہی ہے۔ وہاں سے تم منہ لٹکائے واپس آئے تھے۔ بلینک چیک حاصل کرنے والے اداس اور پژمردہ نہیں ہوا کرتے۔"

"دشمن کی رسائی اور بالادستی کا کوئی توڑ سوچنے کے بجائے تم آپس میں لڑ رہے ہو" سلطان شاہ نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا "ایس ٹی ایف میں نیچے سے اوپر تک کوئی بھی ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اول خان کے باس نے اگر پسپائی اختیار کی ہے تو اس کی بہت سی مضبوط وجوہ ہوں گی۔"

"ہمیں ان وجوہ کو اپنی مجبوری سمجھ کر مان لینا چاہیے" غزالہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے قبل لقمہ دیا "یہ سوچو کہ موجودہ حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"بظاہر صبر کرنے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی" میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"آپ زخمی ہیں" غزالہ نے ناصحانہ انداز میں مجھ سے کہا۔ "آپ کی جھلاہٹ کا سبب سمجھ میں آتا ہے۔ کوئی حرج نہیں' آپ تھوڑی دیر آرام کریں۔ ہم آپس میں مغز زنی کر کے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔ اس پر آپ سے بھی رائے لے لی جائے گی۔"

"میں زخمی ہوں' مجبور ہوں' معذور ہوں' مجھے دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح نکال کر الگ پھینک دو" میرا لہجہ تلخ ہو گیا "میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' تمہارا شاندار کیریئر تمہارا منہ دیکھتا رہوں گا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا" میرے غصے سے غزالہ سہم گئی "آپ کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔ ہم چاروں کو بھی کچھ نہ کچھ سوچنا اور کرنا چاہیے۔ کب تک..."

"بس' غزالہ!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر درمیان میں دخل اندازی کی "تم خاموش ہی رہو تو بہتر رہے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ڈینی کی شرکت کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کر سکیں؟"

ویرا کی بھویں تن گئیں۔ اس نے اول خان کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پوچھا "کیا ہم سب کی کھوپڑیوں میں بھوسا بھرا ہوا ہے کہ ہم ڈینی کی مدد کے بغیر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے؟ یہ ایسا ہی بقراط ہوتا تو اس وقت زخمی بازو نہ لیے بیٹھا ہوتا۔"

اول خان نے بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنی پیشانی تھام لی اور بے بسی سے بولا "اس وقت تم سب جذباتی ہو رہے ہو۔ کوئی میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔"

ویرا کے اشتعال انگیز فقروں پر مجھے طرارہ آیا تھا مگر اول خان کے فوری ردِعمل نے مجھے زبان کھولنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ یقیناً کوئی اہم بات کہنے والا تھا۔

سب کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا "ہم سب پس منظر میں ہیں۔ صرف ڈینی ہی اوبرائن سے رابطے میں ہے۔ اسے الگ رکھ کر ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ویرا کے تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ڈینی پر اتنا بوجھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کا زخم بگڑ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اس کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر گزروں۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا رہا ہوں۔ ڈینی کا زخم تیزی سے بھر رہا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چند منٹ پہلے اس نے غصے میں سلنگ سے کتنی تیزی سے اپنی کلائی نکالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں اول خان کے تیز مشاہدے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے اپنا بازو کرسی کے ہتھے پر ٹکاتے ہوئے تکلیف ضرور ہوئی تھی لیکن وہ بہت شدید یا ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔

"تم کیوں نہیں بولتے؟ گم صم کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" ویرا میری طرف گھوم گئی۔

"میں صرف تماشائی ہوں۔ تم لوگ بحث کرتے رہو۔ میں سکون کے ساتھ کسی فیصلے کا انتظار کروں گا" میں نے ویرا کو سگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ڈینی سے مت الجھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اب کیا ہوگا" اول خان نے تحمل سے سمجھایا۔

"صبح تک کسی انتظار نہیں کر سکتی" ویرا بھنّا کر

Downloaded from https://paksociety.com

بولی۔

"جب تک زخم بالکل صحیح نہیں ہو جاتا' ڈینی کو جسمانی مشقت سے الگ تھلگ رہنا ہوگا۔ ہم اوبرائن کو اس کے قلعہ نما فلیٹ میں نہیں گھیر سکتے۔ ڈینی کو اسے کسی طرح باہر نکالنا ہوگا۔ باقی کام ہم خود کرلیں گے۔" اول خان کے آخری فقرے سے اس کے عزائم واضح ہو گئے۔

"دفتر جانے کے لیے وہ روز ہی گھر سے نکلتا ہوگا۔ اسے کہیں بھی گھیر کر جہنم واصل کیا جاسکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی مخلصانہ رائے پیش کی۔

"وہ ایک اہم آدمی ہے" اول خان اسے سمجھانے لگا۔ ذہنوں پر چھایا ہوا تناؤ بتدریج ختم ہو چکا تھا اور چاروں ایک دوسرے کی بات سننے کے موڈ میں آچکے تھے۔

جب سے امریکا نے پاکستان کو اپنے شہریوں کے لیے ہائی رسک زون قرار دیا تھا' اس کے اہم سیاسی اور سفارتی عہدے دار مقامی آبادیوں میں سے گزرنے کے لیے آرمرڈ اور بلٹ پروف گاڑیاں استعمال کررہے تھے جن میں مسلح محافظ بھی موجود ہوتے تھے۔

بیہ جان' ایڈی اور ان کے دونوں کمانڈوز کی مجبوری اور بدقسمتی تھی کہ وہ کھٹمول کو سرِعام قتل کرنے کے لیے اپنی کوئی محفوظ ترین گاڑی استعمال نہیں کرسکتے تھے۔ اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے انہوں نے کھٹمول کے ایک ہندو دوست کی جیپ استعمال کی اور ارتکابِ جرم کے بعد مقامی پولیس کی گولیوں کی خوراک بن گئے۔

ان چاروں کے برعکس' اوبرائن کو ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اپنے فرائض منصبی کی بجاآوری کے لیے وہ آمدورفت میں ہر احتیاط برت رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں نے پچھلے چند دنوں میں اس کا خفیہ تعاقب کرکے یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا' ایسے کسی سفر میں اوبرائن پر کامیابی سے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

اول خان کی رائے تھی کہ میں اسے کسی مجرمانہ کامیابی کا لالچ دے کر شیشے میں اتار سکتا تھا۔ کسی خفیہ مشن کے لیے اوبرائن یقینی طور پر سرکاری آرمرڈ گاڑی کے استعمال سے گریز کرتا اور شاید محافظوں کی تعداد بھی کم ہو جاتی۔ اس وقت اسے راستے میں کہیں بھی ناکارہ کرایا بے خبری میں مارا جاسکتا تھا۔ اسے راہ سے ہٹائے بغیر پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا زور توڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی موت سے وہ قصّے ایک لمبی مدت کے لیے دب سکتے تھے۔

اول خان نے اپنی تجویز میں میرا کردار بھی متعین کردیا تھا۔ مجھے صرف فون پر اوبرائن سے رابطے کرکے غیر محسوس طریقے پر اپنے دام میں لانا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اگلے دو تین روز میں میرا زخم اتنا بہتر ہو سکتا تھا کہ میں تھوڑی سی احتیاط کے ساتھ تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا تھا۔

رات کے کھانے کا وقت ہونے تک پانچوں افراد پوری عرق ریزی کے ساتھ اسی ایک موضوع پر جٹے رہے۔ بھانت بھانت کی تجاویز بنتی اور مسترد ہوتی رہیں۔ اس بحث مباحثے سے مجھے اپنے کام کے لیے خاصا مواد مل رہا تھا' میں باتوں کو دانستہ طول دیتا رہا۔

کھانے کے بعد اول خان اپنے گھر جانے کا ارادہ ترک کرکے اسٹیشن فورپر ہی رک گیا۔

اس نے حالات میں تیزی سے پیدا ہونے والے بگاڑ کی وجہ سے غزالہ کو اپنی فیملی کے ساتھ پشاور بھیجا تھا۔ میرے زخمی ہونے کی وجہ سے اسے ہنگامی طور پر غزالہ کو واپس کراچی بلوانا پڑ گیا لیکن اس کے بیوی بچے بدستور پشاور میں تھے۔ وہ کئی دن تک گھر نہ جاتا تب بھی کوئی اس کی طرف سے فکرمند نہ ہوتا۔

اسٹیشن فورپر ملک بھر سے کئی اخبارات آتے تھے تاکہ ایس ٹی ایف کی مقامی قیادت ہر وقت تازہ ترین واقعات اور حالات سے باخبر رہ سکے۔

خان کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ کرنل جمال دستی کے خلاف دفترِ خارجہ میں امریکی سفیر کی شکایت کو مقامی اور بین الاقوامی پریس نے خاصی اہمیت دی تھی کیونکہ اس میں ایک مرتبہ پھر اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کی بازگشت سنائی دی تھی۔

اس شکایت کی واپسی کے چوتھے روز تمام اخبارات نے امریکی سفیر کی معذرت کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ شکایت سے دستبردار ہونے میں سبکی ہوئی تھی اس وجہ سے امریکیوں نے شاید وہ اطلاع براہِ راست اخبارات کو فراہم نہیں کی تھی۔ پاکستانی حکام نے اپنی سہولت کے مطابق تین دن کی تاخیر کے بعد وہ خبر اخبارات اور ایجنسیوں کو جاری کردی تھی۔

میرے لیے اس خبر کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ اعلیٰ سطح پر ہونے والی وہ کارروائی اخباروں کے ذریعے عام آدمی تک پہنچ گئی تھی ورنہ اول خان نے اسی رات تصدیق کرلی تھی کہ اوبرائن نے میرے دکھائے ہوئے سبز باغ کے نتیجے میں اپنا وعدہ پورا کردیا تھا اور میں کرنل جمال دستی کے روپ میں دوبارہ ایس ٹی ایف میں بحال ہو گیا تھا۔

ان دنوں پاکستان میں اخبارات پر زیادہ پابندیاں عائد نہیں تھیں۔ کئی نامہ نگاروں نے جان اور ایڈی کے قتل کے بعد پاکستان اور امریکا کے درمیان شروع ہونے والی سفارتی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کو شکایت کی واپسی سے منسلک کردیا تھا۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ محاذ پر منہ کی کھانے کے بعد امریکیوں نے اپنے جارحانہ تیور ترک کے نرم مدافعانہ پالیسی اپنائی تھی۔ اس دلیل سے یہ منطقی نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ یوں امریکا نے جان اور ایڈی کے جرم کے بارے میں کراچی پولیس کے موقف کو بڑی حد تک تسلیم کرلیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایک طویل تبصرے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ سفارتی پروٹوکول کے تحت امریکا سے آئے ہوئے دونوں سراغ رسانوں کو گھٹوٹل کے قتل کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

چوہدری اسلام کے بارے میں مجھے کسی اخبار میں ایک سطر تک نہ مل سکی۔ وہ معاملہ پرانا ہو کر دب چکا تھا یا اس خبر کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جارہا تھا۔

ناشتے پر اول خان میرے ساتھ موجود تھا۔ بعد میں سلطان شاہ بھی شریک ہوگیا۔ رات بھر سوچنے کی مہلت دینے کے بعد وہ دونوں ہی میرے عزائم جاننا چاہتے تھے۔

"میں آج بلکہ ناشتے کے فوراً بعد اسے فون کرنے کے لیے تیار ہوں" میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "سوال یہ ہے کہ موضوعِ سخن کیا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کا ایجنڈا چار نکات تک محدود ہے۔" اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "میری دانست میں تو وہ صرف میری یعنی ڈینی کی جان کا خواہاں ہے۔ تم کن چار نکات کی بات کررہے ہو؟"

"ایس ٹی ایف کی نفری اور اس کے دس مراکز کا محلِ وقوع اس کے پہلے دو مطالبے تھے۔ تیسرے نمبر پر تمہارے فنگر پرنٹس اور چوتھے نمبر پر تمہارا سراغ۔"

"چلو' یوں ہی سمجھ لو۔" میں نے نیم دلی سے کہا "میری نشان دہی اس کے لیے شاید زیادہ اہم ہو۔"

"اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔ کہانی وہیں ختم ہوجائے گی" اس نے سرعت سے کیا "وہ بہت چالاک ہے۔ فون پر ہی تم سے سب کچھ جاننا چاہے گا اور پوری تسلی کے بعد اپنے مسلح گرگے تمہارے بتائے ہوئے مقام کی طرف روانہ کردے گا۔ وہ خود ایک ذمے دار اور اعلیٰ انتظامی افسر ہے۔ خود مار دھاڑ میں حصہ نہیں لے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"اس سے کم کسی بات پر اسے اپنی کمین گاہ سے باہر نہیں نکالا جاسکے گا۔"

"تمہارے فنگر پرنٹس بھی اس کے لیے مساوی اہمیت رکھتے ہیں" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "وہ اسکیچ سے کہیں زیادہ مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"بدقسمتی سے وہ پہلے ہی اس کی تحویل میں ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بس ان پر لیبل کرنل جمال دستی کے نام کا ہے۔"

"سلطان شاہ کی تجویز مناسب ہے۔" اول خان نے اس کی حمایت کی "اسٹیشن فورپر کچن اور میس وغیرہ میں کام کرنے والے متعدد آدمی ایسے ہیں جو کبھی فیلڈ میں نہیں نکلتے اور ان کا زندگی بھر امریکیوں سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔"

"تم چاہتے ہو کہ ڈینی اپنے نام پر ان میں سے کسی کے فنگر پرنٹس اس کے حوالے کردے۔"

"اس کے سوا اور کیا' کیا جاسکتا ہے؟ ڈینی چاہے تو بھی اپنے صحیح فنگر پرنٹس اسے نہیں دے سکتا۔ راز کھل جائے گا کہ جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔" مزاحیہ انداز میں یہ کہہ کر اول خان دھیرے سے ہنس پڑا۔

میں ناشتے کے اختتام تک اس تجویز پر غور کرتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ہم لوگ اوبرائن کو ٹریپ کرنے کے لیے کوشش ہی کرسکتے تھے' کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہماری قسمت پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اوبرائن کے ڈائریکٹ نمبر پر رابطہ کیا تو وہ موجود تھا۔ میری آواز سن کر وہ مشفقانہ لہجے میں بولا "کیا تم نے کسی خاص سلسلے میں فون کیا ہے؟"

"میں ہنسی مذاق کے لیے تمہیں فون نہیں کرتا۔ آج تم نے ایسا اکھڑا اکھڑا سوال کیوں پوچھا ہے؟" میں نے ہلکی سی ترشی سے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ ہماری باتیں کہیں اور بھی سنی جاتی ہوں گی۔"

"تم خود بھی جانتے ہو کہ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

"تم ایس ٹی ایف کے سربراہ نہیں ہو۔ جن لوگوں نے تمہارے فون پر یہ آلہ لگوایا ہے وہ اس کا توڑ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ تمہارا یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو لیکن میرے اپنے تحفظات ہیں۔ آج کل تم شکوک و شبہات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" اس کے لب و لہجے سے اس کی بے اطمینانی کا اظہار ہورہا تھا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"اسی قدر خوف زدہ ہو تو فون بند کیے دیتا ہوں۔ تم سے ملاقات کے بعد مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔ تعلق توڑ کر شاید میں پرسکون ہوجاؤں۔"

"فون کیا ہے تو جلدی سے مدعا بھی بتاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"شاید میں نے تمہارے مطلوبہ فنگر پرنٹس حاصل کرلیے ہیں۔" میں نے کہا۔

"گڈ' یہ اچھی اطلاع ہے۔ لیکن یہ کس چیز پر ہیں؟" اوبرائن نے پوچھا۔

"میرا تمہارے مشورے پر عمل نہیں کرسکتا۔ اس کے استعمال

Downloaded from https://paksociety.com

میں آیا ہوا گلاس میں نے محفوظ کرلیا ہے۔"

"اس پر دوسروں کی انگلیوں کے نشان بھی موجود ہوں گے؟"

اوبرائن نے خود مجھے راہ دی۔

"شاید خدمتگار کے پرنٹس ہوں۔ اس سے پہلے میں نے گلاس صاف کردیا تھا۔"

"اسے احتیاط سے رکھو اور کل دوپہر بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر ملے آؤ۔ بلیکی وہاں تمہارا انتظار کرے گا۔ اس سے بقیہ ہدایات بھی ملیں گی۔"

"تو کیا تم مجھے بلیکی کے حوالے کررہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ عارضی احتیاط ہے۔ اب تم براہِ راست مجھے فون نہیں کرو گے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج کیا۔

"حالات اور میرے تحفظات۔" اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "کل بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ پہنچنا نہ بھولنا' بلیکی وہاں زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے میرا ردِعمل جانے بغیر فون بند کردیا۔

"بلیکی کا کیا چکر چل پڑا؟" جوں ہی میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا' سلطان شاہ تجسس آمیز لہجے میں سوال کر بیٹھا۔ "اس سے بات کرتے ہوئے تم کچھ پریشان تھے۔"

میں نے ان دونوں کو اوبرائن ڈی ہنٹ کے بدلے ہوئے رویے کی کہانی سنادی۔

"شاید تمہاری طرف سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا ہے۔" اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ایسی صورت میں تمہارا ایمپریس مارکیٹ جانا مخدوش بھی ہوسکتا ہے۔"

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ "کھٹو مل' جان' ایڈی اور دو میرین کمانڈوز کا انجام اس کے سامنے ہے۔ کسی وجہ سے وہ خوف زدہ ہوگیا ہے۔ شاید اس کی چھٹی حس نے موت کی بو سونگھ لی ہے۔"

میری دانست میں اوبرائن کی باتیں خاصی بے ربط اور شکستہ تھیں۔ میں نے اس سے ہونے والی گفتگو کو اپنے ذہن میں دہرایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ سلطان شاہ صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اوبرائن نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے پہلے سے طے شدہ کسی پروگرام کے بغیر اچانک اسے فون کیا تھا۔ شاید بلیکی فوری طور پر دستیاب نہیں رہا ہوگا۔ اوبرائن نے اسے سمجھانے اور وقت کی پابندی کے لیے اگلے دن کا وقت مقرر کیا تھا۔

میرے لیے ایک دن کی وہ مہلت نعمت سے کم نہیں تھی۔ میرے بازو کا زخم تیزی سے مندمل ہورہا تھا۔ میں نے اگلے دن کی

تسلسل

ایک گھرانا جو تنگ مکان میں رہتا تھا' ایک کشادہ مکان میں منتقل ہوگیا۔ ایک شخص نے اس مکان میں آنے والے بچے سے پوچھا "تمہیں یہ مکان کیسا لگا؟"

بچے نے بتایا "مجھے یہ مکان بہت پسند ہے۔ میرا کمرا بھی الگ ہے اور میری دونوں بہنوں کے بھی اپنے اپنے کمرے ہیں" بچے نے یہ کہہ کر تھوڑا سا توقف کیا پھر کچھ دیر سوچتے ہوئے بولا "مگر بے چاری ممی! انہیں اب بھی ڈیڈی کے کمرے میں ہی سونا پڑتا ہے۔"

جہلم سے محمد آصف جمروز خان کی عنایت

پیشگی تیاری کے لیے سلنگ اتار کر اپنا بایاں بازو آزاد کردیا۔ زخم میں چند ٹانکوں کے لیے ٹیسیں اٹھیں جو زیادہ شدید نہیں تھیں۔

غزالہ نے اس تبدیلی کو خوشگوار حیرت سے دیکھا اور مجھے مزید چند روز احتیاط کا مشورہ دیا۔ جب میں نے اسے اوبرائن سے طے ہونے والے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے اپنے مشورے پر اصرار نہیں کیا۔ دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس شام بھی ڈاکٹر آیا۔ زخم کا معائنہ کرکے اس نے دواؤں میں کچھ ردوبدل کی۔ اول خان سے مشورے کے بعد ایک انجکشن لگایا اور مختصر سی پرامید گفتگو کے بعد واپس چلا گیا۔

دن بھر کی مشق کے بعد میں نے چلتے ہوئے' اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں میں لٹکائے رکھنے کی اتنی عادت ڈال لی تھی کہ اگلے دن مجھے کسی پریشانی کا اندیشہ نہیں تھا۔

اول خان نے اپنی دفتری مصروفیات سے فارغ ہوکر شام میں اطلاع دی کہ اس کے باس کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں اسلام آباد میں برف پگھلنی شروع ہوگئی تھی۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کو شجر ممنوعہ قرار دینے والے بزرجمہروں کو اوپر والوں نے نظرانداز کردیا تھا۔

اوپر والے اوبرائن کو پوری احتیاط سے راہ سے ہٹانے کی تجویز سے متفق ہوگئے تھے۔ پہلی ترجیح یہ تھی کہ اسے اس قدر دہشت زدہ کردیا جائے کہ وہ خود گھبرا کر اپنے وطن لوٹ جائے۔ اس طریقۂ کار میں ناکامی کی صورت میں اس کے لیے اسی قدر مہارت اور ہوشیاری ضروری قرار دی گئی تھی جتنی جان اور ایڈی کے معاملے میں اختیار کی گئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ نکات غیر معمولی نہیں تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اندازہ تھا کہ امریکیوں کے جانی نقصانات کا تسلسل کسی بھیانک انتقامی کارروائی کا پیش خیمہ بھی بن سکتا تھا۔ کسی بھی واقعے میں کسی ایجنسی کے ملوث ہونے کا کوئی سراغ باقی رہ جاتا تو ایسی کارروائی کے امکانات بڑھ سکتے تھے۔

وہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی تھی۔ اوبرائن میرے رابطے میں تھا اور مجھ سے بار بار بات کرنے کا آرزو مند تھا تو کہیں سے پیش قدمی کا کوئی موہوم ترین اشارہ نہیں ملا تھا۔ ہم آپس میں لڑتے اور سر کھپاتے رہے تھے۔ وہ بلیکی کو آگے بڑھا کر غائب ہوا تو اسلام آباد سے گرین سگنل آگیا۔

اگلی صبح میرا زخم بہت بہتر ہو چکا تھا۔ وہ شاید انجکشن کا کمال تھا کہ میں ہلکی سی تکلیف کے ساتھ اپنے لٹکتے ہوئے بازو کو اوپر نیچے حرکت دینے کے قابل ہو چکا تھا۔

بلیکی سے ملاقات کی تیاری میں میں یہ نکتہ فراموش کئے بیٹھا تھا کہ بائیں بازو کا زخم بڑی حد تک بھر جانے کے باوجود میں ڈرائیونگ کے قابل نہیں تھا۔ دس بجے اول خان نے مسکرا کر اس بارے میں پوچھا تو میری نظریں بے اختیار سلطان شاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"نہیں!" اول خان نے سختی سے کہا۔ "ہم میں سے کوئی تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمارے گلے کا پھندا بن سکتی ہے۔"

سلطان شاہ مہم جوئی کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "میں دور رہ کر تمہاری حفاظت کرتا رہوں گا۔"

"اس سے دور رہ کر تم اس کی زیادہ خدمت کرو گے۔ میں گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کر چکا ہوں۔" اول خان نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میں گیارہ بجے اسٹیشن فور سے روانہ ہوا تو میری جیبوں میں نیم گن کے ساتھ موبائل فون بھی موجود تھا۔ فون میں نے بند کیا ہوا تھا۔ بلیکی کو موبائل فون کی جھنک مل جاتی تو وہ اس کا نمبر مانگ سکتا تھا۔ جب کہ میں ان لوگوں سے اپنا ہر سراغ پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔

وہ سفر وسوسوں' اندیشوں اور خوش گمانیوں کے دوران میں طے ہوا۔ اول خان نے میرے لیے کراچی کی روایتی زرد و سیاہ ٹیکسی کا بندوبست کیا تھا۔ اسے چلانے والا اپنی وضع قطع سے کوئی پیشہ ور ڈرائیور نظر آرہا تھا مگر اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اس کی فورس کا ایک ممتاز اہل کار تھا۔

میں صدر کی مصروف اور پرہجوم سڑکوں پر وقت گزاری کرتا ہوا مقررہ وقت پر ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر پہنچا تو قوی الجثہ بلیکی بھی ایک ٹیکسی سے برآمد ہوا۔

وہ قد آور اور تنومند شخص تھا اس لیے اسے نظر انداز کرنا ناممکن نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے جسم پر سرمئی رنگ کا قمیص شلوار سوٹ موجود تھا۔ لباس پہننے کے بے پروایانہ قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مقامی لباس اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس حلیے میں وہ دور سے کوئی قد آور مکرانی معلوم ہو رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اسے شہر کی بھیڑ بھاڑ میں بھیجنے کا خطرہ مول لیا گیا تھا۔

بلیکی اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ متوسط قامت اور جسامت والا کوئی مقامی شخص بھی تھا جو قمیص پتلون میں ملبوس تھا۔ ٹیکسی سے اترتے ہی ان دونوں کی متلاشی نظریں مارکیٹ کے بڑے داخلی راستے سے ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں اور پھر بلیکی نے مجھے دیکھ لیا۔

میں اس کی طرف لپکا اور وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے۔

"گلاس کہاں ہے؟" بلیکی نے آتے ہی کسی سلام دعا یا تمہید کے بغیر سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے اس سے متوقع مصافحے کی امید میں اپنا داہنا ہاتھ خالی رکھا تھا۔ گلاس والا ہلکا سا پیکٹ بائیں ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کے گستاخانہ مطالبے پر میں نے بائیں ہاتھ سے وہ پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے فوراً لے لیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا تمہارا بایاں بازو مفلوج ہو گیا ہے؟" اس نے اپنی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بے رحمانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' کوئی پٹھا اکڑ گیا ہے۔" میں نے اس کی بدتمیزی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ میں اس کے بارے میں پہلے ہی خراب رائے قائم کر چکا تھا۔ بلیکی اس وقت بھی اپنی بول چال سے خود کو انتہائی گھٹیا درجے کا سیاہ فام امریکی ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"میں جا رہا ہوں' یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ دھن راج تمہیں آئندہ طریقۂ کار کے بارے میں بریف کرے گا۔" اس نے واپسی کے لیے پر تول لئے۔

"اوبی نے مجھ سے صرف تمہارا ذکر کیا تھا۔ میں دھن راج کو نہیں جانتا۔"

"تم نہیں جانتے مگر میں نے تعارف کرا دیا ہے۔ اب دھن راج ہی تم سے ڈیل کرے گا.... بائے!" یہ کہہ کر اس نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مارکیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے یوں حیرت سے نہ دیکھو۔" مقامی نظر آنے والے شخص نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ "اپنا ذہن صاف رکھو۔ ابھی ہمیں کئی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

میں اس وقت ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں اوبرائن میرے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ پہلے بلیکی اور اب دھن راج میرے سامنے تھے' جب تک وہ خاموش رہا' میں اسے مقامی ہی

Downloaded from https://paksociety.com

سمجھتا رہا لیکن اس کے بولنے پر مجھے شبہ ہوا کہ اس کا لب و لہجہ مقامی نہیں تھا۔

"بلیکی کی طرح تم بھی دساور سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری بے خوفی سے کہا۔ "ہمارتی ہو؟"

"پاکستان اور بھارت ایک ہی ملک کے دو نام ہیں۔" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "جو چاہو، سمجھ لو۔ آج کی ملاقات کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں اور تم مجھ کو دیکھ لو۔ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اب تم اولی یا بلیکی کے بجائے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"اگر اس کاغذ پر تمہارا ہوٹل کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا ہے تو یہ چیزیں اوبرائن مجھے فون پر بھی بتا سکتا تھا۔ اس کی خاطر سر راہ یوں ملنا ضروری نہیں تھا۔" میں نے کاغذ دیکھے بغیر اپنی جیب میں ڈال کر بدمزگی سے کہا۔ "پتا نہیں میرے ساتھ کیا ناٹک رچایا جا رہا ہے۔"

"برا نہ مانو کرنل!" اس نے نرمی سے مجھے جتا دیا کہ وہ پہلے سے میرے بارے میں بریف کیا جا چکا ہے۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "گلاس دینے کے لیے تمہیں کہیں نہ کہیں آنا ہی تھا۔ اولی کا خیال تھا کہ ہمیں بہت دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنا ہے، آپس میں تعارف ہو جائے تو اچھا رہے گا..... یوں بیچ میں رکنے کے بجائے کنارے سے آ جاؤ..... زیادہ باتیں کرنی ہیں تو ہوٹل چل کر میرے ساتھ کچھ پینے کی دعوت قبول کرو۔"

"میں تعارف کا ہی منتظر ہوں۔ میرے بارے میں شاید تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے مگر میں تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ انجان لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرا کوئی لمبا چوڑا تعارف نہیں ہے۔ تم نئے ہو، میں پرانا ہوں۔ رفتہ رفتہ تم بھی میری طرح پرانے ہو جاؤ گے۔"

اس کا جواب بہت مبہم لیکن اپنی جگہ مکمل تھا۔ میری الجھن دور نہیں ہو سکی۔ میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا تم قونصل خانے میں کام کرتے ہو؟"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہاری طرح ہوں۔ بس ذرا پرانا ہوں۔ اسی وجہ سے مجھ پر بھروسا کیا جاتا ہے۔"

اس کے پراسرار رویے اور پر پیچ جوابوں سے میری طبیعت مکدر ہونے لگی۔ جی چاہا کہ اسی وقت اس مردار کی گردن دبوچ کر جوتے لگانے شروع کر دوں مگر وہ مشتعل ہونے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "بلیکی گیا، اولی گیا، اب تم ہو، تمہیں پرچہ دے کر لوٹ جانا چاہیے تھا۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ "مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تم جس فورس میں ہو، وہ اپنے آدمیوں کے لیے بھی بہت موذی اور خطرناک ہے۔ پھر بھی ایمرجنسی کے لیے کوئی نہ کوئی رابطہ تو ہونا ہی چاہیے۔"

"سہاروں کی ضرورت نئے آدمی کو ہوتی ہے۔ تم پرانے ہو۔ میری ضرورت محسوس نہیں کرو گے۔ یہ بات اولی اچھی طرح جانتا ہے۔" میرے الفاظ تلخ تھے مگر لہجہ نرم تھا۔

اس نے داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ "کبھی رنگ رلیوں میں ڈوب کر چند گھنٹے گزارنے کا موڈ ہو تو فون کر کے میرے پاس آ جانا۔ میں اپنے مہمانوں کی فراخ دلی سے دیکھ بھال کرتا ہوں۔"

میری دانست میں وہ شراب نوشی کی دعوت تھی۔ میں نے اس کی تضحیک کی نیت سے پوچھا۔ "دیسی پر گزارہ کرتے ہو یا ولایتی بھی مل جاتی ہے؟"

"یہ پسند اور موڈ پر منحصر ہے۔ شراب اور لڑکیاں..... دونوں ہی دیسی بھی مل جاتی ہیں اور پردیسی بھی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ "شہر کے اوباش رؤسا کو ترسانے والیاں میری ایک فون کال پر سر کے بل چلی آتی ہیں کیونکہ میں کام سے پہلے پورے گھنگے بندھے دام ادا کر دیتا ہوں۔"

وہ غلاظت کی طرف جانے لگا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ پوری طرح صحت مند تھا۔ میں نے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور اپنی ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔

ٹیکسی بسوں اور بھانت بھانت کی گاڑیوں کی رینگتی ہوئی بے ترتیب بھیڑ سے گزر کر زیب النساء اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی شارع فیصل پر آئی تو میرے ڈرائیور نے پرتشویش آواز میں کہا۔ "سر! شاید ایک کالی گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"کرنے دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم سیدھے اسٹیشن فورکی طرف چلو۔"

"سوسائٹی میں داخل ہو کر اسے کہیں نچا نہ دوں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں معلوم ہے کہ میں اسٹیشن فورپر ہوتا ہوں۔ چھاؤنی کی چیک پوسٹ سے پہلے ہی وہ گاڑی واپس چلی جائے گی۔ تم اسے بھول کر ڈرائیونگ کرتے رہو۔"

میں نے خود بھی مڑ کر مشتبہ گاڑی پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میرا ذہن مسلسل دھن راج میں الجھا ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت بدنصیب تھا۔ اوبرائن نے اسے قربانی کا بکرا بنا کر میرے سامنے ڈال دیا تھا۔ اس کا نام اور پتا میری جیب میں موجود تھا۔ اول خان کا کوئی بھی ذہین آدمی چند گھنٹوں میں اس کا پورا شجرہ نکال کرا سکتا تھا۔ اس کے بعد دھن راج کے ساتھ جو کچھ ہوتا وہ ہماری مرضی سے ہوتا اور ہمارے منتخب کیے ہوئے وقت پر ہوتا۔ دھن راج اب ہم سے بچ نہیں سکتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بارہ بجے ہونے والی وہ ملاقات بہت مختصر رہی تھی۔ واپسی پر شہر کے وسط سے مضافات کی طرف جانے والا ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو کر اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ میرے اندازے کے عین مطابق سیاہ کار چھاؤنی کی حدود شروع ہونے سے پہلے ہی غائب ہو چکی تھی۔

میرے ایما پر ڈرائیور گاڑی براہِ راست اول خان کے دفتر کی طرف لے گیا۔

اول خان ٹیکسی کے انجن کی آواز پہچان کر دفتر سے برآمدے میں نکل آیا۔ اسے حیرت تھی کہ اتنی اہم ملاقات مختصر سے وقت میں ختم ہو گئی تھی۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کی طرح دھن راج کا نام بھی اسپیشل ٹاسک فورس کی فہرست میں نہیں تھا۔ دھن راج سے میری ملاقات کے بعد یہ بات ہر شک و شبے سے بالا تھی کہ وہ کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر ہمارے خلاف سنگین ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا اور خود کو ہر ایجنسی کی نگاہوں سے بچائے رکھنے میں پوری طرح کامیاب تھا۔

اس قسم کے سنگین مجرموں کی ابتدائی نشان دہی عام طور پر ایس ٹی ایف ہی کیا کرتی تھی کیونکہ اس کا دائرۂ کار بیشتر پابندیوں سے یکسر آزاد تھا۔ ابتدائی شواہد کی دستیابی کے بعد فورس اپنے ہدف کا ریکارڈ متعلقہ وفاقی اداروں کو فراہم کر دیتی تھی۔

اول خان نے اپنے دفتر میں دو تجربہ کار اہل کاروں کو بلا کر دھن راج کے حملہ کوائف اور سرگرمیوں کا کھوج لگانے پر مامور کر دیا اور پھر لنچ کے لیے میرے ساتھ رہائشی بیرکوں کی طرف ہو لیا۔

غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں کسی دنگا فساد میں ملوث ہوئے بغیر خیر و عافیت سے واپس لوٹ آیا تھا اور میرا زخمی ہاتھ مزید مجروح نہیں ہوا تھا۔

"جہاز کے رنگی لنگر کی طرح، تمہارا ٹھہرا ہوا بازو بلیکی کی نظروں سے پوشیدہ تو نہ رہ سکا ہو گا؟" ویرا نے اپنے معمول کے مطابق استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "تمہیں ایسی اچھوتی مثالیں کیسے سوجھ جاتی ہیں؟"

"غور کرتیں تو تمہیں بھی اندازہ ہو جاتا کہ ڈینی کا بایاں بازو کس طرح ساکت ہے۔"

"بلیکی میرے ساتھ زیادہ دیر رکا ہی نہیں۔ گلاس لے کر چلا گیا۔ پٹھا اکڑنے کا عذر اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ سلنگ سے نجات کے بعد زخم کی بحالی کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ ایک آدھ روز میں یہ لنگر بینڈولم میں تبدیل ہو جائے گا۔"

ایمپریس مارکیٹ پر جو کچھ ہوا، وہ بہت ہی پھیپھسا اور روکھا پھیکا تھا۔ پہلے ہم اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اوبرائن اپنے چار ساتھیوں کے انجام کی وجہ سے مجھ سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اپنے اس خوف کے تحت اس نے مجھے بلیکی کے سپرد کر دیا مگر پھر بلیکی جیسا نڈر اور قدرے کم عقل شخص کیوں غائب ہو گیا؟ اس نے مجھے کس وجہ سے دھن راج کے حوالے کیا تھا؟

وقت گزارنے کے لیے وہ سوال بہت سا مواد فراہم کرتے تھے لیکن ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دھن راج کے اصل خدوخال سامنے آنے کے بعد صورتِ حال کچھ واضح ہو سکتی تھی۔

شام کو اول خان نے ایک نئی خبر فراہم کی۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ اپنے ذرائع سے اوبرائن ڈی ہنٹ پر مسلسل کام کر رہا تھا۔ اسے امریکا کے دارالحکومت واشنگٹن سے خبر ملی تھی کہ اوبرائن کا تعلق امریکا کی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس سے تھا۔

وہ ادارہ سی آئی اے کی طرح بین الاقوامی سطح پر رسوا نہیں ہوا تھا مگر اس کے مقاصد سی آئی اے سے کہیں زیادہ خطرناک اور ہمہ گیر تھے۔ وہ ہر ملک کے مخصوص ملکی حالات اور ماحول کے تحت سازشوں کے تانے بانے بُن کر مقاموں سے کام لینے میں ماہر تھے۔

سٹے بازوں کی مضبوط پشت پناہی کر کے ابھرتے ہوئے ملکوں میں بھیانک اقتصادی بحران پیدا کر کے اپنی منڈیوں کو قبضے میں رکھنا اور مقبول حکومتوں کا تختہ الٹ کر کٹھ پتلی اور چوہدری سلام جیسے کرپٹ سیاست دانوں کو آگے لانا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

ہم سب کے لیے وہ نئی اطلاع تھی۔ اس وقت تک ہم اوبرائن کو سی آئی اے کا مہرہ سمجھ رہے تھے۔ وہ اس سے بھی اونچے درجے کا فن کار نکلا تھا۔

"فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس بھی ایس ٹی ایف جیسی فورس معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں کا موازنہ کر کے تم میری فورس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔" اول خان نے پُرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ "ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"یہ فرق مجھے تو نظر نہیں آتا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم پاکستانی مفادات کا تحفظ کرتے ہو' وہ امریکا کے لیے کام کرتے ہیں۔"

"ہمارا کام مدافعانہ ہے۔ ہم اپنی سلامتی اور وقار کے دشمنوں کی بیخ کنی کرتے ہیں جبکہ ان کے ہدف جارحانہ ہوتے ہیں۔ وہ حکومتوں اور ملکوں کی توڑ پھوڑ میں ملوث ہیں۔"

ویرا مسکرانے لگی "میں نے یہ فرق نظرانداز کردیا تھا۔ دیکھا جائے تو ان لوگوں کا کام بھی سی آئی اے سے مختلف نہیں ہے۔ بس مہارت اور طریقۂ کار کا فرق ہوسکتا ہے۔"

"ہم سب بوڑھی بیواؤں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہاں پناہ گزین ہوگئے ہیں۔" یکایک سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا "میرے لیے یہ بے کاری ناقابلِ برداشت ہے۔ میں شہر کی طرف جارہا ہوں۔ دیر ہوگئی تو رات کسی دوست کے گھر بسر کرلوں گا۔ میری طرف سے کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"شہر میں ہمارے لیے خطرات موجود ہیں۔ تمہارا یوں نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔" غزالہ نے اسے سمجھایا "ایک دو روز میں حالات بہتر ہوجائیں گے۔"

"شہر میں کچھ نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "ڈینی نے بلیکی سے ملاقات کی اور کچھ نہیں ہوا۔ ہم لوگ بلاوجہ ہی احتیاط میں گھلے جارہے ہیں۔"

ہر ایک نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گیا اور تیار ہوکر تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور سے نکل کھڑا ہوا۔ ہماری بحث سے چڑ کر اس نے سواری فراہم کرنے کی پیشکش بھی قبول نہیں کی۔ کسی بھی منی بس یا ٹیکسی سے شہر کے مرکزی حصے میں پہنچنے کا قصد کرکے پیدل چل دیا۔ جاتے جاتے غزالہ نے اسے ایک ریوالور ضرور تھمادیا تھا۔

اسٹیشن فور میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ مجھے سلطان شاہ کی طرف سے ویسے تو کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن یہ تشویش ضرور لاحق تھی کہ وہ اوبرائن کی طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ عاجلانہ انداز میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا بیٹھتا تو کسی بھی بدترین خطرے سے دوچار ہوسکتا تھا۔

شام تک دھن راج کے بارے میں کچھ مواد یک جا ہوچکا تھا۔ وہ سندھ کے ایک دور افتادہ' سرحدی شہر عمرکوٹ کے ایک بڑے جاگیردار کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے کام کاج اور آمدنی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ باپ کی زمینوں سے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ پورا خاندان بے فکری اور عیاشی سے زندگی بسر کرنے کے باوجود ہر سال کچھ نہ کچھ پس انداز کرلیتا تھا۔

سرپرائز

ایک خاتون سڑک کے حادثے میں زخمی ہونے والوں کو فوری طبی امداد دینے کے ادارے سے منسلک تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ زخمی ہونے والے کی اداکاری کرے۔ شوہر نے ہامی بھرلی۔ خاتون نے اسے سر سے گردن تک چڑھانے کا ماسک دیا جس پر زخموں کے نشان تھے۔ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا لباس دیا جس پر خون کے دھبے تھے۔ پھر ایمبولینس منگوا کر اسے لٹادیا۔ وہ کراہتے ہوئے بے ہنگم آوازیں نکالتا رہا۔ ایمبولینس دیر تک سڑکوں پر دوڑتی ہوئی رک گئی۔ اٹینڈنٹ نے دروازہ کھولا اور فرضی زخمی کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ معاً فضا تالیوں اور سیٹیوں سے گونج اٹھی۔ اس نے اپنی کامیابی پر خوش ہوکر بظاہر ڈولتے اور لڑکھڑاتے ہوئے سر پر سے ماسک کھینچا تو ششدر رہ گیا۔ وہ اپنے مکان کے لان میں مرد و خواتین دوست احباب کے درمیان کھڑا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس روز اس کی شادی کی پچاسویں سالگرہ تھی اور اپریل کی پہلی تاریخ تھی۔

عمرکوٹ جیسے پس ماندہ شہر میں دھن راج کا زیادہ دل نہیں لگتا تھا کیونکہ اس نے کراچی کی بہت سی بدنام خواتین کے ساتھ دل لگایا ہوا تھا۔ اسی لیے وہ اکثر و بیشتر کراچی کے ایک خاص ہوٹل میں پایا جاتا تھا۔

چند ماہ پہلے بھارتی قونصل خانے میں ریکارڈ آفیسر کی اسامی پر بھارت سے میجر بخشی کا تقرر ہوا تو دھن راج وہاں بھی دیکھا جانے لگا۔

ایس بی ایف کے آدمیوں نے سراغ لگایا تھا کہ تقسیم سے پہلے میجر بخشی کا باپ بھی عمرکوٹ میں رہتا تھا۔ انگریز کی رخصت کے بعد وہ جان کے خوف سے اپنے پورے خاندان سمیت' سرحد پار کرکے اودے پور میں جا بسا تھا۔

ان دونوں خاندانوں میں پرانی آشنائی نے میجر بخشی اور دھن راج کی گہری دوستی کا روپ دھار لیا۔ کبھی کبھی میجر بخشی بھی دھن راج کے کمرے میں دیکھا جانے لگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میجر بخشی انڈین آرمی کا ریٹائرڈ افسر تھا اور بظاہر اسے فارن آفس نے کراچی کے قونصل خانے میں مامور کیا تھا لیکن خفیہ اطلاعات یہ تھیں کہ میجر بخشی کو آرمی سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ دے کر را کے اسپیشل سروسز بیورو میں مامور کردیا گیا تھا۔ وہیں سے اسے فارن آفس کی معرفت کراچی بھیجا گیا تھا۔

میرے لیے اسپیشل سروسز بیورو کا نام نیا نہیں تھا۔ اسے صرف اور صرف پاکستان کے خلاف شورشیں برپا کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ انڈین ایس ایس بی کو اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد اور امریکی سی آئی اے کا قریبی تعاون حاصل تھا۔

اس وقت تک دھن راج اور میجر بخشی کے درمیان کسی گٹھ جوڑ کے بارے میں کوئی شہادت نہیں مل سکی تھی مگر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میجر بخشی نے عمر کوٹ میں راج خاندان کی ممتاز سماجی حیثیت اور کراچی میں دھن راج کے وسیع مراسم کو اپنے مفادات کے لیے ضرور استعمال کیا ہوگا۔

کمزور کردار کے حامل لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے کے لیے تین ڈبلیو یعنی ویلتھ' وائن اور وومن یا دولت' شراب اور عورت جیسے تینوں مؤثر حربے دھن راج کی دسترس میں تھے۔ میجر بخشی اس کے ان وسائل سے استفادہ نہ کرتا تو اپنے فرائض سے انحراف کا مرتکب ہوتا۔

میری نگاہوں میں دھن راج کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔

"فی الحال گاڑی یوں ہی چلنے دو۔" اول خان نے میری دلچسپی کو بھانپتے ہوئے کہا "چند روز میں میرے آدمی کچھ ٹھوس مواد اکٹھا کرلیں گے۔ اس کے بعد ان دونوں کو دیکھ لیا جائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہمیں دشمن کے خلاف کسی مواد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ کام فوراً شروع ہوجاتا ہے۔"

"ایک وقت میں کئی دشمنوں سے بھڑنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے....."

"مصلحت کے مقابلے میں ضرورت زیادہ اہم ہوتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ بات چبھ رہی ہے کہ اوبرائن نے مجھے اچانک دھن راج کے حوالے کیوں کردیا؟ اب میجر بخشی اور اوبرائن کے عہدوں پر غور کرو تو تمہیں دھن راج درمیانی رابطے کا اہم آدمی نظر آئے گا۔"

"سی آئی اے اور را کا گٹھ جوڑ نیا نہیں ہے۔ پاکستان میں یہ دونوں ادارے شانہ بہ شانہ کام کرتے ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہوگا۔"

"دونوں میں سے کسی ایک کی کمر توڑ دی جائے تو دوسرا خود بخود پسپا ہوجائے گا۔"

"اوبرائن کے خلاف تم کو گرین سگنل مل چکا ہے۔ اپنی توجہ اسی پر مرکوز رکھو۔"

"اوبرائن کے ہوش و حواس پر چار لاشیں مسلط ہیں۔ میرے لیے دھن راج زیادہ اہم ہوچکا ہے۔" میں نے... پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"شاید اس لیے کہ اوبرائن اور ولیکی تمہیں اس کے حوالے کرکے اچانک درمیان میں سے نکل گئے ہیں۔" ویرا نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"فی الحال یہی سمجھ لو۔" میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے مختصراً کہا۔

"آپ اس کے خلاف کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟" غزالہ نے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ ابھی اس سے پینگیں بڑھانے کا ارادہ ہے تاکہ اس کا اصل چہرہ میرے سامنے آسکے۔ ممکن ہوا تو میجر بخشی کو بھی ٹٹولا جائے گا۔"

"مل بیٹھنے کی حد تک تمہیں اجازت دی جاسکتی ہے۔" اول خان نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "وہ خود بھی یہی چاہتا ہے۔"

میں نے شکریے میں سر کو ہلکی سی جنبش دے کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

دھن راج کے دیے ہوئے رقعے پر اس کے کمرے کا ایک فون نمبر ڈائرکٹ تھا' دوسرے نمبر آپریٹر کے ذریعے کمرے سے ملائے جاسکتے تھے۔ میں نے اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ فون اٹھانے والی کی آواز بہت دلکش اور ہوش ربا تھی۔ اس کی زبان سے ڈھلکتے ہوئے الفاظ سن کر ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دھن راج کے ساتھ ہے نوشی کررہی تھی۔

عورت کے اصرار پر بھی میں نے اپنا نام نہیں بتایا اور دھن راج سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند ثانیوں بعد وہ فون پر آگیا۔

میری آواز پہچانتے ہی اس نے خوشی سے ہانکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "دن کی تپتی ہوئی دھوپ میں شاید تمہیں میری پیشکش بری لگی تھی۔ اب کیسے یاد کیا ہے؟"

"میں مسلسل تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے الجھن آمیز آواز میں کہا "یہ بتاؤ کہ تم سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

"اس وقت کی معافی چاہتا ہوں۔ کل کا کوئی وقت رکھ لو۔" جواب آیا۔

"چار بجے شام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔" اقرار کرتے کرتے وہ ایک دم چونک پڑا۔ "شام کے بجائے تم صبح گیارہ بجے آجاؤ تو تمہاری ملاقات ایک مزے دار دوست سے کراؤں گا۔"

"مرد ہے یا عورت؟" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کل ہی پتا چلے گا۔ آسکتے ہو تو گیارہ بجے چلے آؤ۔" وہ اوبرائن کی طرح تنک مزاج نہیں تھا۔

"ڈن!" میں نے لمحہ بھر میں اس کا مجوزہ پروگرام قبول کرلیا "اب تم اپنی سویٹی کے ساتھ عیش کرو۔ میں تمہارا مزید وقت نہیں لوں گا۔"

"تھینک یو یار۔ تم واقعی گریٹ ہو۔" اس کی تحسین آمیز آواز سن کر میں نے فون بند کردیا۔

دھن راج سے بات کرکے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ وہ بڑے تکلف اور یار باش آدمی تھا۔ اوبرائن تحکم کے ساتھ دوسروں کی تذلیل کرنے کا بھی عادی تھا۔

اس رات ہم دیر تک سلطان شاہ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ بارہ بجے میں مایوس ہوگیا۔ مجھے علم تھا کہ پٹھان کالونی میں اس کے قبیلے اور برادری کے کچھ لوگ رہتے ہیں جن سے وہ کبھی کبھی ملتا رہتا تھا۔ شاید اس نے وہیں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

روشنیاں گل کرنے کے بعد نیند آنے سے پہلے میں فیصلہ کرچکا تھا کہ صبح میں کسی محافظ یا نگراں کے بغیر بالکل یکہ و تنہا دھن راج سے ملنے جاؤں گا۔

اگلی صبح میری چھٹی حس کچھ زیادہ ہی فعال تھی۔ میں اوبرائن سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا تھا جہاں حفاظت اور آنے والوں کی جامہ تلاشی کا خود کار الیکٹرانک نظام نصب تھا جبکہ دھن راج سے میری ملاقات ہوٹل کے ایک کمرے میں ہونے والی تھی جہاں ایسی رکاوٹوں کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے چلنے سے قبل بیم گن جیب سے نکال کر ویرا کو تھمادی۔

"تو کیا بالکل خالی ہاتھ وہاں جاؤ گے؟" ویرا نے تیکھی نظر لے کر حیرت سے پوچھا۔

اُلّو کا پٹھا

ایک آدمی اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ پاس ہی اس کا چھوٹا بیٹا ٹرین سے کھیل رہا تھا۔ بچہ ٹرین کو چابی دے کر چھوڑ دیتا اور جب وہ ٹرین ایک دائرہ مکمل کرلیتی تو انگلی سے روک کر کہتا۔ "اسٹیشن آگیا ہے، جس اُلّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اترجائے۔"

جب بچے نے دو تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا تو باپ نے سوچا بچہ غلط بات سیکھ رہا ہے لہٰذا اس نے ٹرین اٹھالی۔ تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا، بچہ خاموشی سے مسکین صورت بنائے بیٹھا رہا۔ آخر باپ کو ترس آگیا۔ اس نے بچے کو ٹرین دے دی اور کہا۔ "اب پہلے والی غلطی مت کرنا۔"

بچے نے ٹرین کو چابی دی۔ جب گاڑی نے چکر مکمل کرلیا تو گاڑی روک کر بچے نے کہا "جس اُلّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اترجائے پہلے ہی اس اُلّو کے پٹھے کی وجہ سے گاڑی تیس منٹ لیٹ ہوگئی ہے۔"

نکاح خواں اور چھوہارے

پطرس بخاری کے کسی عزیز کا نکاح تھا۔ اس کے لیے مولوی درکار تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک مولوی کو ڈھونڈ کر لایا گیا جو بہت دبلا پتلا تھا۔ پطرس صاحب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔

"نکاح کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نکاح خواں اور چھوہارے کی۔ ماشاء اللہ ان میں دونوں صفات موجود ہیں۔"

"میں وہاں لڑنے نہیں، مذاکرات کرنے جارہا ہوں۔ تم ہی لوگوں نے مجھے کسی بھی محاذ آرائی سے روکا ہوا ہے۔" میں نے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی۔

"اگر اس کے دل میں کوئی شرارت آگئی تو تم کیا کرو گے؟" ویرا دوبارہ بولی۔

"وہ شرارت پر آمادہ ہے تو وہاں نفری بھی زیادہ ہوگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

بیم کن سے میں کتنے آدمیوں کو گرا سکوں گا؟ آخر کار وہ مجھے زیر کر ہی لیں گے۔"

"حیرت ہے کہ اس وقت تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔" ویرا جز بز ہو کر رہ گئی۔

"جب تک میرا بازو بالکل صحت مند نہیں ہو جاتا' میں نے افسانوی خوش نصیبوں سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ شرارت پر آمادہ ہوا تب بھی میرا نتھنا ہونا میرے حق میں جائے گا۔"

"اپنی ترجیحات کو تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔" وہ بے بسی سے شانے اچکا کے رہ گئی۔

اول خان نے اپنی گاڑی میں مجھے ایسی جگہ چھوڑا جہاں خالی ٹیکسی موجود تھی۔ میں اسے الوداع کہہ کر شارع فیصل کے آغاز پر واقع کثیر المنزلہ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں' میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی حکمت عملی پر غور کیا۔ میرا وہ مشن صلح کل کا تھا۔ دھن راج کے ارادے کچھ بھی ہوتے' میری سلامتی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اس کے لیے میں کرنل جمال دستی تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک ایسا افسر جو زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر ڈیٹی کی گرفتاری میں مدد دینے اور مقررہ انعام حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے ساری اہمیت ڈیٹی کی تھی۔ جمال دستی کو مار کر وہ اس امکان کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

ہوٹل کی بالائی منزل تک گئے ہوئے ڈرائیو وے پر میں نے ٹیکسی چھوڑی اور ہال میں داخل ہو کر انٹر کام کی طرف بڑھ گیا۔ میرے اردگرد ہوٹل کا نکھرا ہوا تر و تازہ ماحول تھا۔

میں نے ٹھیک گیارہ بجے دھن راج کو فون کیا۔ وہ خوش ہوا کہ میں وقت کا پابند تھا۔

میری ہلکی سی دستک کے جواب میں دروازہ کھل گیا۔ اس وقت مجھے دھن راج کے مسکراتے ہوئے چہرے پر کوئی غصہ نظر نہیں آیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔

پانچویں منزل کا وہ کمرا مختصر سا سوئٹ تھا۔ آگے پانچ نفری نشستوں کی گنجائش کے ساتھ ایک آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کے پیچھے دہری خواب گاہ تھی۔ دھن راج مجھے لے کر خواب گاہ میں بڑھتا چلا گیا۔ وہاں صوفے پر ایک اور شخص براجمان تھا۔

وہ درمیانی عمر کا ایک سنجیدہ رو شخص تھا جس کی آنکھوں سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ وہ ہلکے کپڑے کے گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی نشست چھوڑ دی۔

"کرنل جمال دستی.... اور یہ میرے دوست میجر بخشی ہیں۔" دھن راج نے تعارف کرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی کے عقبی حصے میں یکایک کوئی دھماکا ہوا ہو۔ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میجر بخشی سے یوں اچانک ملاقات ہو جائے گی۔

"سر! مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے بیباک سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں جو لب و لہجہ اختیار کیا وہ تم کے بجائے آپ کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔

"تم کہاں' کس یونٹ میں ہوتے ہو؟" میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"سر! میں انڈین آرمی میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی...."

میں نے ایک ہاکا سا قہقہہ لگایا "انڈین آرمی! پھر یہ سر' ور کا تکلف چھوڑو۔ ہم سب برابر کے دوست ہیں۔ بے تکلفی سے بات کرو۔"

"سر! رینک' رینک ہوتا ہے۔ آرمی میں ہمیں بس ڈسپلن ہی تو سکھایا جاتا ہے۔ مجھے تو آج بھی وہ دن یاد ہیں جب میں کیڈٹ آفیسر ہوا کرتا تھا اور ڈرل کے دوران میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر سر' سر کہہ کر اپنی مغلظات سے میرا سینہ چھلنی کر دیا کرتا تھا۔"

اس کے اخلاق نے مجھے متاثر کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھے پھونک دے کر کسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ لیے بیٹھا ہو۔ بہرحال' اس کی باتیں مخاطب کا دل موہ لینے والی تھیں۔

"اب ہم دونوں وردی اتار چکے ہیں' دھن راج کے دوست ہیں' برابری سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں تکلف برداشت نہیں کروں گا۔" بات پوری کر کے میں ہنسنے لگا۔ ان دونوں نے بھی پوری فراخ دلی سے میرا ساتھ دیا اور دیر تک ہنستے رہے۔

"حکم ہے تو میں اس کی تعمیل پر مجبور ہوں۔" میجر بخشی بولا "تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"اس وقت صرف چائے۔" میں نے ان دونوں کے تپائی پر رکھے ہوئے گلاسوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "میں دن میں الکحل سے پرہیز کرتا ہوں۔ یہ میری پرانی عادت ہے۔"

"بھارت میں میرا بھی یہی اصول ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں جب اور جہاں مل جائے' پی لیتا ہوں۔ تمہارے ملک میں یہ پابندی بڑی عجیب سی ہے۔ مسلمان کا پینا حرام اور جرم ہے مگر الحمد للہ پیتے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"غیر ملکیوں اور سفارت کاروں کو قانون سے استثنیٰ ملا ہوا ہے۔ ڈیوٹی ادا کیے بغیر جتنی چاہو' منگوا سکتے ہو پھر اپنا اصول کیوں توڑتے ہو؟"

"مفت کی پینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ یہاں بہت کم میزبان دھن کی طرح الکحل پیش کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر الفاظ ہلکے پھلکے قہقہوں میں گھلتے چلے گئے۔

دھن راج نے روم سروس کو فون پر چائے کا آرڈر دیا۔ چائے آنے تک اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں پھر میجر بخشی نے اچانک ہی پہلو بدل کر ایک سنگین موضوع چھیڑ دیا۔

"مجھے دھن سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاکستان کی ایس ٹی ایف میں تم جیسے باضمیر لوگ بھی موجود ہیں جو قانون سے ماورا اقدامات سے نفرت کرتے ہیں۔" وہ تعریفی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

میں نے اپنی استفسار طلب نگاہیں دھن راج کے چہرے پر مرکوز کردیں "کیا میجر بخشی بھی ہمارے معاملات میں کسی قسم کا دخل رکھتے ہیں؟"

"بالکل' بالکل!" دھن راج نے جلدی سے کہا "میجر بخشی میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ اوبرائن سے بھی ان کے گہرے ذاتی مراسم ہیں۔"

"کیا میری دخل اندازی تمہیں ناگوار گزری ہے؟" میجر بخشی نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا "میں اپنے الفاظ واپس لے سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اسی کی طرح پورے اخلاق کے ساتھ اس کے سوال کی تردید کی "یہ بہت نازک معاملات ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں کسی غیر متعلق آدمی کے سامنے تو نہیں ہوں۔"

میجر بخشی نے سگریٹ سلگائی' گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور آگے جھکتے ہوئے کہا "کرنل! اب اوبرائن اس معاملے سے بالکل باہر ہے۔ پوری ڈیل ہم تینوں کے درمیان ہوگی۔"

"اوبی سے سارے معاملات طے ہو چکے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا "اس نے اس تبدیلی کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ بہت تجربے کار آدمی ہے۔ اسے بھارت سے پاکستانیوں کی عداوت کا خوب اندازہ ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ تم اپنے سے جونیئر' ایک انڈین آرمی آفیسر کا ذکر سن کر بھڑک نہ جاؤ۔ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے تمہیں دھن سے متعارف کرایا اور میں سمجھتا ہوں۔"

"تم یا دھن راج؟" میں نے گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا "تم میں بڑا کون ہے؟"

"تمہارا رابطہ دھن راج سے رہے گا۔ ہدایات میری ہوں گی۔ شرائط جوں کی توں ہیں۔ بیس لاکھ ڈالر اور گرین کارڈ تمہارے منتظر ہیں۔" وہ متانت سے بولا۔

"میں کوئی راہ چلتا آدمی نہیں ہوں۔" میں نے متفکرانہ انداز میں کہا "ایک اہم ایجنسی میں ذمے دار عہدے پر فائز ہو... اوبرائن کو مجھے تبدیلیوں کے بارے میں بریف کرنا چاہیے تھا۔"

"اس نکتے پر تمہارا اصرار بجا ہے مگر اس کا اندیشہ بھی بے بنیاد نہیں تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ امریکا کے لیے کام کرنے والا بھارت کے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہو۔"

"تو کیا بھارت بھی ڈینی کے سر کا خواہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"امریکا کے لیے۔" اس نے میری تصحیح کی "اوبرائن سے تمہارے معاملے میں ایک سنگین غلطی ہوئی اور اسے تم سے بالکل الگ ہو جانے کا حکم دے دیا گیا۔ تم ڈینی کے خلاف اس کی سب سے بڑی امید ہو۔ وہ تمہیں اتنی آسانی سے فراموش

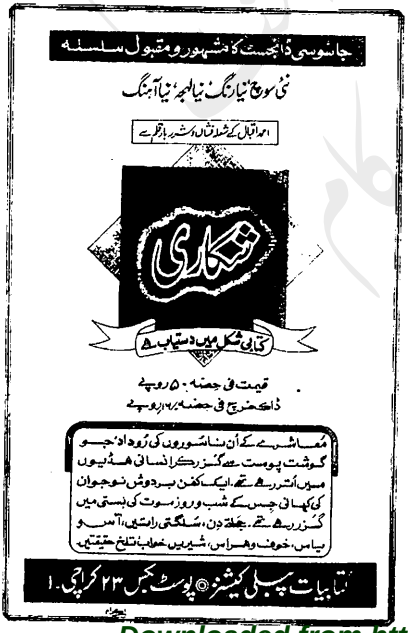
جاسوسی ڈائجسٹ کا مشہور و مقبول سلسلہ
نئی سوچ' نیا رنگ' نیا لہجہ' نیا آہنگ
اعزاز اقبال کے شاہکار افسانوں کا مجموعہ
شکاری
کتابی شکل میں دستیاب ہے
قیمت فی حصہ: ۵۰ روپے
ڈاک خرچ فی حصہ: ۱۰ روپے
معاشرے کے ان ناسوروں کی روداد جو گوشت پوست سے گزر کر انسانی ہڈیوں میں اتر رہے تھے۔ ایک کٹھن بردوش نوجوان کی کہانی جس کے شب و روز موت کی بستی میں گزر رہے تھے۔ جلتے دن، سلگتی راتیں، آنسو یاس، خوف و ہراس، شیریں خطوں تلخ حقیقتیں
کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۲۳ کراچی۔۱

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ذاتی سطح پر مجھ سے بات کی اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"اس نے میرے خلاف دفتر خارجہ میں شکایت کرکے میرے ساتھ بہت زیادتی کی۔ بگڑی ہوئی ساکھ بحال کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"شکایت کرکے سب سے بڑی غلطی کی گئی۔ تمہارے دباؤ پر شکایت کی واپسی دوسری بڑی غلطی تھی۔ اس کے اوپر والے اسے ڈینی جیسے دو ٹکے کے آدمی کے لیے قربان نہیں کرسکتے تھے۔ وہ آج نہیں تو کل مارا جائے گا۔ اوبرائن کا کام کوئی دوسرا آگے نہیں بڑھاسکے گا۔"

"اوبرائن تو کہہ رہا تھا کہ ڈینی کی موت اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔" میں نے انجان بن کر حیرت سے کہا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اوبرائن کی بتائی ہوئی دوسری باتیں تم بھول رہے ہو۔ ہمالیہ کے جنوب میں ایک عظیم تر ریاست اوبرائن کا بنیادی مشن ہے۔ وہ تم سے مسلسل رابطے میں رہتا تو اس کے ستارے گردش میں آسکتے تھے۔ واشنگٹن والوں نے اسے بچالیا۔ رہا ڈینی تو وہ امریکا جیسی عالمی قوت سے ٹکرا کر کتنے دن پنپ سکے گا؟ وہ ہاتھی کی دُم پر اپنا پورا زور لگاتی ہوئی مکھی سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ اس کے لیے ہم تینوں موت کے فرشتے ثابت ہوں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اوبرائن کی کہی ہوئی بات سے واقف ہو۔ اب میں تم سے زیادہ مکمل کرسکوں گا۔" میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "وہ اپنے مشن کی راہ میں ایس ٹی ایف اور ڈینی کو بڑی رکاوٹیں قرار دے رہا تھا۔"

"وہ اس کی ذاتی سوچ ہے۔ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے منصوبہ ساز ان دونوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ تم ہمارے ساتھ ہو۔ یہ ایس ٹی ایف اور ڈینی کی بربادی کی ابتدا ہے۔"

"اوبرائن مجھے بتا رہا تھا کہ اکیسویں صدی کے اوائل تک وجود میں آنے والی نئی ایشیائی ریاست کا نام پاکستان بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ اس کے تجربے اور مردم شناسی کی بات رہی ہوگی۔ تم اندر سے بہرحال پاکستانی ہو۔ اس نے تمہیں خوش کرنے کے لیے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ وقت ابھی آٹھ دس برس دور ہے۔" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اس کی جگہ تم نے لے لی ہے۔ تم کو معلوم ہوگا کہ ایک نام ریاست ہائے متحدہ ایشیا بھی زیرِ غور ہے۔" میں نے پاکستان اور بھارت کے چکر میں الجھے بغیر اس منصوبے کے مزید خدوخال سے واقف ہونے کی نیت سے ایک عمومی سوال کیا۔

"امریکیوں کے لیے نئی ریاست کا نام غیر اہم ہوگا۔" اس نے اوبرائن کی کہی ہوئی بات دہرائی "مگر ان کو علاقے کی اکثریت کی نفسیات کو مدِنظر رکھنا ہوگا۔ بھارت کی آبادی علاقے کے دوسرے تمام ملکوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے لیے بھارت ہی بہتر نام ہوگا۔"

"اور یہ بھی ایک اصول ہے۔" دھن راج نے ہماری گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیا "چھوٹی اکائیاں بڑے وجود میں ضم ہوکر اس کا حصہ بن جاتی ہیں۔ دریائے سندھ میں ملنے والے نہ جانے کتنے دریا پہاڑوں اور میدانوں میں اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔ سب مل کر بھارت یا پھر اکھنڈ بھارت کہلائیں گے۔"

میں دھن راج کی ہرزہ سرائی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ عمر کوٹ کی وسیع و عریض جاگیروں پر پلنے والا وہ امیرزادہ پاکستان میں رہ کر بھی پاکستانی نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ پر ہندو تعصب کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ وہ کراچی میں رہ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ باتیں ظاہر کرنے والی نہیں تھیں۔ میں نے لاتعلقانہ انداز میں کہا "صحیح فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ میں نئی ریاست کے نام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خوں ریز تصادم کی پیش گوئی ضرور کرسکتا ہوں۔"

"تم جیسے سنجیدہ، بردبار اور غیر جذباتی مسلمان دوسروں کو قائل کریں گے۔" میجر بخشی نے زور دے کر کہا "نام ہر علاقے اور تہذیب کی تاریخی شناخت ہوتا ہے۔ جب پاکستان کا نام و نشان بھی نہیں تھا تو پورے بھارت پر صدیوں مسلمان حکمران رہے۔ آنے والے وقت میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟ آج بنگلہ دیش کی مسلمان آبادی پاکستان سے زیادہ ہے۔ نام پر ان کے دعوے کو کون مسترد کرے گا؟"

"مجھے ان باتوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرکے اکتاہٹ سے کہا "اس برے وقت سے بہت پہلے میں امریکی شہری بن چکا ہوں گا۔"

"اسے برا وقت مت کہو۔ ہم دل سے اس مبارک گھڑی کے منتظر ہیں جب یہ چھوٹی چھوٹی، لنگڑی لولی اور مفلوک الحال ریاستیں ایک لڑی بن جائیں گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جن کشمیریوں کے لیے پاکستان اور بھارت نے کروڑوں انسانوں کے پیٹ پر پتھر باندھ کر انہیں بارود کے

Downloaded from https://paksociety.com

ڈھیر پر بٹھایا ہوا ہے' وہ علاقے کی کل آبادی کے ایک فیصد سے بھی بہت کم یعنی اس کا ساتواں حصہ ہیں۔"

مجھے، حیرت ہوئی کہ میجر بخشی اپنے دوست اوبرائن کی بولی بول رہا تھا۔ یہ بات ظاہر کررہی تھی کہ امریکا کا وہ منصوبہ بھارت کی رضامندی سے تیار ہوا تھا۔ اس سازش کا ایندھن بننے والے دوسرے ملک اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے تاریک سایوں سے بے خبر تھے۔

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے بخشی کے الفاظ کی تلخی کو پی کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری آج کی ملاقات کامیاب رہی کیونکہ تم غیر مسلح ہو کر یہاں آئے ہو۔ تمہاری نیت صاف نہ ہوتی تو باتوں کی ابتدا اتنی خوش گوار نہ ہوتی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نہتا ہوں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دھن راج یہاں آتا ہے تو کمرے میں اپنے بگ لگا دیتا ہے۔ آج کے دور میں خلائی آنکھ سے صحرا میں گری ہوئی سوئی دیکھی جاسکتی ہے تو ہتھیاروں کا پتا چلانا کیا مشکل ہے۔"

"تم نے صحیح کہا تھا۔" میں نے دھن راج سے مخاطب ہو کر کہا "میجر بخشی واقعی بہت دلچسپ اور مجلسی آدمی ہے۔ اس کے سامنے تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔"

"میں رواداری اور احترام سے کام لینے کا عادی ہوں۔" وہ ہنس کر بولا "کام کی باتوں میں غیر ضروری دخل اندازی سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔"

"کنفلکٹو ختم ہو گئی ہو تو میں اجازت چاہوں گا۔" میں نے صوفے کے سرے پر سرک کر کہا۔

میجر بخشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

"تم سے براہ راست رابطے کا کوئی ذریعہ ممکن ہوگا؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"تو فصل خانے کے آپریٹر کے ذریعے مجھ سے دفتر میں بات ہو سکتی ہے مگر میں اس سے اجتناب کا مشورہ دوں گا۔ اوبرائن کی غلطی کی وجہ سے شاید اب بھی تم پر نگاہ رکھی جارہی ہو۔ میں کسی اسکینڈل میں ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

وہ دونوں دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئے۔ اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔

میرے ذہن میں غم و غصے کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ امریکی اور بھارتی حکام اپنی پے در پے ناکامیوں کے باوجود نہایت مستقل مزاجی سے پاکستان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور ہر بار ان کی کوششوں میں زیادہ شدت پیدا ہوتی جارہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف بہت سی سمتوں سے کام کررہے تھے۔ کچھ پہلو ہمارے ہاتھوں بے نقاب ہو چکے تھے لیکن ان کے لگائے ہوئے بعض پودے بددیانت اور خائن ریاستی ملازمین کے ہاتھوں پروان چڑھ رہے تھے۔

میں نے منصوبے کی تکمیل کے بارے میں اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا' وہ صحیح نشانے پر لگا تھا۔ میجر بخشی نے آٹھ دس سال کا تعین کرکے یہ بات واضح کردی تھی کہ بیسویں صدی کے اختتام سے نئی صدی کے آغاز کے درمیان امریکی حکمراں ایشیا میں نئے جغرافیائی نقشے کے نفاذ کے لیے جانفشانی سے کام کررہے تھے۔ پاکستان میں ان کا کلیدی مہرہ اوبرائن تھا۔

جہاں ہمارے بہت سے راز دشمنوں سے پوشیدہ تھے' وہاں بعض باتیں کھل بھی چکی تھیں۔ میں ہوٹل سے سیدھا اسٹیشن فورٹ روانہ ہوگیا۔

وہاں.... سلطان شاہ کا کوئی پتا نہیں تھا۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ اس احمق نے رسی تڑا کر بھاگنے کے بعد فون پر بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

جان اور ایڈی نے کھٹمول پر قاتلانہ حملے میں جس عجلت کا مظاہرہ کیا تھا' وہ اس وقت حیرت ناک محسوس ہوئی تھی لیکن جان نے بتادیا تھا کہ کھٹمول نے اوبرائن ڈی ہنٹ کا نام لے کر ایک ناقابل معافی جرم کیا تھا کیونکہ امریکی پاکستان سے اس کی واپسی کے مکمل نہیں ہوسکتے تھے۔

اوبرائن کو بچانے کے لیے پہلے کھٹمول کے ساتھ چار امریکی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس بار وقت نے یہ بھی دکھادیا تھا کہ اپنی بچھائی ہوئی بساط پر اوبرائن کو برقرار رکھنے کے لیے امریکیوں نے مجھے ڈینی کی حیثیت میں بھول جانے کا عارضی فیصلہ کرلیا تھا۔

"جب وہ تمہیں تمہارے منہ پر دو ٹکے کا آدمی قرار دے رہے تھے تو تمہیں برا محسوس نہیں ہوا تھا؟" ویرا نے پوری کتھا سن کر مجھے چڑانے کے لیے سوال کیا۔

"اس کے اپنے بیانات میں تضاد ہے۔" غزالہ نے میری حمایت کی "ایک طرف انہیں دو ٹکے کا آدمی کہہ رہا تھا تو دوسری طرف ان کی گرفتاری کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش بھی قرار دے رہا تھا۔ میجر بخشی کا پہلا مطالبہ اب بھی

Downloaded from https://paksociety.com

یہی ہے۔"

"اوبرائن پوری سرکاری حمایت سے کام کررہا تھا۔ میجر بخشی ذاتی سطح پر اس کے لیے میدان میں اترا ہے۔" اول خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ان دونوں کے لیے تم مستند طور پر کرنل جمال دستی کا روپ دھار چکے ہو۔ ہم ڈیٹی کی طرف سے آسانی سے ان کی گردنیں کاٹ سکتے ہیں۔"

"تمہاری طرف سے آج فراہم کیا جانے والا گلاس ان کو مزید گمراہ کردے گا۔" ویرا نے قہقہہ لگایا۔

"میرے لیے اب افراد زیادہ اہم نہیں رہے۔" میں نے اول خان سے کہا "اصل ضرورت یہ ہے کہ اس علاقے میں تبدیلیوں کے بارے میں ان کا ماسٹر پلان اڑایا جائے اور پھر اسی کے مطابق مرحلے وار توڑ کیا جائے ورنہ یہ سیلاب کسی بھی وقت سب کچھ بہالے جائے گا۔"

"ماسٹر پلان تمہارے سامنے ہے۔ تم گیپ کی صورت میں اس سے زیادہ اہم دستاویز حاصل کرچکے ہو۔ اس سے امریکیوں کا کیا بگڑا؟ چور جب سینہ زوری پر اتر آئے تو کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

گیپ کا نام آتے ہی میرے ذہن میں کچھ تلخیاں تازہ ہوگئیں۔ وہ امریکی صدر کے دستخطوں کے ساتھ تیار کی گئی ایک شرمناک خفیہ دستاویز تھی جسے مسترد کرنے کے لیے امریکیوں نے نہایت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا اور ہمارے لیے وہ قصہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔

"گیپ کو ہم بھول ہی گئے۔" ویرا نے فوری طور پر کہا۔

"سرکاری سطح پر اس کے لیے کیا بنا؟"

"سرکاری طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ غیر سرکاری طور پر پاکستانیوں نے متعلقہ دوست ممالک کو اس معاہدے کی نقلیں فراہم کرنے کے ساتھ اصل بھی دکھادی۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھر کی خیر خبر لینا ان ملکوں کی ذمے داری تھی۔" اول خان نے بتایا۔

"امریکا سے واپسی کے بعد ہم یہاں ایسے الجھے کہ وہاں والوں کو بھول ہی گئے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "وہاں راس المیڈا کی باتوں پر توجہ دی جانے لگی تھی۔ پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔"

"جو وقت گزر گیا، اسے بھول جاؤ۔ آگے کی فکر کرو۔" میں نے چڑ کر کہا "وہاں صرف ایک ہی شخصیت قابلِ احترام ہے جس سے تم نفرت کرنے لگی ہو۔"

غیر متوقع طور پر ویرا ہنس پڑی "جینی نے تمہارا گمراہ کن خاکہ بنوا کر واقعی بڑا کام کر دکھایا تھا۔ میری اور اس کی دوستی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہ باتیں میں نے تمہیں جلانے کے لیے کہی تھیں۔"

غزالہ کے سامنے ویرا سے اس موضوع پر مزید گفتگو خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے اول خان کو متوجہ کرکے جلدی سے موضوع بدل دیا۔ "اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی پر کام کرنا ہوگا۔ دونوں میں سے جو آسان نظر آئے، پہلے اسے ٹھکانے لگایا جائے پھر دوسرے پر توجہ دی جائے۔"

"دھن راج کو تم نے معاف کردیا؟" ویرا نے طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

"دھن راج ایک مسکین مجرم ہے۔ اس کی گردن کسی بھی وقت ناپی جاسکتی ہے۔"

"اسے پکڑنے سے دوسرے بڑے مجرم ہوشیار ہوجائیں گے۔" غزالہ بولی۔

اول خان خوش ہوگیا "اسی لیے میں نے اس کا نام نہیں لیا۔ اوبرائن اور بخشی کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں تو دھن راج کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"اسے کسی سنگین جرم میں لمبی مدت کے لیے اندر ہونا چاہیے۔ اچانک موت سے ایسے مجرم ہمیشہ کے لیے مظلوم بن جاتے ہیں اور کسی کو ان کے سنگین جرائم کا علم نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان پر اپنی خواہش کا اظہار کردیا۔

"بڑی زرعی جاگیروں پر ڈھل، عشر، آبیانے اور بجلی کی چوری جیسے جرائم کا عام طور سے ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔" اول خان شہروں کے ساتھ دیہی زندگی سے بھی کسی حد تک واقف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ایسے ہی کسی جرم میں اسے اندر کرکے بعد میں دوسرے جرائم بھی اگلوا لیے جائیں گے مگر وہ بعد کا کام ہے۔ پہلے اصلی فتنوں کا قلع قمع ہونا چاہیے۔"

اسی گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ آپہنچا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے عجیب سی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ آتے ہی ایک کرسی میں گر گیا۔

"کل سے کسی خیر خبر کے بغیر کہاں مرے ہوئے تھے؟"

اس کی خاموش مسکراہٹ سے چڑ کر ویرا پھٹ پڑی "میں ابھی تمہارے لیے فاتحہ پڑھوانے والی تھی۔"

"تمہاری کالی زبان میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔" وہ فاتحانہ لہجے میں بولا "آج صبح ہی میں نے ایک کالی..... کتیا کا کام تمام کیا ہے۔ زیادہ بولو گی تو تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دوں گا۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔ اسے کالی کتیا سے ملا رہے

Downloaded from https://paksociety.com

ہو۔" ویرا کے برہم ہونے سے پہلے اول خان نے اسے ڈانٹ پلا دی۔

ویرا میں اتنی قوتِ برداشت نہیں تھی کہ اول خان کی طرف داری اس کا دماغ ٹھنڈا کر دیتی۔ وہ غراتی ہوئی سلطان شاہ کے سر پر سوار ہو گئی۔ "کالی کتیا تم کسے کہہ رہے ہو؟"

"بب... بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔" سلطان شاہ ویرا کے خراب تیور دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا۔

○☆○

وہ اسٹیشن فور سے نکلا تو بہت مایوسی، بددلی اور بے بسی میں مبتلا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ وہ اسٹیشن فور کے حصار سے نکل کر شہر کی بھیڑ بھاڑ میں گھل مل کر بے عملی کے بڑھتے ہوئے احساس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

منی بس میں سوار ہونے کے بعد اسے رہ رہ کر اوبرائن پر غصہ آتا رہا جس نے مجھے پھانس کر سب کو ایک ذہنی عذاب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ دوسروں کے مشورے کے برعکس وہ کسی طرح اوبرائن کے فلیٹ پر کوئی کارروائی کر کے اسے یوں ہراساں کرے کہ وہ اپنی چوکڑی بھول جائے۔ اس دوران میں وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔

صدر کی بھیڑ بھاڑ میں بھی اس کا دل اچاٹ رہا۔ تنہائی کا احساس اسے کھائے جا رہا تھا۔

جب اسے کسی طرح چین نہیں آیا تو وہ شام کے وقت اپنے دوستوں اور پرانے ڈیرا داروں سے ملاقات کے لیے پٹھان کالونی کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ چھوٹے مکانوں اور تنگ گلیوں پر مشتمل ایک گنجان آبادی تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کے دوستوں کو خبر مل گئی کہ وہ ایک طویل وقفے کے بعد وہاں آیا ہوا تھا۔

دوسروں کے ساتھ آنے والوں میں اس کے دو پرانے دوست بھی تھے جو اسے زبردستی اپنے ڈیرے پر لے گئے۔ ان سے بھولی بسری یادوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ تیزی سے پُرسکون ہوتا چلا گیا اور پھر ان کے اصرار پر کھانے کے بعد وہ رات وہیں بسر کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

کسی ہوئی چارپائی پر بچھے ہوئے نرم گدے پر دراز ہونے کے بعد باتوں کا دوسرا دور شروع ہوا تو سلطان شاہ کو پتا چلا کہ وہ دونوں گیس کمپنی میں ملازم تھے۔

وہ بات معلوم ہوتے ہی سلطان شاہ کے ذہن کے کسی گوشے میں سویا ہوا سراغ رساں جاگ اٹھا۔ "تم دونوں تو گیس کمپنی میں ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔"

"میں شکایت دور کرنے والی گاڑی پر ڈرائیور ہوں۔ سید میر میرے ہی ساتھ میکینک ہے۔ ہم دن بھر شہر میں جگہ جگہ جاتے رہتے ہیں۔" گل محمد نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ سوال کیوں یاد آیا تھا؟" سید میر نے سلطان شاہ کو کریدا۔

وہ مخمصے میں پڑ گیا "بس یار ایک گورے بدمعاش نے زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔"

"ہمیں بتاؤ، ہم سالے کا دماغ درست کر دیں گے۔" سید میر نے اس کی حوصلہ افزائی کی "کمپنی سے ہم ایک دن کی چھٹی کر لیں گے۔"

"مشکل یہ ہے کہ وہ کانفٹن میں ایک بلڈنگ کی آٹھویں منزل پر رہتا ہے۔ چوکیدار اس سے پوچھے بغیر کسی کو اس کے فلیٹ کا رخ نہیں کرنے دے گا۔"

"کسی اور کے بہانے اس کے فلیٹ پر پہنچ جاؤ۔" گل محمد نے برجستہ تجویز پیش کی۔

سلطان شاہ ہنس پڑا "یہی تو مسئلہ ہے۔ جس کا نام لیا جائے گا اس سے پوچھے بغیر اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"بس یار، ٹھک ہے۔ ہمیں کون روکے گا؟ گیس کمپنی والے ہیں۔ لیک دیکھنے کے لیے پوری بلڈنگ چھان سکتے ہیں۔" سید میر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔

"گورے کا معاملہ ہے۔ بات اوپر تک جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے ان دونوں کو سمجھایا "گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی بدلنی پڑے گی۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ نمبر پلیٹ پر کیچڑ مٹی مل دیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو وہاں کیا کرنا ہے۔" سید میر اس معاملے میں زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔

"فلیٹ میں وہ گورا اپنے ایک ملازم اور کتیا کے ساتھ رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے ان دونوں افراد کے قتل کی شدید خواہش کو اپنے سینے میں دبا کر کہا "میں آدمیوں سے بعد میں نمٹ لوں گا۔ صبح وہ دونوں کام پر ہوں گے۔ ہم چابی کے سوراخ سے کوئی ایسی گیس اندر چھوڑیں گے کہ کتیا مر جائے۔ اسے دیکھ کر دونوں کے دماغ ٹھکانے پر آ جائیں گے۔"

"نہیں یار، یہ تو بہت خطرناک کام ہے۔" گل محمد ڈر گیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ اندر کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ بھولے سے بھی کوئی مر گیا تو ہم تینوں کو پھانسی ہو جائے گی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ادھر جانے سے پہلے ہم فون کرلیں گے۔ کسی نے جواب نہیں دیا تو پتا چل جائے گا کہ میدان صاف ہے۔ جواب ملا تو پروگرام ختم۔"

"نہیں..... یہ کچا کام ہوگا۔ یہاں فون پر غلط نمبر بہت ملتے ہیں۔ ایسا ہوا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔" سید میر نے سوچتے ہوئے اعتراض کیا۔

سلطان شاہ کو اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع مل رہا تھا اس لیے اس کا دماغ بھی تیزی سے کام کررہا تھا۔ اس نے فوراً متبادل تجویز پیش کردی "ایسا ہی ہے تو ہم دروازے پر دستک دے لیں گے۔ کسی نے جواب دیا تو پکن میں گیس لائن دیکھ بھال کر لوٹ آئیں گے۔ کوئی نہ ہوا تو کتیا ضرور دروازے کے پیچھے آکر غرائے گی۔ ہم اپنا کام کرلیں گے۔"

وہ حل سید میر اور گل محمد کے لیے قابل قبول تھا۔ دونوں سلطان شاہ کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ ہوگئے۔ پرانی دوستی کے ناتے انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ سلطان شاہ کو اس گورے سے کیا دشمنی تھی۔

وہ دونوں گیس کمپنی کے گلشن اقبال والے مرکز میں کام کرتے تھے۔ سلطان شاہ ان کے ساتھ نو بجے وہاں پہنچ گیا۔

صبح ان تینوں کو ذاتی کام درپیش تھا۔ سید میر نے کلرک سے شکایات کی پرچیاں لیں اور وہ تینوں مرکز سے کمپنی کی ایک پک اپ میں چل پڑے۔

مملک گیسوں کے بارے میں ان تینوں کی معلومات محدود تھیں۔ وہ کسی پر اپنا اصل مدعا ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ امونیا اور ویلڈنگ میں کام آنے والی گیسوں کے سلنڈر بہت بڑے اور وزنی تھے جنہیں لے کر عمارت میں اوپر نیچے گھومنا ممکن نہیں تھا۔ مریضوں کے لیے استعمال ہونے والے ہلکے پھلکے آکسیجن سلنڈر مملک ہونے کے بجائے حیات آفرین ہوتے ہیں۔ آپس کے مشورے سے انہوں نے ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والی مائع گیس کا سلنڈر حاصل کرلیا۔ وہ چھوٹا سلنڈر ایک آدمی آسانی سے اٹھا کر کہیں بھی لے جاسکتا تھا۔

یہ بات وہ تینوں جانتے تھے کہ سردیوں میں شعلہ بجھ جانے یا گیس کھلی رہ جانے کے باعث ملک کے سرد شمالی علاقوں میں قدرتی گیس اکثر انسانی اموات کا سبب بنتی رہتی تھی۔ وہ اپنے سلنڈر کو کتیا پر بے خوف و خطر آزما سکتے تھے۔

راستے میں اپنی تھکنی تیاری مکمل کرکے وہ تینوں ساڑھے دس بجے کلفٹن کے علاقے میں اولڈ کی فلیٹ تلاش کررہے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ عمارت دیکھی بھالی نہیں تھی۔ اس نے بس میری زبانی عمارت کا نام اور فلیٹ نمبر سنا ہوا تھا۔

اپنے طور پر کافی وقت برباد کرنے کے بعد انہوں نے ایک اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کیا اور گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے مطلوبہ عمارت پر پہنچ گئے۔ ان کی شناخت کے لیے گیس کمپنی کی گاڑی کافی تھی۔ چوکیدار نے انہیں عمارت کے مختلف فلورز پر دیکھ بھال کی اجازت دے دی۔

ان کا براہِ راست آٹھویں منزل پر پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ وہ براہِ راست بارھویں منزل پر پہنچے اور چند منٹ وہاں گزارنے کے بعد لفٹ سے دسویں منزل پر آگئے۔ دو منزلیں زینوں سے طے کرنے کے بعد وہ آٹھویں منزل کی دیران راہ داری میں اتر گئے۔

میدان صاف پاکر سید میر نے ہولے سے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی مقفل دروازے کے پیچھے اوبرائن کی پالتو کتیا کی غراہٹ سنائی دینے لگی۔ سلطان شاہ نے مزید اطمینان کے لیے ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر گھنٹی کی مختصر سی مترنم آواز گونج کر رہ گئی۔

گل محمد مائع گیس کا سلنڈر زمین پر رکھے پوری طرح تیار تھا۔ صبر آزما انتظار کے طویل لمحات گزرتے رہے۔ سلطان شاہ بے چین ہورہا تھا مگر اسے سید میر کے مطمئن ہونے کا انتظار تھا۔

اندر سے کتیا کی دبی دبی اور مہذب غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ اپنے آقا کے بند دروازے کے باہر ان کی موجودگی کا احساس کرکے وہ پوری فرض شناسی کے ساتھ وہیں تنی ہوئی تھی۔ اندر سے اس کے سوا ہر جواب مفقود تھا۔ سید میر نے سر کی جنبش سے گل محمد کو اشارہ کرکے ربر کی ٹکی چابی کے سوراخ سے لگادی۔

شوں کی ہلکی سی ابتدائی آواز کے ساتھ مائع گیس بہت تیزی سے اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے لگی۔ کتیا کی ہلکی آوازیں اس کے حلق میں پھنسنے لگیں۔ دہلیز پر خطرہ سونگھ کر کتیا نے اپنے پنجوں سے چوبی دروازے کو کھرچنا شروع کردیا تھا۔

اونچے قد کی وہ کتیا دروازے کے سامنے جمی ہوئی تھی اس وجہ سے کی ہول کے ذریعے تیزی سے اندر بھرنے والی گیس اس کے پھیپھڑوں میں بھرتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں کتیا کی آوازیں کمزور پڑتے پڑتے معدوم ہوگئیں۔ وہ اس قدر تربیت یافتہ تھی کہ جان کنی کے عالم میں بھی اونچی آواز میں نہیں بھونکی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ تینوں مزید کچھ دیر وہاں رکے رہے لیکن سلنڈر کی گیس ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گل محمد نے گیس بند کی اور وہ تینوں سرعت سے زینوں کی طرف ہولیے۔

ساتویں منزل سے وہ دوبارہ لفٹ میں سوار ہوئے اور گیس کمپنی کی وین میں سوار ہو کر وہاں سے رفو چکر ہوگئے۔

ان تینوں نے مکمل رازداری کے ساتھ ایک اہم کام سرانجام دیا تھا۔ وہ دوپہر تک گاڑی میں ایک ساتھ گھومتے اور اپنے سنسنی خیز تجربے پر تبصرے کرتے رہے۔ سلطان شاہ نے انہیں دوپہر کا کھانا ان کی پسند کے ہوٹل میں کھلایا اور پھر وہیں ان سے رخصت ہو کر اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہوگیا تاکہ ہم لوگوں کو اپنی کارگزاری سے باخبر کرسکے۔

○☆○

سلطان شاہ نے اپنی روداد ختم کی تو میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دیے بغیر اسے والہانہ انداز میں اپنے سینے سے لگالیا۔ اس نے بدترین ذہنی اور اعصابی دباؤ میں مبتلا ہونے کے باوجود ایک ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا تھا۔

"ایک بے زبان کتیا کو گیس کے ذریعے سسکا سسکا کر مارنا باعث شرم ہے۔" ویرا نے کھل کر اس کی مذمت کی "پتا نہیں ڈینی کیوں تمہارا دماغ خراب کررہا ہے۔"

"تمہیں اوبرائن کی کتیا سے ہمدردی ہے' ان انسانوں سے کوئی لگاؤ نہیں جو اوبرائن کی سازشوں کا ایندھن بن رہے ہیں!" سلطان شاہ نے کسی ندامت کے بغیر ڈٹ کر کہا۔

"اس حرکت سے تم نے کیا مقصد حاصل کیا ہے؟ اگر اوبرائن گھر پر موجود ہوتا تو تم پر کوئی برا وقت بھی آسکتا تھا۔ ایسی جذباتی حماقتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"میں اسے کوئی نقصان پہنچا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی عزیز کتیا کی موت پر مجھے دلی خوشی ہے۔ وہ تمہاری عزیزہ تھی تو میں تم سے معذرت کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔" میرے رویے سے سلطان شاہ کا حوصلہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

غزالہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر مشکل سے قابو پایا مگر وہ ان دونوں کے درمیان مخل نہیں ہوئی۔ اول خان بھی مزے لے رہا تھا۔ مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑگئی "یہ واقعہ اوبرائن کے لیے ایک معنی خیز پیغام ہے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ کتیا کی لاش اسے حواس باختہ کردے گی۔ اس واقعے کو الگ کرکے نہیں' واقعات کے تسلسل میں دیکھو۔"

"سلطان شاہ کل سے بھاگا ہوا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی واقعات کی ہوا نہیں لگی۔ اس نے جو کچھ کیا' اسے مجنونانہ حرکت ہی کہا جاسکتا ہے۔"

"میرے لیے یہ بات اور بھی حیران کن ہے۔ سلطان شاہ کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں تھا' اسے بعد کی تبدیلیوں کا علم نہیں تھا پھر بھی اس نے ہماری مدد کی ہے۔"

"پھر اسے یہی کام سونپ دو کہ یہ شہر بھر میں لوگوں کے پالتو کتوں کو مارتا پھرے۔" سلطان شاہ کے لیے میری طرف داری پر ویرا برہم ہوگئی۔

"شہر کے کتوں اور اوبرائن کی کتیا میں بہت فرق ہے۔" اول خان بولا۔

"ہاں۔ کیوں کہ وہ میری عزیزہ تھی!" ویرا کی ذہنی روبری طرح بہکی ہوئی تھی۔ اس بار ہم میں سے کوئی بھی اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہیں پاسکا۔ سلطان شاہ سنجیدہ تھا۔

"دل کھول کر مجھ پر ہنس لو۔" ویرا میرے اوپر غرائی "پھر مجھے بتاؤ کہ سلطان شاہ کی احمقانہ مہم جوئی سے ہمیں کیا حاصل ہوا ہے۔ پھر شاید میں بھی تمہاری طرح ہنس سکوں.... تم دونوں سر پھرے یا نیم پاگل ہو۔ بلاوجہ خطروں کو للکارتے رہتے ہو۔"

میں نے ویرا کی برہمی کا رمز پالیا اور اپنے مؤقف میں ذرا سی تبدیلی لاتے ہوئے کہا "میں یہ مانتا ہوں کہ سلطان شاہ نے دیدہ و دانستہ ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کی حرکت ہمارے لیے غیبی انعام بن گئی۔"

بدنصیب

ایک چھوٹے سے علاقے میں چند دوستوں نے پرانے دنوں کی یاد تازہ کرنے کی خاطر شہر سے بہت دور تفریح کرنے کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن پہلے دوست نے دوسرے دوست کو فون کیا اور کہا "کہو بھئی' رات ٹھیک طرح سے گھر پہنچ گئے تھے؟"

دوسرے دوست نے سست لہجے میں کہا "نہیں یار' ٹرین چھوٹ گئی تھی۔ اسٹیشن پر مجھے ایک بینچ پر سردی میں بیٹھے بیٹھے اونگھنا پڑا۔"

یہ سن کر پہلے دوست نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا "خوش نصیب ہو دوست' میں پہلی ہی ٹرین سے گھر پہنچ گیا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ کے لیے چند تنقیدی الفاظ سنتے ہی ویرا کے تیوروں میں ذرا سی نرمی آگئی اور اس نے کہا "بولتے رہو' میں تمہاری بات دھیان سے سن رہی ہوں۔"

"بخشی نے اوبرائن کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے' اسے ذہن میں تازہ کرو تو وہ اس وقت خائف ہوگا۔ گھر پہنچنے پر کتیا کی لاش اسے دہشت زدہ کردے گی۔ اس کے فلیٹ میں حفاظتی الارم وغیرہ بھی موجود ہوگا۔ اس بندوبست میں خلل ڈالے بغیر کوئی کتیا کو قتل کرسکتا ہے تو اسے بھی مار سکتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ آج کی رات اپنے گھر میں گزارے۔"

"اس طرح تمہاری پوزیشن مخدوش ہوگی۔" ویرا سوچتے ہوئے بولی "واشنگٹن والوں نے اوبی کو تم سے دور ہوجانے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے تمہیں دھن راج کے ذریعے میجر بخشی کے حوالے کردیا۔ یہ قتل تم سے یعنی کرنل جمال دستی سے منسوب ہوجائے گا۔"

"کیسے....؟" میں نے سوال کیا "جس وقت کتیا ماری گئی' میں بخشی اور دھن راج کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دوسرا اتفاق میری پوزیشن صاف کردے گا۔"

"میں جانتی ہوں کہ کتیا کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔ اس کی موت کے سبب اور وقت کا تعین کیا جائے گا۔ مگر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فوری شبہ تم پر کیا جائے گا۔ تم خود ان دونوں کے ساتھ تھے۔ تمہارے کسی آدمی نے کتیا کو مار ڈالا۔"

"ان کے لیے جمال دستی ایس ٹی ایف کا تنہا باغی ہے جس پر اس کے ساتھی اعتماد نہیں کررہے۔ وہ ایسا قابلِ اعتماد ساتھی کہاں سے لائے گا؟"

"تمہاری ہر بات مفروضوں پر مبنی ہے۔ ان سب کو درست مان لیا جائے تب بھی وہ ہوشیار ہوجائے گا اور فلیٹ سے کسی محفوظ تر مقام پر منتقل ہوجائے گا۔" ویرا اس وقت میری کہی ہوئی ہر بات پر ناقدانہ تبصرے کرنے کے موڈ میں تھی۔

"یوں تو وہ پاتال میں بھی چھپ سکتا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہر آدمی میں دباؤ برداشت کرنے کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ جان کے خوف سے کب تک یہاں چھپ کر سسکتا رہے گا؟ اس کی ساری کارکردگی تباہ ہوجائے گی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ یہاں سے بستر بوریا سمیٹ لے گا؟"

"اگر حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اگلے چند روز میں اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کل کسی وقت ایک دھمکی آمیز گمنام فون کال اس کے قدم بالکل اکھاڑ دے گی۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"اس وقت پاکستان میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کا سب سے بڑا علم بردار وہی ہے۔ وہ چلا گیا تو یہ منصوبہ التوا کا شکار ہوجائے گا۔" غصے کے بھنور سے نکل جانے کے بعد بات دھیرے دھیرے ویرا کی سمجھ میں آتی جارہی تھی۔

"اس وقت ہم صرف یہی کرسکتے ہیں۔ ورنہ امریکا کو اس کی من مانی سے روکنا آج کی دنیا میں ناممکن ہوکر رہ گیا ہے۔"

"تم چاہتے ہو کہ میں محض ان اتفاقات کی بنا پر سلطان شاہ کی حماقتوں پر اپنا سر دھننا شروع کردوں۔" آخر کار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہرگز نہیں۔ تعریف کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ بس اس کا بے رحمانہ مذاق مت اڑاؤ۔ اس نے کچھ ہاتھ پیر ہلائے ہیں تو اتفاقات ہمارے کام آئے ہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی اپیل نہ ہوتی اور شیری نہ ماری جاتی تو ہمیں کوئی فیض حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔"

"شیری!" ویرا نے حیرت سے وہ نام دہرایا "تمہیں اوبی کی کتیا کا نام بھی یاد ہے۔"

"دشمن کے ساتھ اس کے قریبی لوا حقین پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔"

"واقعی تم نے اچھا کام کیا ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر توصیفی لہجے میں کہا "دراصل تم کسی سورما کی طرح فاتحانہ انداز میں یوں سینہ تان کر آئے تھے کہ مجھے خوا مخواہ تم پر غصہ آگیا تھا۔ میں کھلے دل سے تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

ویرا کے اس فراخ دلانہ رویّے پر ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔

ویرا کی وہ شرافت سلطان شاہ سے ہضم نہیں ہوسکی۔ وہ منہ بنا کر بولا "اس وقت تمہاری رگ اتری ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی غلطی مان لی۔ تھوڑی دیر بعد تم پھر اپنی پرانی حرکتوں پر اتر آؤ گی۔"

"بات یہیں ختم کردو۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ تم دونوں آپس میں بار بار غلطیاں کرتے اور پھر ایک دوسرے کو مناتے رہو۔ اسی میں زندگی کا مزہ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔" ویرا تنک کر بولی "میں تمہارا کنایہ اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔"

اول خان مسکرا کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"شیری کے خلاف یہ کھٹ راگ پھیلاتے ہوئے تمہیں اندازہ تھا کہ تم کتنا بڑا کام کرنے جا رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے ایمان داری سے اعتراف کرلیا "یہ ساری باریکیاں تو میں اب سن رہا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کل میرے جانے کے بعد کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ویسے یہ بخشی اور دھن راج کون ہیں؟"

"کرنل جمال دستی کے دو نئے باس!" اول خان کے بولنے سے پہلے میں نے جواب دے ڈالا۔

"دونوں ہی اپنے نام سے بھارتی بلکہ ہندو معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ایک پاکستانی ہندو ہے اور دوسرا بھارتی قونصل خانے کا ریکارڈ آفیسر۔" دونوں کے اس تعارف کے بعد میں نے اسے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

ویرا اور غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے اور اٹھ کر ہمارے کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے لیے سنی سنائی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"مجھے ہاتھ پیر ہلائے کافی دن ہو رہے ہیں۔ کہو تو ہوٹل ہی میں دھن راج کا کام تمام کردوں۔" اس نے پوری کہانی سمجھنے کے بعد تلخی سے کہا۔

"اب تم ہمارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا "ہمیں پالیسی بدلنی ہوگی۔ غداروں کو خاموشی سے ٹھکانے لگانے کے بجائے بے نقاب کیا جائے اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"جن مجرموں کے خلاف کوئی گواہ میسر ہو نہ شہادتیں' ان کا کیا کرو گے؟" وہ ہمارے کام کی بعض ناگزیر مجبوریوں سے پوری طرح واقف تھا۔

"جہاں سب راستے بند ہوں وہاں خون بہانا پڑے گا۔ دھن راج کا کیس ایسا نہیں ہے۔ یہ شخص اپنے پورے خاندان کی روسیاہی کا سبب بن جائے گا۔"

"میجر بخشی کے خلاف تم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔" اس نے قدرے مسرت سے کہا "اسے ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے ملک بدر کراؤ گے تو بھارت سے تمہارے دو سفارت کار اسی اعزاز کے ساتھ نکال دیے جائیں گے۔ اسے تو یہیں گھیرنا ہوگا۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کیا جاسکتا۔"

سلطان شاہ خاموش ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ معاملہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہوچکا تھا۔

میں رات گئے تک اول خان کے عملے کی طرف سے کسی ہیجان انگیز خبر کا منتظر رہا لیکن وہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ اول خان حیران تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے شیری کے پراسرار قتل کے بارے میں کوئی ہنگامہ آرائی کی تھی نہ علاقے کے تھانے سے رجوع کیا تھا۔

ایک اہم سفارتی نمائندے کی محفوظ قیام گاہ میں دن دہاڑے اس کی پالتو کتیا کا قتل معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مجھے توقع تھی کہ جوں ہی شیری کی لاش دریافت ہوگی' شہر کی انتظامیہ پر کڑا وقت پڑ جائے گا۔ اوبرائن نہ صرف لاقانونیت اور غنڈا گردی پر واویلا مچائے گا بلکہ اپنی کتیا کے ماہرانہ پوسٹ مارٹم پر بھی اصرار کرے گا۔

یہ ناممکن تھا کہ اس روز اوبرائن یا بلیکی نے پلٹ کر فلیٹ کی خبر ہی نہ لی ہو اور یوں شیری کی لاش بے یار و مددگار پڑی رہی ہو۔ ان کی طرف سے مکمل خاموشی کا مطلب تھا کہ اس واقعے کے محرکات اور نتائج پر غور و خوض کیا جا رہا تھا۔

اگلی صبح کے اخبارات میں بھی اس بارے میں کچھ نہ چھپا تو مجھے خاصی مایوسی ہوئی۔ وہ میرا فطری ردِعمل تھا۔ اس لمحے مجھے خیال آیا کہ اپنی خاموشی کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے نامعلوم حریف کو اسی ذہنی صدمے سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ انہیں یہ نفسیاتی حربہ بھی مطلوب رہا ہو مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔ شیری کے قتل سے وہ لوگ بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئے ہیں۔"

"خوف زدہ ہونے کی صورت میں انہیں شور مچانا چاہیے تھا۔ وہ خاموش کیوں ہیں؟"

"پاکستان میں جانی نقصان کے حوالے سے ان کی خاصی جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ وہ کسی بھی معاملے میں اپنا دامن آلودہ ہونے سے نہیں بچا سکے۔ اس واقعے کی تشہیر ان کی مزید رسوائی کا سبب بنے گی کہ وہ اپنے پالتو کتوں کی حفاظت تک نہیں کرسکتے۔"

وہ واقعی اعتماد کو مجروح کرنے والی بات تھی۔ شاید اول خان صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

میں نے اندازہ لگا لینے کے باوجود اوبرائن کے فلیٹ کا نمبر ملایا۔ تین گھنٹیاں بجتے ہی اس کے فون سے منسلک خودکار [illegible] ریکارڈ کیے ہوئے

Downloaded from https://paksociety.com

پیغام کے بعد جوں ہی میرا پیغام ریکارڈ کرنے کے لیے مشین چلی، سی ایس ڈی کے ذریعے لائن کٹ گئی۔ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا۔

"وہ دہشت زدہ ہوگیا ہے۔ اسے اپنے سائے سے بھی خوف آرہا ہوگا۔" اول خان نے میری کال کے نتیجے سے واقف ہونے کے بعد کہا۔

"ہماری توقع سے کہیں پہلے اس کے قدم اکھڑ گئے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایشیا کا نیا نقشہ بنانے کا دعوے دار اتنی آسانی سے پسپا نہیں ہوگا۔"

"اس وقت تم نے غیر ارادی طور پر اپنی سگریٹ خود جلائی ہے۔ تمہارے بائیں بازو کی حرکت بڑی حد تک معمول کے مطابق تھی۔" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے میرے زخم کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

"زخم کتنا ہی گہرا ہو، وقت کے ساتھ آخر کار بھر ہی جاتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"پُرامید رہنا بہت اچھی عادت ہے مگر تمہاری یہ توقع درست نہیں کہ اپنی کتیا کی موت سے خوف زدہ ہو کر اوبرائن پسپا ہوگیا ہے۔"

"گھر چھوڑ کر بھاگ جانا بہرحال کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اگل کر کہا۔

"اسے تم روپوشی بھی کہہ سکتے ہو بلکہ یہ کہنا بھی قبل از وقت ہوگا۔ اس وقت دس بج کر چند منٹ ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رات اپنے فلیٹ میں گزار کر وہ مقررہ وقت پر اپنے دفتر چلا گیا ہو۔ دفتری اوقات کے بعد فون کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔"

میں خفت آمیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اپنی خوش فہمیوں میں مستغرق ہو کر میں نے وقت پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "اس کے دفتر فون کروں؟"

"اس نے تمہیں رابطہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"وہ ممانعت جمال دستی کے لیے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے ایک گمنام دشمن کی طرف سے دھمکی آمیز پیغام ضرور پہنچا دیا جائے۔"

"وہ سوچے گا کہ گمنام دشمن کو اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر کیسے مل گیا۔"

"جو شخص اس کی کتیا تک پہنچ سکتا ہے اس کے لیے ایک فون نمبر حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ معمولی سی بات اس کے ذہن میں ہونی چاہیے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔ پھر بھی فون تم ہی کو کرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟"

"میں خطروں کو زیادہ خاطر میں نہیں لاتا۔" وہ زندہ دلی سے بولا "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اس کی آواز نہیں پہچان سکوں گا۔"

"میں اسے دیکھتا ہوں۔" اول خان کی بات مناسب تھی۔

"بس مجھے آواز بدلنی پڑے گی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ ایک حساس پوزیشن پر کام کر رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری دھمکی ریکارڈ کرنے کی کوشش کرے اور سی ایس ڈی کے ذریعے لائن بند ہو جائے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ سی ایس ڈی ایسی ڈیوائس تھی جو اوبرائن کو بھی میسر نہیں تھی۔ یہ بات اس کے علم اور تجربے میں تھی کہ ایس ٹی ایف کا کرنل جمال دستی سی ایس ڈی سے مزین فون استعمال کرتا ہے۔ ریکارڈنگ پر فون کٹتے ہی اس کا ذہن میری طرف مبذول ہو سکتا تھا۔

اس وقت تک فون پر خصوصی بندوبست کے تحت آبزرویشن لگوائے بغیر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ کسی کو کس نمبر سے فون کیا جا رہا ہے۔ آواز بدل لینے کے بعد میں اوبرائن کی شناخت کے خطرے سے بھی بچ سکتا تھا۔ میں نے اول خان کے مشورے سے سی ایس ڈی کو بند کر دیا۔

ہر اعتبار سے وہ ایک اہم فون کال تھی۔ میں نے اوبرائن کا نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی پر اس کی ہیلو سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

"میرا خیال تھا کہ تم ایک بڑے افسر ہو اور دیر سے دفتر جاتے ہوگے مگر تم کسی معمولی کلرک کی طرح شاید بروقت اپنے دفتر پہنچنے پر مجبور ہو۔" میں نے حلق کے بل، بھاری اور چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہارا فلیٹ آج پھر ویران پڑا ہوا ہے۔"

"ایڈیٹ...! تم کون ہو اور کیا بکواس کر رہے ہو؟" اس کی غراہٹ ابھری۔

"میں تمہاری شیری کا خیر خواہ ہوں۔ کل تم اپنے گھر سے کلرکوں کی طرح بروقت نہ نکل گئے ہوتے تو آج شیری کے ساتھ تمہاری بھی تدفین ہو رہی ہوتی۔ آج تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

اس بار مجھے درمیان میں ہی ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔ غالباً اوبرائن نے میری گفتگو ریکارڈ کرنی شروع کر دی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔ مجھے اس تبدیلی کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"تم آؤ۔ تمہاری ہڈیاں سرمہ بنا دی جائیں گی۔" اس کی آواز میں ہیجان اور غصے کی ملی جلی کیفیت عود کر آئی تھی "مجھ سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟"

"ہوشیار رہنا۔ میں نے تمہاری دعوت قبول کرلی ہے۔ آج، کل.... یا پھر کسی بھی وقت اور کہیں بھی تم سے فیصلہ کن ملاقات ہوگی۔"

"سٹور کے بچے.... تم لہجہ بدل کر لاکھ کوشش کرلو لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم امریکی نہیں ہو۔ کوئی مقامی کتے ہو۔ میں تمہاری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے اُڑا دوں گا۔"

"تمہاری شیری مقامی کتوں کے لیے ترستی ہوئی مرگئی۔ اب وہی کتے تمہیں بھنبھوڑیں گے۔" اپنی بات مکمل کرکے میں نے فون بند کردیا۔

اول خان نے ہلکی سی تالی بجائی "ویل ڈن.... آواز ہی نہیں، تم نے لب ولہجہ تک بدل لیا تھا۔ بالکل امریکی انداز میں انگریزی بول رہے تھے۔"

"غیر ملکی لب ولہجہ اپنانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ آخر میں وہ شرطیہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں امریکی نہیں ہوں۔ اسے دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اب وہ میری ریکارڈ کی ہوئی آواز سن رہا ہوگا۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ سی ایس ڈی آف تھی۔ اب وہ بھول کر بھی تم پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس پر اپنے ترکش کا ایک تیر اور چلا دیا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان سے کب بھاگتا ہے۔ وہ زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہے۔"

"اس کے بارے میں تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس کے نام کی جوتی الٹ دو اور اسے بھول جاؤ۔ وہ اپنے بال نوچ نوچ کر خود ہی پاگل ہوتا رہے گا۔"

"ویسے تو دھن راج کی بھی نگرانی ہورہی ہے مگر میری زیادہ توجہ اب میجر بخشی پر ہے۔ پتا نہیں بھارتی خفیہ ایجنسیوں والوں سے مجھے کیا عناد ہے کہ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا خون ابلنے لگتا ہے۔"

"تمہارا خون اپنے دشمنوں کو خوب پہچانتا ہے۔ بھارتی ہی ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔"

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "اوبرائن کے ایشین پلان کے بارے میں جان لینے کے بعد بھی تم اپنی اس رائے پر قائم ہو!"

"یقیناً!" میں نے پورے اعتماد سے کہا "امریکی خدائی فوج دار بن کر اوپر سے اپنے عزائم مسلط نہیں کرسکتے۔ انہیں ہر جگہ کسی نہ کسی مضبوط حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بار بھارتی ان کے حامی ہیں۔ چین کے خلاف اس علاقے کی اکلوتی فوجی اور اقتصادی قوت بننا بھارتی حکمرانوں کا دیرینہ خواب ہے۔"

"بھارتی حمایت کے بغیر وہ اپنا پروگرام واقعی آگے نہیں بڑھا سکتے۔" وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "پھر تم نے میجر بخشی سے تو بہت کھل کر بات کی ہے۔"

"پروپیگنڈے اور ذہنوں کو مسموم کرنے کے لیے بھارتیوں کا ہوم ورک مکمل ہے۔ ہندوستان پر مسلم اقلیت کی طویل حکمرانی کا حوالہ ایک عام آدمی کو متاثر کرنے کے لیے بہت متاثر کن ہے۔" میں نے کہا۔

میرا وہ دن مسلسل سوچ بچار میں گزر گیا۔ دشمنوں کے چہرے ہمارے سامنے تھے۔ میں ان کے بارے میں ایک ڈھیلی ڈھالی رائے قائم کرچکا تھا مگر کوئی آخری فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔

اوبرائن اور میجر بخشی پاکستانی قوانین کی رسائی سے بالکل باہر تھے۔ اپنی حکومتوں کے لیے وہ قابلِ قدر ہیرو تھے جو ایک سفاک دشمن کے سینے پر مونگ دلنے میں مصروف تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ اوبرائن جیسے موذی کو پاکستان سے زندہ نکل جانے کا موقع دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ نتائج سے بے پروا ہوکر پوری بے خوفی سے اس کا سر کچل دینا چاہیے تھا۔ اس اقدام کے نتائج و عواقب کو بھگتنا ان افسروں کا کام تھا جو بڑی بڑی کنوائیں لے کر اسلام آباد میں عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔

بیورو کریسی کے ان کل پرزوں نے کھٹمل، چوہدری سلام اور پھر اوبرائن کے معاملے میں مجھے بہت زیادہ مایوس کیا تھا۔ اس کا جواب یہی ہوسکتا تھا کہ انہیں بھی کسی امتحان سے دوچار کردیا جائے۔

جب ٹنک اوبرائن کی تقدیر کے بارے میں فیصلے کے نتائج کی ذمے داری میرے اور اول خان کے سر تھی، میرا رویہ محتاط اور قدرے مدافعانہ تھا۔ اول خان کے پاس کوا اوپر سے گرین سگنل مل جانے کے بعد اس پر نظرثانی ضروری ہوگئی تھی۔

اس وقت تک کی پوزیشن یہ تھی کہ ہمارے دشمن پاکستانیوں کے بارے میں خوف زدگی کی حد تک احتیاط کررہے تھے۔ اول خان کے آدمیوں کی کوششیں جاری تھیں

Downloaded from https://paksociety.com

مگر مجھے ان کی کسی بڑی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اوبرائن اور میجر بخشی کی نظروں میں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے میں اعتماد کے لائق تھا لیکن وہ دونوں ہی مجھ سے براہِ راست رابطے سے گریز کررہے تھے۔

لے دے کر ایک دھن راج تھا جس سے میں بات کرسکتا تھا۔ اس کا نام ہماری فہرست کے آخری سرے پر تھا۔ کرنل جمال دستی کے روپ میں اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ میں اوبرائن اور میجر بخشی کی ہدایت پر سختی سے عمل پیرا رہوں۔ دوسری صورت میں یہ اعتبار مجروح ہوسکتا تھا۔

دھن راج ایک رنگین مزاج امیرزادہ تھا۔ اس سے گفتگو میں محتاط رہ کر میں اس بند گلی سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی راہ تلاش کرسکتا تھا۔

شام کو میں نے اسے فون کیا۔ ڈائرکٹ نمبر پر گھنٹی بجتی رہی لیکن جواب نہیں ملا۔ میں نے ہوٹل کے سوئچ بورڈ کا نمبر ملا کر آپریٹر سے دھن راج کے بارے میں جاننا چاہا تو اس نے مشینی تیزی کے ساتھ کچھ کہہ کر لائن کہیں اور منتقل کرنے کی کوشش کی اور سی ایس ڈی نے لائن کاٹ دی۔

میں نے دوسری مرتبہ موبائل فون پر وہی نمبر ملایا۔ کال آپریٹر نے استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کردی۔ وہاں سے پتا چلا کہ دھن راج ہوٹل میں ہی مقیم تھا مگر باہر گیا ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے بعد میں نے سات بجے دوبارہ اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ اس بار پہلی گھنٹی پر ہی دھن راج نے ریسیور اٹھالیا۔

"کہاں غائب تھے؟ میں تین مرتبہ رنگ کرچکا ہوں۔" میں نے شکوہ کیا۔

"اوہ.... کرنل!" میری آواز سن کر وہ خوشی سے تقریباً چیخ پڑا "اس وقت میں کچھ اور مانگتا تو مجھے مل جاتا۔ میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایمرجنسی کے لیے مجھے کوئی نمبر دے دو۔ میں پریشان تھا کہ تم سے کہاں رابطہ کروں۔" وہ خوشامدانہ آواز میں... گڑگڑایا۔

"میری یہ مجبوری ہر ایک کے علم میں ہے۔ یہ دیکھ لو کہ تم نے سچے دل سے مجھے یاد کیا اور میں نے تمہیں خود ہی فون کرلیا۔"

"اچھا، یہ بتاؤ کہ [illegible]"

مطلب کی بات پر آگیا۔

"میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔" میں نے جھوٹ بولا حالانکہ میں اس دوران میں کئی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھتا رہا تھا۔

"تلاش کرو.... سراغ لگاؤ کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اب وہ اوبی کے لیے بہت تکلیف دہ ہوگیا ہے۔ وہ بے چارہ سخت ذہنی عذاب سے گزر رہا ہے۔"

"یہ میری بنیادی خواہش ہے۔ تم سب سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے۔" میں نے جان بوجھ کر اوبی کی تکلیف اور ذہنی عذاب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

"اس کے حوصلے بہت بڑھ چکے ہیں۔ کل صبح اس نے اوبی کے گھر پر دھاوا بولا تھا۔"

"اوہ!" پتا نہیں میرے دہانے سے کیوں وہ بے ساختہ تحیر زدہ آواز نکل گئی "آج کے اخباروں میں تو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔"

"اس بات کو دبالیا گیا ہے۔ اوبی اپنے دشمن سے خود ہی نمٹنا چاہ رہا ہے۔"

"تصادم کی کسی خبر کو کیسے دبایا یا چھپایا جاسکتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "وہ فلیٹ میں رہتا ہے۔ وہاں تو ذرا سی چیخ بھی پڑوسیوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔"

"اوبی گھر پر نہیں تھا۔ گھر کے دروازے اور کھڑکیاں سب محفوظ تھیں۔ ڈینی نے کسی چیز کو چھیڑے بغیر اس کی چہیتی کتیا کو مار ڈالا۔"

دھن راج نے اپنے ہیجان کے باعث اس سادہ سے واقعے کو ایک پُراسرار آسیبی واردات کے روپ میں پیش کیا تھا۔ میں نے پوچھا "یہ کیسے پتا چلا کہ بند دروازوں سے گزرنے والا آسیب ڈینی کا تھا۔"

"اوبی کو پورا یقین ہے کہ پورے شہر میں ڈینی کے سوا کوئی اور اسے نیلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ حرکت اسی ذلیل کی ہے۔"

اپنے لیے اس کے منہ سے نکلی ہوئی گالی کو میں پی گیا "میں نے بلیکی کو ڈینی کے فنگر پرنٹس دے دیے تھے۔ اسے فلیٹ میں ان فنگر پرنٹس کی موجودگی کے بغیر اتنا پُریقین نہیں ہونا چاہیے۔ کتیا کی گردن پر، دروازے کے دستے پر، کہیں نہ کہیں اس کی انگلیوں کے نشان ضرور ملیں گے۔"

"میں بتا رہا ہوں کسی کھڑکی یا دروازے کو نہیں چھیڑا گیا۔" اس نے زور دے کر کہا "شاید کسی سوراخ سے کوئی [illegible]

Downloaded From https://paksociety.com

"اس وقت اوبی یا بلیکی میں سے کوئی اندر نہیں تھا؟"
میں نے اپنی حسرت کو حیرت میں تبدیل کردیا۔
"وہ دونوں دفتر میں تھے۔ انہیں حیرت ہے کہ بلڈنگ میں چوکی داری کے بہترین نظام کے باوجود وہ اوپر کیسے پہنچا۔ میجر کا خیال ہے کہ وہ دونوں اب اس فلیٹ میں نہیں رہیں گے۔ کل کتیا ماری گئی۔ کسی وقت ڈینی ان دونوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"
"دیکھو، دھن راج! یہ میری اور تمہاری بات ہے۔ ڈینی کے پاس جادو کی کوئی چھڑی نہیں ہے۔ وہ ہم جیسا ایک عام آدمی ہے۔ اوبی نے بلاوجہ ہی اسے ہوا بنایا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حرکت اس کے کسی اور دشمن نے کی ہو۔ سب کو بھول کر ڈینی کو گالیاں دینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔"
"ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔" دھن راج سنبھل گیا "مگر اوبی میرے رابطے میں نہیں ہے۔ میں تمہارا یہ پیغام میجر تک پہنچادوں گا۔ وہ خود بھی بہت پریشان ہے۔"
"اسے کیا پریشانی لاحق ہے؟" میں نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔
"اوبی اس کا دوست ہے۔ پھر ڈینی تو ہم سب کا مشترکہ دشمن ہے۔ جب تک اسے چھوٹ ملی ہوئی ہے، ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ پتا نہیں کب وہ تمہارے سر پر پہنچ جائے۔ ایک نادیدہ دشمن کے خوف کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔"
"بس یہی ایک بات ڈینی کے حق میں جاتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کے چہرے پہچانتا ہے جب کہ ان کے لیے وہ صرف ایک نام ہے یا پھر امریکیوں کا بنایا ہوا ایک خاکہ۔"
"یہ بتاؤ کہ تمہارے فون پر وہ اینٹی بگ ڈیوائس کام کررہی ہے نا!" بات کرتے کرتے اس نے چونکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
"میں اس کے بغیر تم سے بات ہی نہیں کرتا۔ تمہیں وہ کیوں یاد آگئی؟"
"اتنی کھلی کھلی باتیں کسی غیر کے کانوں میں پڑجائیں تو ہم مشکل میں پڑسکتے ہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ میجر نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ تمہیں اوبی کے نئے مسائل سے جلد از جلد آگاہ کردوں۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو دور دور سے ڈینی کو دیکھنے کے بجائے اسے گولی مار کر فرار ہوتا اور سیدھا امریکی قونصل خانے میں پناہ لے لیتا۔ وہ خود ہی مجھے حفاظت سے باہر پہنچادیتے۔"

سب رنگ ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ

اقابلا

مکمل دو حصوں میں

تاریک براعظم کے پُراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور عقل کے مقابلے پر ملا ہوتے تھے۔ وحشی قبائل اور اُن کے وحشیانہ رسم و رواج کی ایک ناقابلِ یقین سرگزشت —— ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی —— جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا —— شگون کی خاطر معصوم اور شیر خوار بچوں کو نیزوں پر اُچھالا جاتا تھا عجیب و خلقت اور خوفناک دیوتاؤں کے مجسموں کو تازہ خون سے غسل دیا جاتا تھا —— نخیر سینوں کی بھینٹ بیش کیجاتی تھی

اقابلا

وحشی قبیلوں کی ایک سرکش حسینہ جس کا حُسن لازوال تھا جس کے حصول کے لئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا —— خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اُٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا ——

کتابی شکل میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ -/۵۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک

پتہ ذیل پر رجوع کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ ○ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

"کیا تم مجھے ایسا کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"اپنے معاملات کو تم خود بہتر سمجھتے ہو۔ یہ میری خواہش ضرور ہے۔"

"اسے بس خواہش ہی رہنے دو۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کتنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک وار میں وہ مرے یا نہ مرے' اس پر وار کرنے والا ضرور مار دیا جائے گا۔ لاشیں فرار ہوتی ہیں نہ کہیں پناہ لے سکتی ہیں۔ مجھے اپنے ایسے انجام سے نفرت ہے۔"

"میں نے میجر بخشی کا پیغام دے دیا ہے۔ اب اس کی ساری توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ ڈینی کا جلد ہی کوئی نہ کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔"

"اپنے میجر سے پوچھ لو کہ میں اس سے رابطہ کر سکتا ہوں یا نہیں۔"

"کوئی ناگزیر مجبوری ہو تو وہ بُرا نہیں مانے گا۔ اسے اپنے ساتھ تمہاری سلامتی بھی عزیز ہے۔"

"مگر میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر نہیں ہے۔ پتا نہیں دفتر کا آپریٹر میری کال کو اہمیت دے گا یا نہیں۔ میں اس سے چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"میں اسے بتا دوں گا' وہ کل صبح اپنی آپریٹر کو ہدایت دے دے گا۔"

"اور یہ بھی بتا دینا کہ میں اسے کسی اور نمبر سے فون کروں گا۔ ایٹنٹی بک ڈیوائس کے ذریعے بورڈ سے بات نہیں ہو سکتی۔ کال ٹرانسفر بٹن دبتے ہی لائن کٹ جائے گی۔"

"اچھا..... تو یہ مجبوری بھی ہے۔" اس کی آواز قدرے پُرتشویش ہو گئی "پھر تم ایسا کرو کہ پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کرلو۔ میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ وہ کوئی نہ کوئی حل بتا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا اور اس کا اسی وقت رابطہ ہو جائے۔"

"یہ بہت اچھا ہو گا..... میں پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

"یہ خبیث کیا کہہ رہا تھا؟" میرے فارغ ہونے پر اول خان پوچھ بیٹھا۔

"داستانِ غم سنا کر مجھے کوس رہا تھا۔ کتیا کے سوگ میں وہ سب کتوں کی طرح بلبلا رہے ہیں اور اس واقعے کا کریڈٹ سلطان شاہ کے بجائے مجھے دے رہے ہیں۔"

"تمہارا نام پوری ٹیم کی نمائندگی کرتا ہے۔ سلطان شاہ اس میں شامل ہے۔"

"میجر بخشی سے فون پر تم کیا بات کرو گے؟" میری اور دھن راج کی باتوں کا خلاصہ سننے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو میرا ذہن صاف نہیں ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "کچھ بھڑاس دھن راج نے نکالی ہے۔ بقیہ بات اس سے ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں کوئی راہ نکل آئے۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ ابھی تک انہیں میرے اوپر کوئی شبہ نہیں ہوا۔"

وہ پندرہ منٹ بہت تیزی سے گزر گئے۔ اس دوران میں سب ہی اس کمرے میں یک جا ہو چکے تھے اور ہر ایک میرا ہم نوا تھا۔

دھن راج سے میری مختصر بات ہوئی۔ میجر بخشی اپنے گھر پر میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دھن راج سے نمبر لے کر فون بند کر دیا۔

بخشی زیرک آدمی تھا۔ رابطہ ہونے پر اس نے اپنی طرف سے کوئی بات چھیڑے بغیر یہ جاننا چاہا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ فوری طور پر کوئی اور بات نہ سوجھی تو میں نے کہا "مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ڈینی لیاقت آباد کے کسی ٹنگ ملاقے میں رہ رہا ہے..."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ چونک کر درمیان میں بولا "یہ کراچی کی وہی آبادی تو نہیں ہے جو پہلے لالو کھیت بھی کہلاتی تھی؟"

"بالکل وہی علاقہ ہے' تم ٹھیک سمجھے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔

"خطرناک علاقہ ہے۔" ریسیور پر اس کی تیز بڑبڑاہٹ سنائی دی "ذرا دیکھ بھال کر ادھر کا رخ کرنا۔ یہ خبر اولی کے لیے بہت اہم ثابت ہو گی۔"

"اس خبر کی تصدیق ہونے سے پہلے میں دھن راج کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے تمہاری اجازت کی ضرورت پیش آ گئی۔"

"دھن راج پر تم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔ یہ خبر اس کے ذریعے بھی مجھ تک پہنچ سکتی تھی مگر تم نے اچھا کیا کہ براہِ راست مجھے بتا دیا۔ اولی اپنے طور پر ڈینی کی تلاش کی ایک بڑی مہم شروع کرنے والا ہے۔ اس میں آوازیں نشر کرنے والے کئی ہزار مائکروگ شہر کے مشتبہ علاقوں میں پھیلائے جانے ہیں۔ اب وہ لیاقت آباد کے علاقے پر خاص توجہ دے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اسے یہ مہم بہت پہلے شروع کرنی چاہیے تھی۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آجائے تو اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔"

"پہلے اس کی مجبوری تھی۔ اس کے پاس ڈینی کی آواز کا کوئی ریکارڈ یا کیسٹ نہیں تھا۔ آج اس نے ڈینی کی ایک کال ٹیپ کرلی ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے یہ منصوبہ بنایا ہے۔ امریکا سے آنے والا حساس ترین صوتی تجزیاتی سسٹم لاکھوں آوازوں میں بھی ڈینی کی آواز پہچان لے گا۔ اب اس کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگے گا۔"

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ وہ مخصوص آواز کس بگ سے آرہی ہے اور وہ شہر کی کس بستی میں ہے۔"

"مجھے تفصیلات کا علم نہیں لیکن اولی بہت پرامید ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ساؤنڈ اسکینگ سسٹم میں لوکیشن فائنڈر بھی ہو۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ بدلی ہوئی آواز میں کی جانے والی میری دھمکی آمیز فون کال ریکارڈ کرنے کے بعد اولی کو وہ خیال آیا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایسے سسٹم آواز بدلنے کے باوجود ہر انسان کے مخصوص صوتی اشاروں کو آسانی سے پہچان سکتے تھے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس غلطی کے بھرپور ازالے کے لیے میں کسی نہ کسی طرح اولی کے رابطے میں تھا۔

"اب وہ مشکل ہی سے بچے گا" میں نے اپنے دشمن کی امیدوں کی توثیق کی۔

"تمہیں بھی ایک اہم کام کرنا ہے۔" میجر بخشی کی سنجیدہ آواز ابھری۔

"میں اہم اور غیر اہم' ہر کام کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔"

"ایک دو روز میں واشنگٹن سے سب سازو سامان آجائے گا۔ تمہیں کچھ بگ اسٹیشن فور میں بھی پھیلانے ہوں گے۔ شیری کی موت کے بعد اولی نے ڈینی اور ایس ٹی ایف کے خلاف بھرپور جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"میں اس کا ساتھ دوں گا مگر کامیابی کا کریڈٹ مجھے ہی ملے گا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہاں' ایک اور بات یاد رکھنا۔ وہ کسی بھی وقت اسٹیشن فور پر نظر آئے تو فوراً دھن راج کو خبر دے دینا۔ کوشش کی جائے گی کہ واپسی پر اسے راستے میں ہی گھیر کر دبوچ لیا جائے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی..."

کا خواہش مند ہے۔"

"میں بتادوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے اس کے آنے اور واپس لوٹنے کے پروگرام کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح تھوڑی دیر کے لیے نظر آتا ہے پھر اول خان کے ساتھ کیمپ میں کہیں گم ہوجاتا ہے۔"

"یہ سب اولی سنبھال لے گا۔ تم اپنے کام سے غافل نہ ہونا۔" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

اس کا وہ سوال بہت اچانک اور بے ساختہ تھا۔ میں نے اسی روانی سے جواب دیا "اسٹیشن فور پر۔ تمہیں معلوم ہے کہ فون پر سی ایس ڈی کی سہولت صرف یہیں میسر ہے۔"

"تم مجھ سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر میں کلب آسکتے ہو؟" اس نے شہر کے ایک قدیم اور مشہور کلب کا نام لے کر دریافت کیا۔

اس وقت میں اپنے دشمنوں کا معاون بنا ہوا تھا۔ ان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرسکتا تھا۔ اپنی تشویش کے باوجود میں نے خوش مزاجی سے کہا "تم کہو گے تو میں کہیں بھی پہنچ سکتا ہوں۔ صرف آنے جانے میں کچھ زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"آنے جانے میں۔؟" اس کی حیرت زدہ آواز سنائی دی "تو کیا تم دن رات وہیں رہتے ہو؟"

"یہ فوجی کیمپ کی بڑی کٹھن زندگی ہے۔ چوبیس گھنٹے کی ملازمت سمجھ لو۔"

"تمہیں جلد ہی اس سے نجات مل جائے گی..... بس تم نکلو۔ میں وہاں لان پر تمہارا انتظار کروں گا" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا اور میں اس ملاقات کا سبب جاننے کی حسرت دل میں لیے رہ گیا۔ اتنی سی بات کے لیے اسے دوبارہ فون کرنا مناسب نہیں تھا۔

ہر بار کچھ نئی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ ویسے تو ابرائن کی طرف سے میری تلاش کی نئی مہم کی تفصیل بھی خاصی دلچسپ تھی لیکن سب کو پریشانی یہ تھی کہ میجر بخشی نے اس وقت مجھے اچانک کلب میں کیوں بلایا تھا۔

بظاہر اس نے وہ خواہش روا روی میں ظاہر کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ پہلے سے اس کا فیصلہ کیے بیٹھا تھا اور اس نے جان بوجھ کر آخر میں وہ ذکر چھیڑا تھا۔

ہم پانچوں اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ وقت کم تھا اور مجھے روانگی سے پہلے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنا ضروری تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں دو لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کر دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کھنول کے ملنے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہو گئے۔ کالو کنرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے نون کر کے بتایا کہ کالو کنرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔ خوش قسمتی سے کالو کنرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کنرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹرو گیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنول نے تاوان کے لیے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ اقبالِ بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے پریشر کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کے کیس کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا ہارورڈ اور ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کھنول کے متعلق تشخیص کر دی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کھنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی تو فصل خانے کا ملازم اویلی میں اس نے نقب پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اویلی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ بن گرین کارڈ کے لالچ میں ایس ٹی ایف سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر ہارورڈ کی بس پر پڑی جو لفٹ سے نکل رہی تھی۔ ہارورڈ کا مکان اب میرے لیے خدوخال کھو گیا تھا۔ میں وہاں ایس ذی اور نیم کون لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کر دی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں تاوان بسہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فورٹ پر تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اویلی نے فنر خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کر دی ہے۔ میں نے اویلی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے تعاقب پر ٹمس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہمارے موافق دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔ باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ میں اور برائن کو شیشے میں اتاروں۔ میں نے اویلی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے دو افسران میجر بخشی اور دھن راج سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اویلی کی کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کارروائی نے اویلی کو پریشان کر دیا۔ میں نے ذیبی کے طور پر اس سے بات کر کے اسے اور ہراساں کر دیا۔ تاہم وہ میری آواز ریکارڈ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میجر بخشی سے بات ہوئی تو اس نے ذیبی کے متعلق استفسار کیا۔ میں نے اس کے فرضی چچے کے بارے میں اسے آگاہ کر دیا۔ اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے ایک کلب میں طلب کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ روادری میں ظاہری کئی ملاقات کی اس خواہش کے پیچھے دیرینہ فیصلہ کارفرما تھا۔ ہم اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ان دنوں میں تلوار کی تیز دھار پر چل رہا تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ضروری تھا۔ کہیں بھی ذرا سی کوئی لغزش ہوتی تو اس کا شاخسانہ میری موت کی صورت میں ہی رونما ہو سکتا تھا۔ ایسی لغزش کے ازالے کی کوئی دوسری صورت دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔

ایس ٹی ایف میں اہم خدمات سرانجام دینے والے کرنل جمال دستی کے روپ میں میں اپنے حریفوں کا محبوب اور معتمد بنا ہوا تھا جب کہ وہ سب ذیبی کے لہو کے پیاسے تھے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اول خان سے لے کر غزالہ تک، ہر فرد کو صورتِ حال کی اس سنگینی کا پورا پورا ادراک تھا اور یہی وجہ تھی کہ میجر بخشی کی اچانک دعوت نے ان چاروں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کے مہیب بیولے پیدا کر دیئے تھے۔

"تم لوگ جو چاہو سوچتے رہو مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملاقات میں ذیبی کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔" تھوڑی سی بحث کے بعد سلطان شاہ نے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ کہو۔" ویرا نے کسی توقف کے بغیر دو ٹوک انداز میں اس کی رائے مسترد کر دی۔ "ذیبی کی جان کو ان موذیوں سے ہر وقت خطرہ ہے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ کرنل جمال دستی فی الحال ایسے خطرات سے بڑی حد تک محفوظ ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اسے کہیں سے سراغ مل گیا ہو کہ کرنل جمال دستی کے روپ میں ڈینی ہی چھپا بیٹھا ہے۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے۔" سلطان شاہ کی بات پوری ہوتے ہی اول خان بے ساختہ بول پڑا۔ "اسے کہاں سے اور کیسے یہ سراغ مل سکتا ہے؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی بے بساط مہرے نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلے میں وہ بہتر وسائل سے لیس ہیں۔ دھن راج جیسے غدار مقامی ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔"

"کھنول مل اور چوہدری سلام بھی اسی صف میں شامل تھے۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ ہم اپنے گھر میں بیٹھ کے لڑ رہے ہیں۔ اپنے ماحول اور غداروں کے پینتروں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں اتنے مزے سے کامیابیاں حاصل ہو سکتیں تو اب تک ہم پانچوں میں سے ایک کا بھی نام و نشان نہ ملتا۔"

سلطان شاہ نے احتجاجی انداز میں ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اسے خاموش کر دیا۔ "تم بلاوجہ بحث کر رہے ہو۔ اس کے ذہن میں کوئی تبدیلی آئی ہوتی تو وہ اپنے طور پر کوئی پیش رفت کر کے مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا۔ اس وقت میں نے خود اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس نے مجھے اعتماد میں لے کر اوبرائن کے اگلے پروگرام کے بارے میں بتایا ہے....."

"پھر اس نے تمہیں کلب کے لان پر کیوں بلایا ہے؟" ویرا نے سوال جڑ دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"کلیدی سوال یہی ہے۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"اور ائن نے مجھے ایمپریس مارکیٹ بلایا۔ وہاں اس کی جگہ بلیکی پہنچا ہوا تھا۔ وہ مجھے دھن راج کے حوالے کرکے غائب ہوگیا۔ دھن راج نے مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں بلایا تو وہاں میجر بخشی سے اچانک سامنا ہوا۔ اب میجر بخشی نے بلایا ہے تو شاید کوئی اور چہرہ سامنے آجائے۔"

فوری طور پر کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ سب ہی میرے جواب کی معقولیت پر غور کررہے تھے۔

"یہ بات آسانی سے ہضم نہیں ہورہی۔" غزالہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر دھیرے سے کہا۔ "میں یہ مانتی ہوں کہ فون اس نے نہیں، آپ نے کیا تھا مگر یہ مجبوری تھی۔ ان میں سے کسی کے پاس آپ کا کوئی فون نمبر نہیں ہے جب کہ آپ نے دھن راج کے ذریعے اجازت لینے کے بعد میجر بخشی کے گھر فون کیا تھا۔ وہ ذہن میں کوئی پلان لئے بیٹھا تھا۔ آپ سے رابطہ ہوتے ہی اس پر عمل کرگزرا۔"

میں غزالہ کو گھور کر بے بسی سے ہنس پڑا۔ "اب تم بھی بال کی کھال نکالنے لگی ہو!"

"سب کچھ میرے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ ہر بات میری سمجھ میں آتی ہے لیکن مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میرے دل کی بات کسی نہ کسی کی زبان پر آجاتی ہے۔"

غزالہ نے وہ فقرے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "کیا تم اس وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتی تھیں۔"

"وہ کیوں چپ رہتی؟" اس کی حمایت میں سلطان شاہ بول پڑا۔ "اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم نے باتوں کے چکر میں سب کو لاجواب کردیا ہے۔"

"جو لوگ سچے دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں انہیں ایک دوسرے کے بارے میں وجدان سا ہوتا رہتا ہے۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب غزالہ نے زبان کھول ہی دی ہے تو تم کو میجر بخشی سے ملاقات کا ارادہ ملتوی کردینا چاہیے۔ پتا نہیں وہ کیا چاہ رہا ہے۔"

"پروگرام طے ہوجانے کے بعد ڈینی کا یوں غائب ہوجانا مناسب نہیں ہوگا۔" اول خان بولا۔ "میجر بخشی کو اس پر کوئی شبہ ہوگیا ہے تو وہ پختہ ہوجائے گا۔"

"ڈینی کے پاس اس کے گھر کا فون نمبر ہے۔ یہ بخشی کو فون کرکے بہانہ کرسکتا ہے کہ اس وقت اسے اسٹیشن فور چھوڑنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ بخشی بھی جانتا ہے کہ کرنل جمال دستی یہاں خود مختار نہیں ہے۔ اسے کسی نہ کسی کو جواب دینا پڑتا ہے۔"

ویرا کی وہ جوابی تجویز معقول تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لئے اس پر غور کیا۔ میجر بخشی سے مجوزہ ملاقات کے بارے میں میری چھٹی حس بھی مطمئن نہیں تھی۔ میں نے فون سنبھال لیا۔

تیسری گھنٹی پر میجر بخشی کے رہائشی فون نمبر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ میجر بخشی گھر پر موجود نہیں تھا۔

نسوانی آواز مہذب اور پروقار تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کون تھی۔ میں نے کہا۔ "میجر سے اس وقت میری ملاقات طے تھی مگر میں کسی وجہ سے آنے سے قاصر ہوں....."

"مگر وہ گھر پر نہیں ہیں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"میجر کو کلب پہنچنا ہے۔ تم وہاں پیغام دے دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے التجا کی۔

"سوری!" رکھائی سے کہا گیا۔ "میں یہ سب نہیں کرسکتی۔ میں ان کی خادمہ ہوں۔ تم اپنا نام بتا دو۔ ان کا فون آیا تو میں تمہارا پیغام دے دوں گی۔"

مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ میری مخاطب میجر بخشی کی خادمہ تھی۔ "میں میجر کو کسی بے یقینی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ تم میری کال کو بھول جاؤ۔" میں نے ترشی سے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

مجھ سمیت کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ میجر بخشی مجھ سے پروگرام طے کرنے کے بعد اتنی عجلت میں گھر سے نکل کھڑا ہوگا۔ اس کی وہ عجلت ہمارے مشترکہ خدشات کو تقویت دے رہی تھی۔

بحث دوبارہ چل پڑی۔ ویرا کی رائے تھی کہ میں کلب فون کرکے میجر بخشی سے بات کرلوں۔ وہ وہاں نہ پہنچا ہو تو استقبالیہ کلرک کو اس کے لئے اپنا پیغام نوٹ کرا دوں۔ غزالہ دور کی کوڑی لائی تھی۔ اس کی دانست میں مجھے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ براہِ راست دھن راج کو فون پر اپنی مجبوری سے آگاہ کردیتا۔ وہ خود ہی کلب جاکر میجر بخشی سے بات کرلیتا۔

میرے لئے وہ تجاویز احمقانہ تھیں۔ ہم ان کے خلاف مضبوط ارادوں کے ساتھ میدان میں اترے ہوئے تھے۔ بظاہر میں نے ان کے حلیف کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اگر میجر بخشی کے دل میں میری طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو ہی چکا تھا تو میں زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے کام نہیں لے سکتا تھا۔

شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر یہ سمجھ لینا کہ طوفان ٹل گیا ہے، میرے بس سے باہر بلکہ اعصاب شکن تھا۔ میں نے اس پراسرار ملاقات کو ٹالنے کی ایک کوشش کرلی تھی۔ اس میں ناکامی ایک طرح سے غیبی اشارہ تھی۔ میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔

Downloaded from https://paksociety.com

لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے بیم گن جیب میں ڈالی تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "پہلے غیر مسلح ہو کر گئے تھے تو اب بیم گن کیوں لے جا رہے ہو؟"

"پچھلی بار میں دھن راج کے ہوٹل بلکہ کمرے میں مدعو کیا گیا تھا۔ میرے اندیشے کے عین مطابق وہاں ہتھیار کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج اس سے کلب کے کھلے لان پر ملنا ہے۔"

میرے طنزیہ لہجے کے جواب میں ویرا کے ہونٹوں پر سلگا دینے والی مسکراہٹ عود کر آئی۔ "ہتھیاروں کی موجودگی کے لئے دستی آلات کا استعمال بھی عام ہو چکا ہے۔"

"وہ ہاتھ میں کچھ تھامے بیٹھا ہوگا تو میں اسے تماشا بنا دوں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

میرے ردعمل پر ویرا نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ غزالہ کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔

اول خان کا ایک آدمی چند منٹ میں میرے لئے ایک ٹیکسی لے آیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سننے پر میری استفہامیہ نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔

"یہ واپسی تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" اس نے بتایا۔

"بار بار ایک ہی ٹیکسی کا استعمال مناسب نہیں رہے گا۔" میں نے کہا۔

"ٹیکسی اور ڈرائیور، دونوں ہی نئے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔" وہ بولا۔

اول خان کو پورا یقین تھا کہ چھاؤنی کی حدود میں آنے جانے والے غریب ٹیکسی ڈرائیور ہر طرح محبِ وطن اور قابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ اگر انہیں علم ہو کہ وہ اپنا پورا معاوضہ لے کر کسی فوجی یونٹ کے لئے خدمت سرانجام دے رہے ہیں تو یکایک ان کا مورال بہت بلند ہو جاتا ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ فرض شناسی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

ایسے عام ڈرائیوروں سے قطع نظر، خفیہ حفاظتی ایجنسیوں کے اہل کار بھی اس حساس علاقے میں مشتبہ افراد کی آمدورفت پر نگاہ رکھنے کے لئے ٹیکسیاں وغیرہ لئے گھومتے رہتے ہیں۔ عام حالات میں وہ نگرانی کی ذمے داری انجام دیتے ہیں۔ ضرورت پیش آجائے تو فوری طور پر کسی بھی مشن پر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تجربے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اول خان کا آدمی اس مرتبہ میرے لئے دوسری قسم کی مخصوص ٹیکسی ہی لایا تھا۔

چھاؤنی سے شہر کے مرکزی حصے تک کا سفر طویل ضرور تھا لیکن ٹریفک کی روانی کے باعث اذیت ناک نہیں تھا۔ شارع فیصل کے سرے پر واقع، دھن راج کے ہوٹل سے چند سو میٹر آگے کراچی کا وہ قدیم اور روایتی کلب واقع تھا جس کے لان پر میجر بخشی سے میری ملاقات طے تھی۔

چوڑے پتھریلے ستونوں کے درمیان اونچی چھت سے مزین پرشکوہ پورچ میں میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ ڈرائیور سے یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ وہ پارکنگ میں میری واپسی کا انتظار کرے گا۔

احاطے میں داخل ہوتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ وسیع لان پر محض چند میزیں آباد تھیں۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے عمارت میں داخل ہونے کے بجائے لان کا رخ کیا تو میجر بخشی نے دور سے ہاتھ ہلا کر مجھے خود ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ تیز روشنیوں سے قدرے الگ پڑی ہوئی میز پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

"میں بہت مشکل سے اپنے یونٹ سے نکلا ہوں۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اس سے شکوہ کیا۔ "اس وقت مجھے وہیں رکنا تھا کیونکہ کمانڈر اچانک کہیں نکل گیا تھا۔"

"تم نہ پہنچتے تو مجھے شدید مایوسی ہوتی۔" اس نے میرے شکوے کو نظرانداز کر کے اپنے مطلب کی بات کہی۔ "میں کافی دیر سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اپنے لہجے کی تلخی پیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے دوبارہ تمہارے گھر فون کیا تھا مگر تم وہاں سے نکل چکے تھے۔ مجبوراً مجھے اسٹیشن فون سے نکلنا پڑا۔"

"اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ مجھے تم سے کچھ اہم ذاتی باتیں کرنی تھیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ذاتی باتیں؟" میں نے تعجب زدہ آواز میں دہرایا۔ "ان کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"تم آرمی کے کس یونٹ سے اور کب ریٹائر ہوئے تھے؟" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے میری بے چین نظروں میں جھانکنے کے بعد پوچھا۔

"سوری میجر۔" میں نے تیوریوں میں بل ڈال کر کہا۔ "یہ قطعی غیر ضروری باتیں ہیں۔"

"برا مت مانو۔ موجودہ حالات میں یہ سوال بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔" اس نے میرے خراب تیور دیکھنے کے باوجود اپنا مفاہمانہ لہجہ برقرار رکھا۔

"میں نے "را" یا "اسپیشل سروسز بیورو" میں ملازمت کی درخواست نہیں دی ہے جو یہ سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"اوہ.... ہو!" وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں کراچی کتنے امریکیوں کو نگل چکا ہے۔ ایلی کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی پالتو کتیا مار دی گئی۔ اس وقت آدمی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ دشمن ہمارے بہت ہی

Downloaded from https://paksociety.com

قریب رہ کر سب کچھ دیکھتا ہے اور گھات لگا کر وار کر دیتا ہے۔"

اس کی باتیں سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ مختصر سے وقت میں وہ بہت صحیح نتائج پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنی حکمت عملی میں ایک فوری تبدیلی لاتے ہوئے برہمی سے پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اب اوبرائن میرے اوپر بھی شبہ کر رہا ہے؟"

"اوبرائن تم پر شبہ کرتا تو تمہیں میرے حوالے کرنے سے پہلے یہ سب جاننے کی کوشش کرتا۔" اس نے میرا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں وہ اہم نکتہ اگل دیا۔ "میں نے پہلی ملاقات میں ہی تم پر واضح کر دیا تھا کہ اب اولی پورے کھیل سے باہر ہے۔ ہر ڈیل میرے، تمہارے اور دھن راج کے درمیان ہوگی۔"

"اگر تم کو میرے اوپر شبہ ہے تو معاملات کو یہیں ختم سمجھو۔" میں ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ بس یہ میرا طریقہ کار ہے۔ میں ابتدا سے ہی ہر منفی امکان پر کام کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔ اسے یوں سمجھ لو کہ بخار کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے متعدد ٹیسٹ کراتا ہے۔ ملیریا پیراسائنس، ڈینگی اور ٹائیفائیڈ بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ڈاکٹر کو ٹی بی کا شبہ ہو رہا ہے۔ اس طرح وہ امکانات کی تنسیخ کرتا ہے۔ ٹی بی نہیں ہے، ٹائی فائیڈ نہیں ہے، ملیریا نہیں ہے، کسی معمولی خرابی کی وجہ سے بخار ہو رہا ہے۔ میں بھی یہی کرتا ہوں۔ ایک بار تمہارے سروس ریکارڈ کی تصدیق کرلوں گا تو زندگی بھر تم پر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اوبرائن کے چھپے ہوئے دشمن تم ہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے الزام لگایا۔ "اسے اپنے ہمدردوں کی طرف سے بدگمان کر کے اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" پہلی بار اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ "میرے بارے میں اوبرائن ہربات جانتا ہے۔ وہ اپنی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس کا عہدیدار ہے، میں اسپیشل سروسز بیورو کا افسر ہوں۔ ہماری پشت پر ان اداروں کی ضمانتیں موجود ہیں۔ یہ ادارے مل کر کام کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے پوری طرح متعارف ہیں۔"

"میری پشت پر ایس ٹی ایف کی ضمانت ہے۔" میں نے جان بوجھ کر کٹھ حجتی کا مظاہرہ کیا۔ "دھن راج سے پہلی ملاقات کے بعد اسٹیشن فور کے نواح تک میرا مسلسل پیچھا کیا گیا تھا۔ ایسی بداعتمادی کی فضا میں دو دن بھی کسی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔"

اس کے ہونٹوں پر یکایک منافقانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایس ٹی ایف ہماری حریف ہے۔ اس کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ دستیاب ہے نہ وہ لوگ منظرِ عام پر آتے ہیں۔ تصدیق ہو تو کیسے ہو؟ بظاہر تم ان کے باغی ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم ہمیں ڈبل کراس کر رہے ہو۔"

خوف کی ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ آخر کار اس کا بدترین اندیشہ اس کی زبان پر آ ہی گیا تھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "تم واقعی ایک کامیاب سیکرٹ ایجنٹ کی طرح سوچ رہے ہو۔ ایسے لوگ اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے اور کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔"

"اب تم خرافات بک رہے ہو۔" وہ یکایک مشتعل ہوگیا۔ "مجھے اپنی ولدیت پر کوئی شبہ نہیں بلکہ فخر ہے۔ تم نے اب کوئی گالی دی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

وہ غصے میں آیا تو میں فوری طور پر دھیما پڑ گیا۔ "میری بات کو غلط مت سمجھو۔ میں نے گالی نہیں دی، یہ مثال دی تھی کہ بعض لوگ اپنے باپ کو بھی اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتے۔"

"اب ماں باپ کی ایسی کوئی گندی مثال نہ دینا۔" وہ غرایا۔ "اپنا تعاقب ہوتے دیکھ کر تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہم لوگ یہاں بالکل ہی بے سروسامان نہیں ہیں۔ اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بے رحمی سے توڑ سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "ایسی تیاریوں کے بغیر ڈینی سے نجات نہیں حاصل کی جا سکتی۔"

میں نے دانستہ اس کی دکھتی رگ چھیڑی تھی۔ اپنی قوت کا فرعونی دعویٰ کرتے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ ڈینی کی تلاش میں بھارتی اور امریکی ایک مدت سے خاک چاٹتے پھر رہے تھے۔

"اوبرائن واشنگٹن سے آنے والی ہدایات پر ڈینی کے معاملے سے الگ ہوگیا ہے مگر یہ اس کی انا کا سوال بنا ہوا ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے معتدل لہجے میں بولنا شروع کیا۔ "امریکیوں

گھر بیٹھے مُلک مُلک کی سیر کا لطف اٹھائیے

مشہور صحافی و کہانی نویس علی سُفیان آفاقی کا سفرنامہ

ہسپانیہ ہسپانیہ

اس سرزمین کا احوال جسے مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ آج کے دور میں بُل فائٹنگ کے لیے مشہور ہونے والے ملک کے نظارے اور حالات۔

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ آج ہی طلب فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

کے پاس ڈبنی کا ایک قلمی خاکہ موجود ہے' اس کے فنگر پرنٹس والا گلاس تم بیلکی کے حوالے کرچکے ہو' ڈبنی کی آواز اوبی نے ٹیپ کرلی ہے۔ پورا جال تیار ہے۔ واشنگٹن والے بہت جلد مائیکروچپ کی کھیپ بھیج دیں گے۔ اس بارو ضبیث شخص ہرگز نہیں بچے گا۔"

"مجھ سے میرے حصے کا کام لیا جاچکا ہے' اسی لئے تم نے مجھ سے اکھڑی اکھڑی باتیں شروع کی ہیں۔" میں نے اس کی پوری بات سن کر تلخی سے کہا۔ "تم خود ہی ڈبنی کا کام تمام کرلوگے۔"

"میں اپنا طریقۂ کار نہیں بدل سکتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میرے مشن میں تمہارا کردار بہت اہم ہے۔ تمہیں ایس ٹی ایف کے ٹھکانے پر مائیکروچپ پھیلانے ہیں جو ڈبنی کے ساتھ ایس ٹی ایف کی بربادی میں بھی ہماری مدد کریں گے۔"

"تم نے اپنی باتوں سے میری سوئی ہوئی انا کو بھی بیدار کردیا ہے تمہارا کوئی مطالبہ تھا تو دھن راج کو پہلے ہی مجھے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔ اب میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

دھن راج صرف رابطے کا آدمی ہے۔ اسے میرے طور طریقوں کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ میں نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو۔ تقسیم سے پہلے میرے والدین بھی عمر کوٹ میں رہتے تھے۔ نئی سرحدیں بننے کے برسوں بعد دھن راج عمر کوٹ میں پیدا ہوا' میری جائے پیدائش اودے پور ہے۔ یہاں تعینات ہونے کے بعد میں پرانے حوالوں سے پہلی بار اس سے ملا ہوں۔"

"یہ تمہارے اور اس کے معاملات ہیں ورنہ مجھے اسی سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔"

"اب بھی وہی طریقۂ برقرار رہے گا۔ میں تم سے براہِ راست زیادہ میل جول رکھ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تم کل تک سوچ سمجھ لو پھر دونوں باتیں اسے بتادینا۔"

"اسے علم ہے کہ ہم دونوں یہاں ملے ہیں۔" میں نے عارضی طور پر بات ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے' روا روی میں پوچھا۔

"نہیں' تم بھی اس سے ذکر نہ کرنا۔ اسے ملال ہوگا کہ اس کے ہوٹل سے اتنے قریب ہونے کے باوجود میں اس سے ملنے نہیں گیا۔ میں کسی کی بلاوجہ دل آزاری سے ڈرتا ہوں۔"

چند لمحوں پہلے میرے ذہن میں سر ابھارنے والا خیال ایک مرتبہ پھر زور مارنے لگا۔ میری اور میجر بخشی کی وہ ملاقات خفیہ تھی۔ اگر کسی کو اس پروگرام کا علم بھی تھا تو اس کی خادمہ گواہی دے سکتی تھی کہ میں نے میجر بخشی کے نکل جانے کے بعد ملاقات کی منسوخی کے لئے فون کیا تھا۔

بیم گن کے ذریعے میں میجر بخشی کو وہاں بیٹھے بیٹھے' لمحہ بھر میں موت کی گہری نیند سلا سکتا تھا۔ اس کے دل میں ایک ننھا سا سوراخ ہوتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی کرسی پر اسی طرح بیٹھا رہ جاتا۔ کسی کو شبہ تک نہ ہوتا کہ اسے قتل کردیا گیا تھا۔

اس آسان ترین واردات میں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ بیم گن کا استعمال امریکیوں کی نظر سے پوشیدہ نہ رہتا۔ چھان بین شروع ہوجاتی کہ میجر بخشی کی میز پر اس شام کس وضع قطع کا آدمی دیکھا گیا تھا۔ اس تجسس کے نتیجے میں نیویارک والی جینی کے بنوائے ہوئے اس غلاظ خاکے کی پوزیشن مشکوک ہوجاتی جس پر اوبرائن اور اس کے چیلے ناز کررہے تھے۔

بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن میں ایک متبادل خیال بھی کوندا۔ وہ ملاقات ختم کرکے میں کلب کے احاطے سے باہر ٹیکسی میں رک کر اس کی روانگی کا انتظار کرتا اور پھر موقع پاکر اسے راستے سے اغوا کرکے اسٹیشن فور پہنچانے کی کوشش کرتا۔

عملی طور پر سہل نظر آنے والی وہ دونوں صورتیں جتنی تیزی سے میرے دماغ میں ابھری تھیں' اتنی ہی پھرتی سے میں نے انہیں خود مسترد کردیا۔

مجھے ایک نجی ملاقات پر مدعو کرکے میجر بخشی نے ایک سنگین خطرہ مول لیا تھا اور وہ اپنا مقصد بھی حاصل نہیں کرسکا تھا۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرگزرتا تو وہ ضرور جہنم واصل ہوجاتا مگر میں اپنے دشمنوں سے ہر رابطہ توڑ لیتا۔

میجر بخشی کی پراسرار روپوشی اور بعد ازاں موت پر اوبرائن سے دھن راج تک' ہر شخص کے دماغ میں لامحالہ یہ سوال سر ابھار سکتا تھا کہ ڈبنی کے دشمنوں میں سے جو شخص بھی کرنل ہمال دستی کے رابطے میں آتا ہے' مارا جاتا ہے یا مصائب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

یہ سوال میری حیثیت پر بری طرح اثر انداز ہوسکتا تھا۔ وہ لوگ ڈبنی کو بھول کر فوری طور پر مجھے پکڑنے اور پھر تھرڈ ڈگری کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کے منصوبے کو روبہ کار لاسکتے تھے۔ ان خطرات سے اپنے بچاؤ کے لئے مجھے ایک مرتبہ پھر زیرِ زمین جانا پڑجاتا۔

وہ ایک طویل تجربہ تھا لیکن قدرت نے انسانی ذہن کے نہاں خانوں میں خیال کی ایسی قوتیں محفوظ کی ہوئی ہیں کہ ماضی' حال اور مستقبل کے برسوں پر مشتمل واقعات یا اندازوں کی ریل چند لمحوں میں سرعت سے چل جاتی ہے اور سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔

میجر بخشی کو اندازہ تک نہیں ہوسکا کہ اس کے نرم دلی کے اعلان نے میرے ذہن میں کوئی ہلچل پیدا کی تھی۔ میں نے بظاہر کسی توقف کے بغیر کہا۔ "دل آزاری اور دل شکنی کرنا سب سے بڑی بربریت ہے لیکن تم نے گفتگو کی ابتدا میں میرے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔"

"تم ابھی تک اسی کو لئے بیٹھے ہو۔" وہ کھوکھلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم نے میرے دو بے ضرر سوالوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تو میں فی الحال انہیں بھول سکتا ہوں۔ کسی نہ کسی وقت تم کو میری بات کی معقولیت کا یقین آجائے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اس کی مکاری پر کوئی تبصرہ کئے بغیر کہا۔ "چند روز مہلت دینے کے مقابلے میں تمہارا یہ موقف زیادہ بہتر اور میرے لئے باعزت ہوگا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارا موڈ بہتر ہوگیا۔ اب مائیکرو بگ آجانے پر تم سے ملاقات ہوگی تو ہم زیادہ خوش گوار ماحول میں گفتگو کرسکیں گے۔"

"پہلے اوبرائن مجھے اپنے ماسٹر پلان کے لئے کوئی کردار دینا چاہ رہا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ اب تمہاری وجہ سے میری سرگرمیاں ڈیٹی کی سرکوبی تک محدود رہیں گی۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "اس خیال میں نہ رہنا۔ ہمیں مل جل کر ہی اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے جس پر اوبرائن بہت عرق ریزی سے کام کررہا ہے۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ اس کی توجہ بڑے مقاصد پر مرکوز رہے گی۔ ہم اس کی راہ صاف کرتے رہیں گے۔"

"چین کے مقابلے میں عظیم تر ایشیائی ریاست کے بارے میں ابھی تک کھل کر کوئی بات نہیں ہوئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم ہی نے کہا تھا کہ وہ پروگرام اوبرائن کے ذمے ڈال دیا گیا ہے۔"

"وہ عارضی بندوبست ہے۔ زخمی درندے کو مارنے کے لئے کبھی بھی بڑے شکاری کی جان خطرے میں نہیں ڈالی جاتی۔ اسے گھیر گھار کر دوسرے مار لیتے ہیں۔ ڈیٹی کا پتا صاف ہوجائے تو ہم بھی کھل کر میدان میں آجائیں گے۔ اس کے بعد ایس ٹی ایف کی کمر خود بہ خود ٹوٹ جائے گی۔"

وہ میجر بخشی کا پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ دیر تک بولتا ہی چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ چین کے مقابلے میں عظیم تر ایشیائی ریاست، اتحاد یا الحاق کے خواب کو اس کے ملک میں اکھنڈ بھارت کے نظریے کے طور پر پورے زور و شور سے پروان چڑھایا جارہا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان فنون، کھیل کود، ثقافت اور اخوت کے نام پر بنی ہوئی متعدد انجمنوں کے بڑے بڑے اور رنگا رنگ اجتماعات میں کھل کر شرکا کی برین واشنگ کی جاتی تھی۔ ایسے اجتماع بھارت میں ہی نہیں، پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی ہوتے رہتے تھے۔

برصغیر کے نقشوں پر سازشی انگریز کی لگائی ہوئی غیر فطری سرحدوں کے خاتمے کے نتیجے میں سنہرے سپنے دکھائے جارہے تھے۔ بھارت کی وسیع منڈی پاکستانی اجناس اور مصنوعات کے خیر مقدم کے لئے تیار تھی۔ وہاں کے زرعی، آبی اور برقی وسائل پاکستان کو فیض پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔ ہندی عوام پاکستانی شاعروں اور اداکاروں کو سننے کے لئے بے چین تھے۔ بھارت میں ان کے اعزاز میں ایسی خواب ناک اور بڑی تقریبات منعقد کی جاتی تھیں جن کا پاکستان میں تصور بھی ممکن نہیں تھا۔

پاکستان سے جانے والے بعض چنیدہ مشاہیر کے

معدوں میں جب بھارتی شراب بھر کر حلق تک مرغن غذائیں ٹھونس دی جاتی تھیں تو خوشامدی سامعین کی واہ واہ کے شور میں یہ مشاہیر وہی بولی بولنے لگتے تھے جو ان کے میزبان چاہتے تھے۔ واپسی پر ایسے لوگ پاکستانی عوام میں بھارت کے سفیر اور ڈھنڈورچی بن جاتے تھے۔ کہیں سے کوئی لعنت ملامت ہوتی تو معذرتوں اور وضاحتوں کے سہارے اپنے دامن کے داغ دھونے کی کوشش کرتے تھے۔

کام پورے زور و شور سے ہورہا تھا مگر اس کی تشہیر نہیں کی جاتی تھی تاکہ مخالف قوتوں کو اس محاذ سے یکسر بے خبر رکھا جاسکے۔

اس تخریبی منصوبے میں این جی اوز یا غیر سرکاری تنظیموں سے بھی بھرپور کام لیا جارہا تھا۔ بعض اداروں کو امریکا اور بھارت کی سرپرستی حاصل تھی مگر بڑی تعداد ایسی تنظیموں کی تھی جنہیں ان دونوں ممالک کے ایما پر بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں سے بھاری امداد مل رہی تھی۔

مجھے اچھی طرح علم تھا کہ چند فعال اور سرگرم تنظیموں کے سوا بقیہ تمام این جی اوز کاغذی وجود کی مالک تھیں۔ بھاری رقوم اعلیٰ عہدیدار ہڑپ کر جاتے تھے۔ کچھ پیسہ عملے کی تنخواہوں اور نام نہاد دفتری انتظام پر خرچ ہوتا تھا اور اگلے برس کے لئے خوبصورت الفاظ اور حروف میں فرضی کارکردگی کی تضخیم مگر بے بنیاد رپورٹیں داخل کردی جاتی تھیں۔

ملک کے دور دراز، دشوار گزار اور پس ماندہ علاقے ملک دشمن این جی اوز کو مرغوب ترین میدان عمل فراہم کرتے تھے۔ کیونکہ چھوٹے سرکاری اہل کار بھی ان علاقوں کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باسیوں کے احساس محرومی کو بھڑکا کر چھوٹے موٹے امدادی کاموں کے ذریعے ایک خاص سوچ کو پروان چڑھایا جارہا تھا۔

میجر بخشی کی کہی ہوئی بعض باتیں میرے لئے نئی نہیں تھیں۔ کئی برس پہلے میں نے سندھ کے اندرونی علاقوں میں ملا سرکار کی ہولناک سرگرمیوں کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس وقت امریکا کھل کر پاکستان کی مخالفت نہیں کرتا تھا، نہ عظیم تر ایشیائی ریاست کا کوئی منصوبہ وجود میں آیا تھا۔ ملا سرکار بے روزگار قوم پرست نوجوانوں کو مسلک، ہتھیار فراہم کرکے لوٹ مار اور لاقانونیت پر اکسا رہا تھا۔ ایسے جتھوں کی سرپرستی کرکے وہ حکومت کے وجود کو ایک مذاق بنانے کے لئے کوشاں تھا لیکن ستارے پاکستان پر مہربان تھے۔ وہ ہول ناک مقابلوں کے بعد آخر کار سکھر کے قریب، دریائے سندھ میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔

میجر بخشی کے تیور بھی وہی تھے مگر مقاصد بدلے ہوئے تھے۔ اس کی توجہ دیہی سے زیادہ شہری آبادی پر تھی جو تعلیم یافتہ ہونے کے سبب شور شرابا یا غلغلہ پیدا کرنے کی قوت بھی رکھتی تھی۔

میجر بخشی کی وہ تقریر طویل ہونے کی وجہ سے میں خاصی تاخیر

Downloaded from https://paksociety.com

سے وہاں سے اٹھا۔ وہ ہندو تھا اور مزے سے کلب کے لان پر بیٹھا شراب نوشی کررہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ جوس کے دو گلاس خالی کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوگیا۔

میں نے اس بات پر خاص طور سے نظر رکھی تھی کہ کلب سے واپسی پر اس بار میری ٹیکسی کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

اسٹیشن فور پر چاروں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ میری صورت دیکھتے ہی اول خان نے ایک آدمی کو فیلڈ میس روانہ کردیا تاکہ کھانا کمرے میں پہنچادیا جائے۔

میجر بخشی کے ساتھ میری اچھی خاصی ذہنی آویزش ہوئی تھی۔ اس میں کچھ کٹھن لمحات بھی آئے تھے مگر پوری مشق کا خلاصہ بہت مختصر تھا۔

میرے خلاف وہ سب ہم زبان ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ بایاں بازو زخمی ہونے کے بعد میرا حوصلہ کچھ پست ہوگیا تھا ورنہ مجھے جارحانہ انداز میں میجر بخشی کو جہنم واصل کردینا چاہیے تھا۔

کھانے کے دوران بھی وہ بحث چلتی رہی۔ ان کا خیال تھا کہ دشمنوں کے تازہ ترین عزائم پوری طرح سامنے آچکے تھے' اہم ترین مہرے ہماری نظروں میں تھے۔ انہیں ہراساں کرنے کے لئے میجر بخشی کی ہلاکت بہت اہم ثابت ہوسکتی تھی۔ انہیں میرے اوپر شبہ ہوتا تو میں دوبارہ غائب ہوجاتا۔ اوبرائن' کرنل جمال دستی کے خلاف اپنی شکایت واپس لینے کے بعد سرکاری سطح پر کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

میں سرجھکائے کھانے میں مشغول رہا اور خاموشی سے ان کی تنقید سنتا رہا۔

وہ چاروں اس سنگین حقیقت کو نظرانداز کررہے تھے کہ سرطان کی رسولی کے ساتھ اس کی جڑیں بھی نہ نکالی جائیں تو مرض دوبارہ زیادہ شدت اور تیزی سے نمودار ہوتا ہے۔ اوبرائن ڈی ہنٹ' میجر بخشی اور دھن راج کے دوسرے اہم ساتھیوں کا سراغ لگانا ضروری ہوگیا تھا۔ کسی اوچھے یا قبل ازوقت ہونے والے وار سے وہ سب ہوشیار ہوکر اس طرح روپوش ہوتے کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہوجاتا۔

"آخر تم کچھ کیوں نہیں بولتے؟" میری طول پکڑتی ہوئی خاموشی سے جھلا کر ویرا میرے اوپر برس پڑی۔ "تم نے کیا سوچ کر اس موذی کو زندہ چھوڑا ہے؟"

"تم چاروں کے عالمانہ اتفاق رائے کے بعد میں دل ہی دل میں اپنی غلطی پر نادم ہورہا ہوں۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "آئندہ موقع ملا تو میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔"

"تم جھوٹے اور مکار ہو۔" ویرا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "تمہاری مسکراہٹ چغلی کھا رہی ہے کہ تم کوئی اہم بات چھپا رہے ہو۔ جو کچھ رہے ہو۔"

"عجیب مشکل ہے۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر بے چارگی سے کہا۔ "کلب میں جو کچھ ہوا' میں نے بلا کم و کاست دہرا دیا۔ تم سب مل کر مجھ پر الزام تراشی کررہے ہو۔ میں غلطی کا اعتراف کررہا ہوں تو تم اسے بھی ماننے پر تیار نہیں ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"کھانا کھالو پھر میں تم سے علیحدگی میں کچھ باتیں کروں گی۔" اس نے غرا کر کہا۔

بیک وقت میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں۔ ویرا کی دھمکی پر اس کی آنکھوں میں معنی خیز چمک ابھر آئی تھی۔ میں اس کا کوئی مفہوم نہیں سمجھ سکا۔

میں نے ویرا کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ کھانے کے بعد باتوں میں الجھ کر وہ سب کچھ بھول جائے گی مگر وہ بہت سنجیدہ تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر خاموشی سے منتظر رہی اور جب میں بھی نمٹ گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ!"

اس کے خشک اور تحکمانہ لہجے پر میں پریشان ہوگیا۔ "تنہائی کی کیا ضرورت ہے؟ جو بات کرنی ہے' یہاں بیٹھ کر کرو۔"

"یہ تمہارے لئے سودمند نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں ویرا لائیڈ نہیں' بلیک کوبرا ہوں۔"

میری پیشانی پر ٹھنڈک سی تیر گئی۔ اس نے میرے اور اپنے مراسم کے ابتدائی دور کا حوالہ دیا تھا۔ وہ میری گمراہی اور کج روی کا زمانہ تھا۔ ویرا ہمارے اوپر حاکم تھی اور مجھ کو پسند کر بیٹھی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایسے میں وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ میں فتح مندی کے جذبات کی روانی میں بہہ کر ویرا کے اشاروں کا اسیر ہوگیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے مجھے زیر کرلیا ہے اور مجھے فخر تھا کہ میں نے شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی کو اپنی وجاہت سے شکار کرلیا ہے۔

غزالہ گہری دلچسپی سے ہم دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اول خان نے شاید میرے چہرے کی کیفیات سے میری پریشانی کا اندازہ لگا لیا اور بزرگانہ انداز میں مشورہ دیا۔ "ضد مت کرو۔ سن لو کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ وہ بھی تمہاری خیر خواہ ہے۔"

غیر ارادی طور پر میری اجازت طلب نظریں غزالہ کی طرف مرکوز ہوئیں اور اس نے پھرتی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی چشم پوشی سے مجھے گمان ہوا کہ اسے ویرا کا مطالبہ پسند نہیں آیا تھا۔ غزالہ کا وہ رویہ غیر معمولی تھا۔ عام طور پر وہ ویرا کو غیر معمولی ڈھیل دیتی رہتی تھی مگر اس وقت بدلی بدلی اور کچھ بدگمان سی نظر آرہی تھی۔

مجبوری کے عالم میں میں ویرا کے پیچھے ہولیا۔ کمرے سے نکلتے نکلتے ویرا نے مڑ کر کہا۔ "دروازہ بند ہوگا مگر میں اسے بولٹ نہیں کروں گی۔ آج مجھے کچھ فیصلہ کن باتیں کرنی ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ غزالہ اسے کسی مجروح شیرنی کی سی غصیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

عورتوں کے لئے مخصوص کئے ہوئے کمرے میں پہنچ کر ویرا نے دروازہ بند کیا۔ وہیں رک کر اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر ہانپ سی آواز میں مجھ سے بولی۔ "ہونق کی طرح کھڑے کیوں ہو؟ کرسی پر بیٹھ جاؤ!"

مجھے حیرت ہوئی کہ اس کمرے میں پہنچتے ہی ویرا کا غصہ کافور ہوگیا تھا اور وہ کچھ مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ میں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے اسی کے کھلنے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے اپنے سینے میں اتارا ہوا کثیف دھواں ناک سے خارج کرتے ہوئے فرش پر داہنی جوتی کی نوک سے ہلکی سی بے مقصد ٹھوکر لگائی پھر پلنگ کے سرہانے آبیٹھی۔

"سگریٹ پیو گے؟" چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میرا چہرہ تکنے کے بعد اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے اپنی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ میری طرف اچھال دی۔ میں نے سلگتی ہوئی سگریٹ ہتھیلی میں لپک کر پھرتی سے انگلیوں میں منتقل کرلی۔

ویرا بے چینی کے عالم میں پلنگ سے اتر گئی اور کھڑے کھڑے پیکٹ سے نکال کر اپنے لئے دوسری سگریٹ سلگانے لگی۔ میں حیران تھا کیونکہ میں نے اس کھلنڈری عورت کو کبھی بھی ایسے گمبھیر اور فکرمندانہ موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ میرے دل میں کئی سوال مچل رہے تھے مگر میں نے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت میں تم سے کیا بات کرنے والی ہوں؟" نئی سگریٹ سے کش لے کر، ٹہلتے ہوئے پورا دھواں خارج کرکے اس نے ایک طویل سکوت کے بعد پوچھا۔

"شاید تمہیں میجر بخشی کے زندہ بچنے سے زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔"

اس نے حقارت سے ہونٹ سکیڑ کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا۔ "اپنے فیصلوں کے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔ میں نے وہ موضوع تخلیئے کے بہانے کے لئے چھیڑا تھا۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ رگوں میں خون کا دوران یک بیک تیز ہوگیا۔ اپنے کسی انجانے خوف کو دباتے ہوئے میں نے ہلکی سی مصنوعی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اور تم تخلیئے میں سگریٹ پینا چاہتی تھیں۔"

وہ پلٹ کر میرے روبرو آکھڑی ہوئی۔ "تمہاری یہی بے رحمی اور سفاکی مجھے مارے جارہی ہے۔"

میں بوکھلا گیا۔ "پتا نہیں آج تمہیں اچانک کیا ہورہا ہے۔ ایسا مذاق تو تم ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔"

"میں مدت سے سب کچھ بھولی ہوئی تھی مگر اسٹیشن فورکے پر ہول حصار میں ہم سب ہر وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ تمہارے اور غزالہ کے سوا کسی کو دو لمحے کے تخلیئے کی بھی آزادی نہیں ہے۔ میرے لئے یہ ماحول اعصاب شکن ہے اور آج میرے اندر سوئی ہوئی عورت جاگ اٹھی ہے۔"

"پلنگ پر آرام سے بیٹھ جاؤ اور سکون سے بات کرو۔" اس کی کیفیت کا اندازہ ہونے پر میں نے نرمی سے کہا۔ "شاید آج سلطان شاہ نے تمہاری دل آزاری کی ہے۔ وہ من چلا آدمی ہے۔ تم اس کی باتوں پر اتنی بدمزگی کیوں ہورہی ہو؟"

اس نے بہت خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری پوری بات سنی اور پھر بولی۔ "وہ معصوم آدمی ہے۔ میرا دل تم نے خون کیا ہے....."

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ "ویرا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں ہر وقت تمہارا دھیان رکھتا ہوں۔"

"ڈینی! یہ مت بھولو کہ کبھی میں تمہارے دل سے بہت قریب تھی۔" اس کی آواز میں اداسی تیرنے لگی۔ "اور آج تم بھول کر بھی ان گزرے ہوئے دنوں کو یاد نہیں کرتے۔"

"ویرا! ایسی باتیں مت کرو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "تم آج بھی مجھے بہت زیادہ عزیز ہو۔ شاید غزالہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے اور ہماری طرف سے چشم پوشی اختیار کئے رہتی ہے۔"

"وہ ہر وقت تم پر اپنا حق جتا کر میرے سینے میں ایک آگ سی بھڑکاتی رہتی ہے۔" ویرا کی آواز سخت اور منتقانہ ہوگئی۔ "دو روز پہلے کی باتیں شاید تمہیں یاد ہوں۔ میں پی رہی تھی اور میرے مشورے پر تم غزالہ کو ساتھ لے کر تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں

Downloaded from https://paksociety.com

میں دیر تک باہر چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کی روشنیاں گل کر کے بھیگی ہوئی حسرت زدہ آنکھوں سے تم دونوں کے ہیولے دیکھتی رہی۔ تمہاری واپسی پر میں بہت مایوس اور دل گرفتہ تھی....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں لیکن تمہیں سوچنا چاہیے کہ غزالہ نے کتنے کھلے دل کے ساتھ ہم دونوں کو امریکا جانے کی اجازت دی تھی۔ وہاں کے شب و روز یاد کرتا ہوں تو خود کو غزالہ کے سامنے بونا محسوس کرنے لگتا ہوں۔ وہاں کشت و خون کے درمیانی وقفوں میں میں تمہاری ناز برداریوں کے سوا اور کیا کرتا رہا تھا؟"

"وہاں بھی تم موٹی جینی کے چکر میں پڑے رہے تھے۔" اسے گویا ہر بات ازبر تھی۔

"میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ جینی کے بارے میں زیادہ مت سوچا کرو۔ تم ایسی تصوراتی دنیا میں کھوئی رہتی ہو جہاں تم از خود اپنی کوئی نہ کوئی حریف تخلیق کر لیتی ہو۔"

"غزالہ میرے وہم کی تخلیق نہیں ہے۔ اسے تم نے خود تلاش کیا تھا۔"

"تمہیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔ اب وہ میری بیوی ہے۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔

"سچ بات یہ ہے کہ اسے میں تمہاری خوشی کی خاطر برداشت کرتی ہوں ورنہ اسے بنے سنورے دیکھ کر میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔"

"ویرا! تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔ میں اسے تمہارے خلاف بدکلامی کی اجازت نہیں دیتا تو تمہاری زبان سے ایسی نازیبا باتیں کیسے برداشت کر سکتا ہوں؟"

"اس سپاٹ ویرا نے میں رہ رہ کر میرا دماغ الٹا جا رہا ہے۔ دن رات وردیوں میں ملبوس' ایک جیسے چہرے دیکھ دیکھ کر میری طبیعت اکتا گئی ہے۔ تم نے مجھے جلد ہی یہاں سے نہ نکالا تو میں کسی بھی وقت خاموشی سے اسٹیشن فور چھوڑ دوں گی۔"

"شہر کا رخ کرتے ہی تم اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔" میں نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔ "ان کے پاس تمہارا پورا ریکارڈ موجود ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جب میرا دماغ سنک جاتا ہے تو میں بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ بعد میں جو ہو گا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھے بھری محفل سے اٹھا کر اس کمرے میں کیوں لائی تھیں۔"

میرے سوال پر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میں غزالہ کو دکھانا چاہتی تھی کہ تم پر میرا بھی کچھ حق ہے۔ میں ہر وقت کڑھتی رہتی ہوں' اس وقت وہ سلگ رہی ہو گی۔"

"وہ بہت قناعت پسند اور صابر و شاکر لڑکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میرے دل میں بہت غبار جمع ہو گیا تھا۔ میں اس وقت تمہارے سامنے اپنی بھڑاس نہ نکالتی تو کسی وقت غزالہ سے لڑ پڑتی اور تم مجھ سے خفا ہو جاتے۔"

میں بعض معاملات میں ویرا کی خود غرضانہ سوچ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس سے کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس کی سوچ میں فتور کی داغ بیل اسی رات پڑی تھی جب وہ تنہا بیٹھی مے نوشی کر رہی تھی اور میں نے غزالہ کے ایما پر اس کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ میرے اس انکار پر ویرا نے شاید استہزائیہ انداز میں مجھے غزالہ کے ساتھ کھلی فضا میں چہل قدمی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں نے پورے خلوص سے اس کے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

ویرا ہمیں دیکھ دیکھ کر اپنی تنہائی پر کڑھتی رہی اور تلخ سیال اپنے معدے میں انڈیلتی رہی۔ نشے کی حالت میں ہر شخص ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہو جاتا ہے۔ وہ تو ویرا تھی۔ غزالہ کے خلاف اس کی ساری حسرتیں گرہیں بن کر اس کی کھوپڑی کے کسی حصے میں پیچ ڈالتی رہیں۔

ہماری واپسی پر اس نے تنہائی میسر آتے ہی میرے ساتھ خاصی تلخ نوائی کی تھی جسے میں نے ویرا کے نشے کی جھونک سمجھ کر ٹال دیا اور غزالہ کو اس کے ساتھ چھوڑ کر اسٹیشن فور کی مردانہ خواب گاہ میں چلا آیا۔

غزالہ نے اگلے دن مجھ سے ویرا کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی لیکن ویرا کے پھٹ پڑنے کے بعد میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ میرے چلے جانے کے بعد ویرا نے غزالہ کے ساتھ ضرور زہر افشانی کی ہو گی۔ غزالہ نے اپنے طور پر اس سے نمٹ لیا۔ شاید اس کوشش میں اس نے تلخ و ترش باتیں بھی کی ہوں جو ویرا کے بغض میں اضافے کا سبب بن گئیں۔

وہ رات گزر گئی' ویرا کا نشہ بھی اتر گیا مگر اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا غبار صاف نہیں ہو سکا۔ وہ دو دنوں سے مسلسل اسی بارے میں سوچتی رہی اور آخر کار مجھ سے الجھ بیٹھی۔

یہ غنیمت ہوا کہ میں اس کے مطالبے پر الگ کمرے میں چلا آیا تھا۔ صاف انکار کر دیتا تو وہ شاید ماضی کے حوالے سے غزالہ اور دوسروں کے سامنے ایسی باتیں چھیڑ دیتی جو وقت گزر جانے کے بعد میرے لئے کسی بھی طرح قابل فخر نہیں ہو سکتی تھیں۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "تم آج بھی مجھے عزیز ہو۔ میں تم سے خفا نہیں ہو سکتا۔ تم نے پہلے ہی مجھ سے بات کر لی ہوتی تو دو روز تک جلتی بھنتی نہ رہتیں۔"

"یہاں بات کرنے کا موقع کہاں ملتا ہے؟ ذرا سی دیر کے لئے

Downloaded from https://paksociety.com

تمہیں اس کمرے میں لائی ہوں تو ان تینوں کے کان دیواروں سے لگے ہوئے ہوں گے۔ میں تم سے....."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

ویرا نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ ملامت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا۔ "دیکھ لیا.... ہماری خلوت کسی کو برداشت نہیں ہے۔"

اس طنز کے بعد ویرا نے اونچی آواز میں کہہ کر کہا اور اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

"غنیمت ہے کہ یہاں کا ماحول مصالحانہ ہے۔" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "میں اپنی بے جا مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اسی وقت شہر روانہ ہو رہا ہوں۔ دھن راج کے ہوٹل سے روانہ ہونے والی ایک مشتبہ گاڑی کا تعاقب کرنے والا میرا ایک آدمی اچانک ہی اسٹیشن فور سے کٹ گیا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

اس کے وہ فقرے مبہم تھے۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "جانے سے پہلے اتنا ضرور بتا دو کہ اسٹیشن فور سے کٹ جانے کا کیا مطلب ہے۔"

"وہ موٹر سائیکل سوار ہے۔ ٹرانسمیٹر پر ہمارے کنٹرول روم کو مسلسل رپورٹ دے رہا تھا۔ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ دس منٹ سے یہ رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ کنٹرول روم والے مسلسل اسے پکار رہے ہیں مگر وہ خاموش ہے۔"

وہ معاملہ سنگین تھا۔ اول خان کی بتائی ہوئی صورتِ حال کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر ہلاک یا بے ہوش ہو چکا ہے۔

وہ وحشت ناک خبر سن کر کہ ہم دونوں بھی اول خان کے ساتھ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس کی گاڑی وہیں آ لگی تھی۔ وہ ہم سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

موٹر سائیکل سوار قربان علی کے بارے میں وہ پُرتشویش خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے اسٹیشن فور میں پھیل گئی تھی اور ہر شخص اپنے ساتھی کی خیریت کے بارے میں فکرمند تھا۔

عملی طور پر ہم لوگ اس ٹھکانے پر موجود ہونے کے باوجود ایس ٹی ایف کے روز مرہ کے کاموں میں ذرا بھی دخیل نہیں ہوتے تھے مگر قربان علی کا معاملہ مجھے کچھ زیادہ ہی سنگین نظر آ رہا تھا۔ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر صورتِ حال جاننے کے لیے کنٹرول روم کی طرف چل دیا۔

راستے میں بچل شاہ ہمیں مل گیا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ قصہ واقعی سنگین تھا۔

دھن راج شہر کے ایک مشہور اور بڑے ہوٹل میں رہ رہا تھا۔

وہاں یہ ممکن نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے اس کے کمرے کی نگرانی کی جا سکے۔ پھر بھی قربان علی کو ہوٹل پر مامور کر دیا گیا تھا۔ وہ وہاں آنے جانے والے مشتبہ افراد پر نظر رکھتا تھا اور اپنے طور پر یہ سراغ لگاتا تھا کہ وہ ہوٹل کے کس کمرے کے باسی کے مہمان یا ملاقاتی ہیں۔

اپنی حاصل کی ہوئی معلومات وہ لاسلکی ٹرانسمیٹر پر وقفے وقفے سے اسٹیشن فور کے کنٹرول روم کو دیتا رہتا تھا۔ عام طور پر رات کے دس بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی کیونکہ اس وقت تک دھن راج نشے میں مدہوش ہو کر اپنے کمرے تک محدود ہو جاتا تھا۔

قربان علی کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج سے ملنے کے لیے آنے والوں میں شہر کے بعض اوباش رئیس زادوں کے ساتھ بگڑے ہوئے سرکاری افسران بھی شامل تھے۔ دھن راج کا کمرا دن بھر ان لوگوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ ان کی دل جوئی اور اپنی آمدنی کے لیے شہر کی خوب رو مگر بدنام لڑکیاں بھی دن بھر وہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔

ان میں دو لڑکیوں کے نام خاص طور پر نوٹ کیے گئے تھے جو بلا ناغہ ہر شام دھن راج کے کمرے پر پہنچتی تھیں اور قربان علی کی ڈیوٹی ختم ہونے تک بھی ان کی واپسی کے کوئی آثار نہیں ہوتے تھے۔ ان اوقات میں دھن راج تنہا ہوتا تھا یا اس کا ایک اور ہندو دوست موجود ہوتا تھا۔

ان رپورٹوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج اپنے آقاؤں کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان ہی کے آزمودہ حربے استعمال کر رہا تھا۔ شراب و شباب سے سرکاری افسروں کی ضیافت کر کے ان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلواتا تھا اور میجر بخشی کو مطلع کر دیتا تھا۔

اس شام قربانی علی نے پہلی مرتبہ شہر کے دو جرائم پیشہ افراد کو دھن راج کے کمرے میں جاتے دیکھ کر کنٹرول روم کو اطلاع دی تھی۔ وہ دونوں قتل اور منشیات فروشی سے ہتھیاروں کے لین دین تک ہر وہ غیر قانونی کام کرتے تھے جس میں انہیں معقول آمدنی کی توقع ہو۔

وہ بارہا حوالات کی سیر کرتے رہے تھے لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان کے خلاف کبھی کوئی چالان کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکا تھا۔ وہ کسی عدالت سے سزا یاب ہوئے بغیر، بظاہر بے داغ ریکارڈ کے ساتھ اپنی گندی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

وہ دونوں دھن راج کے کمرے میں تقریباً پون گھنٹا گزار کر واپس چلے گئے۔ رات کے آٹھ بجے وہ دوبارہ ہوٹل کی حدود میں نظر آئے تو ان کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وہ دونوں محتاط اور چوکنے نظر آ رہے تھے۔ ان کے جسموں پر موجود جینز اور ڈھیلی قمیضوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مہم پر نکلے ہوئے ہوں۔

وہ خبر ملتے ہی اول خان نے کنٹرول روم کے ذریعے قربان علی کو

Downloaded from https://paksociety.com

پیغام دیا کہ وہ ان دونوں پر کڑی نظر رکھے۔ انہیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

ان دونوں کی مشتبہ سرگرمیوں کا سراغ لگانے کے لیے اول خان نے عارضی طور پر دھن راج کو نظرانداز کرنے کا بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔

دھن راج سے مل کر وہ دونوں جلد ہی واپس آ گئے۔ ان کا رخ ہوٹل کی زیریں منزل پر واقع پارکنگ لاٹ کی طرف تھا۔ قربان علی احتیاط سے ان کے پیچھے ہولیا۔

نیم روشن اور پُراسرار سی پارکنگ لاٹ میں ان دونوں کا تیسرا ساتھی ایک بند جیپ میں بیٹھا ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ تینوں جیپ میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

قربان علی کی موٹر سائیکل بھی وہیں موجود تھی۔ چند ثانیوں بعد وہ جیپ کے پیچھے ہولیا۔

سڑک پر پہنچنے تک اس کی تجربے کار نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ جیپ کا پچھلا حصہ کافی ہلکا ہوا تھا۔ اس کے دو ہی سبب ہو سکتے تھے۔ جیپ کا پچھلا سسپنشن کمزور تھا یا پھر جیپ میں کوئی وزنی سامان لدا ہوا تھا جس کا تعلق دھن راج سے ضرور تھا۔

اگر وہ لوگ کسی کو قتل کرنے کے لیے جا رہے تھے تو انہیں جیپ میں کوئی توپ لادنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی بھی جدید اور ہلکا پھلکا ہتھیار یہ کام سرانجام دے سکتا تھا۔ جب سے ہیروئن کی وبا پھیلی تھی' منشیات کا دھندا بھی منوں اور ٹنوں سے سمٹ کر محض کلوگراموں تک محدود ہو گیا تھا۔ چند کلو وزنی بریف کیس کے ہیر پھیر میں اتنی رقم کمائی جا سکتی تھی جو چرس وغیرہ کے منوں وزنی تھیلوں کے لین دین میں ہی ممکن تھی۔

اس تجزیے کے نتیجے میں اول خان نے رائے قائم کی تھی کہ وہ را والوں کے اشارے پر غیر قانونی ہتھیاروں کی منتقلی کی کوئی کوشش ہو سکتی تھی جس کا پیچھا کرنا زیادہ ضروری تھا۔

وہ معلومات یک جا کرنے کے بعد میں نے کنٹرول روم کا چکر لگایا۔ اس وقت تک وہاں اول خان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ رابطہ ختم ہونے سے پہلے قربان علی نے کنٹرول روم والوں کو جیپ کا نمبر اور ان تینوں میں سے ایک کا نام نوٹ کرا دیا تھا۔

دھن راج کے ہوٹل سے روانگی کے بعد مشتبہ جیپ کا رخ ان آبادیوں کی طرف تھا جو ترقیاتی اصطلاح میں ٹرانس لیاری کہلاتی ہیں۔ جیپ نمائش اور سہیل والی مسجد کے چوراہوں سے گزر کر جہانگیر روڈ پر مڑ چکی تھی۔ وہ سڑک تین ہٹی کے پل کو عبور کرتی ہوئی سیدھی لیاقت آباد میں داخل ہو جاتی ہے۔

مجھے یاد آیا کہ میں نے فون پر میجر بخشی سے بات کرتے ہوئے پچھلی بار اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ ڈینی لیاقت آباد کے گنجان آباد علاقے میں کہیں روپوش ہے۔ وہ پرانی بات تھی۔ اس شام میری اس سے جھڑپ ہو چکی تھی جس کا اختتام زیادہ تر خوشگوار نہیں تھا۔

قربان علی نے آرمز ڈیلر بھیشم داس اور اس کے دو ساتھیوں کی مشتبہ نقل و حرکت کا جو وقت بتایا تھا وہ میری اور میجر بخشی کی ملاقات کے بعد کا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے فوج میں میرے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ بتانے سے انکار کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔

وہ میری فراہم کی ہوئی من گھڑت معلومات پر آنکھیں بند کر کے انحصار کر رہا تھا۔ اس طرح واقعات کی مزید چشم کشا کڑیاں سامنے آ رہی تھیں۔ میں نے اس شام میجر بخشی کو مار ڈالا ہوتا تو بعد کے وہ واقعات ہرگز سامنے نہ آئے ہوتے۔

کنٹرول روم سے اول خان کے دفتر کی طرف جاتے ہوئے مجھے بس یہ قلق تھا کہ اس ساری پیش رفت میں قربان علی کسی ناگہانی مصیبت کا نشانہ بن گیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ وہ اپنے فرض پر قربان نہ ہوا ہو۔ کوئی بھی ہلکا یا گہرا زخم وقت کے ساتھ مندمل ہو سکتا تھا۔

زخم کا خیال آتے ہی میں نے اپنے بائیں بازو کو دھیرے سے فضا میں گردش دی۔ ایک خاص زاویے پر میرے بھرتے ہوئے زخم میں تیز ٹیس ابھری مگر مجھے یہ اندازہ لگا کر خوشی ہوئی کہ اس زخم سے پیدا ہونے والی عارضی معذوری سے بڑی حد تک نجات پا چکا تھا۔

اول خان کے دفتر میں پہنچتے ہی مجھے کنٹرول روم سے اطلاع ملی کہ اول خان قربان علی تک پہنچ چکا تھا۔ اس پر سامنے سے فائر کیا گیا تھا۔ گولی بائیں شانے کی ہڈی توڑ کر اندر پیوست ہو گئی تھی۔

قربان علی پر وہ حملہ تعاقب کے دوران ہوا تھا۔ وہ چلتی ہوئی موٹر سائیکل پر قابو نہ رکھ سکا۔ تیز رفتار موٹر سائیکل گرنے کے نتیجے میں اس کے پورے جسم اور چہرے پر شدید خراشیں آئی تھیں اور وہ موقع پر ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔

وہ سرِعام فائرنگ اور بظاہر کامیاب قاتلانہ حملے کی واردات تھی۔ شہر کے ماحول اور بسا اوقات پولیس کے جارحانہ رویّے کی وجہ سے عام شہری ایسی وارداتوں کا نشانہ بننے والوں کی مدد کرنے سے عموماً کتراتے ہیں مگر قربان علی کی خوش نصیبی تھی کہ وہ واقعہ دیکھنے والے چند درد مند شہری فوری طور پر اسے ایک مال بردار سوزوکی کے عقبی حصے میں ڈال کر عباسی شہید اسپتال لے گئے جہاں پوری توجہ کے ساتھ اسے بہترین طبی امداد دی جا رہی تھی۔ میری دعا بار آور ہوئی تھی' قربان علی زندہ تھا۔ اس نے دلیرانہ انداز میں مجرموں کا تعاقب کر کے غازیانہ کردار کی ایک قابلِ تعریف مثال قائم کی تھی۔

میں کرسی پر بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ سلطان شاہ نے درمیان میں ٹوکا "اب پچھتانا بے کار ہے۔ تم نے میجر بخشی کا کام تمام کر دیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ جو کچھ ہونے والا ہے' اس پر دشمنوں کی روحیں تک لرز کر رہ جائیں گی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سنجیدگی سے کہا۔

"قربان علی بری طرح زخمی ہوا ہے۔ پتا نہیں جیپ کے ذریعے لے جائے جانے والے ہتھیار اگلے دنوں میں کتنی جانوں کی ہمچینٹ لیں گے۔ کیا تمہیں اس بوجھ کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ جہانگیر روڈ پر رہنے والوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھی زندہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے قربان علی کی مدد کی ہے تو دوسروں نے گولی چلانے والوں کی راہ روکنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔ تم اتنی مایوسی کیوں دکھا رہے ہو؟"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ضروری نہیں کہ مظلوم کی مدد کا حوصلہ رکھنے والے اپنی جانوں پر کھیل کر ظالم سے بھی ٹکرا جائیں۔ بارود کی ننھی سی گولی بڑی ظالم شے ہوتی ہے۔ اس کی دہشت سے ہاتھی جیسا وجود رکھنے والے بھی چوہے کے بچے کی طرح کانپنے لگتے ہیں۔"

میں اس کی دی ہوئی مثال پر مسکرا کر رہ گیا۔ اگلے لمحے میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو وہ فوراً بول پڑا "اب کسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔"

"دیکھتا ہوں کہ دھن راج کیا کر رہا ہے۔" میں نے کہا "شاید اس سے کچھ معلوم ہو سکے۔"

"بے کار ہے۔ وہ تنگ پڑا ہوگا۔ ہو سکتا کہ فون اٹھانے والا بھی کوئی اور ہو۔"

"ایک کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے؟" یہ کہہ کر میں نے اس کا راست نمبر ملا ڈالا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دھن راج کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی تھی مگر وہ مدہوش نہیں تھا۔

"جمال.... کرنل جمال۔" میں نے بلا توقف جواب دیا "میں نے تمہارے رنگ میں بھنگ تو نہیں ڈالا؟"

"نہیں یار۔ تم نے اچھا کیا کہ فون کر لیا۔" اس کی بہکی ہوئی آواز میں گرم جوشی عود کر آئی "آج میں نے سنہرے بالوں اور چاند جیسے مکھڑے والی کامنی کو بلایا ہوا تھا۔ وہ سرور میں آکر دھیرے دھیرے ناچتی ہے تو سماں باندھ دیتی ہے۔ اسے لوٹا کر میں بہت اداس اور اکیلا ہو گیا ہوں۔"

مجھے اس کی ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر میں نے اسباب جاننے کی نیت سے پوچھا "بلایا تھا تو پھر اسے بھگا کیوں دیا؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے لیے یہ ساری نحوست تمہارے ڈینی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔"

"ڈینی میرا نہیں' تمہارا ہے۔ تم ہی اس کے لیے مرے جا رہے ہو۔" اس کے موڈ کا اندازہ لگا کر میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"کیا وہ کامنی کا دعوے دار بن کر وہاں پہنچ گیا تھا؟"

"کاش یہی ہوا ہوتا.... !" اس کی حسرت زدہ آواز ابھری۔ "انسان کا سوچا ہوا ہوتا ہی کب ہے؟ وہ نہیں آیا پر اس کا آسیب میرے آس پاس ضرور منڈلا رہا ہے۔"

"تم میرے تجسس کو بھڑکا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ میرا شکار ہونے والا ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "تم سرور کے عالم میں باتیں مزے کی کرتے ہو۔"

"سنا گیا ہے کہ وہ لیاقت آباد میں کہیں مرا ہوا ہے۔ میں نے اس علاقے میں اپنے آدمیوں کو کچھ ہتھیار پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ ہوئی ہے؟ کوئی خفیہ بات نہ ہو تو ذرا وضاحت سے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے فون پر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میں نے سارا بندوبست کر لیا تھا اور اس کامیابی کا جشن منانے کے لیے کامنی کو بلا لیا تھا۔ وہ بستر پر تھی' میں نے باہر والی بیٹھک میں سارا انتظام طے کر کے پارٹی کو رقم دے دی۔ گاڑی نکلی مگر منزل پر پہنچنے سے پہلے ...ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی۔"

مجھے اپنے دل میں ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا "آدمی تو بچ گئے نا؟ دیر سویر ضرور ہوگی مگر کام پورا کرنے والے زندہ ہونے چاہئیں۔"

"اچھا تھا کہ سالے مر جاتے۔" دھن راج کی بے رحمانہ آواز سے قلق جھلک رہا تھا "راستے میں ان تینوں کو وہم ہو گیا تھا کہ کوئی موٹر سائیکل والا ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ انہوں نے گولی مار کر اسے گرایا اور جیپ کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔ آگے ایک گلی سے نکلنے والے ٹرک سے ٹکرا کر جیپ الٹ گئی...."

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔" میں نے درمیان میں ہی اس سے ہمدردی ظاہر کی۔

"رائفلوں اور میگزین کے کریٹ بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ رفتار کی وجہ سے جیپ نے دور تک قلابازیاں کھائیں تو لکڑی کے سارے کریٹ چکنا چور ہو گئے۔ ہر طرف رائفلیں' میگزین اور گولیاں بکھری دیکھ کر وہ تینوں ایسے حواس باختہ ہوئے کہ اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر وہاں سے بھاگ گئے۔"

میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور ہاؤتھ پیں میں کہا۔ "تمہاری رقم تو نہیں ڈوبے گی' واپس مل جائے گی نا؟"

"رقم کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے سودوں میں سارا رسک خریدار کا ہوتا ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ ڈینی کے خلاف ہمارا آپریشن ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ایک ڈینی کی تلاش کے لیے ان لوگوں کو کتنے مہلک ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تمہیں اس واقعے کی خبر کیسے ملی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"بھیشم داس ان کا سرغنہ تھا۔ اسی نے فون پر مجھے خبر دی تھی۔ یہ سن کر میرا دل اتنا برا ہوا کہ میں نے کامنی کو فوراً لوٹا دیا۔ اس خبر نے میجر بخشی کو بھی حواس باختہ کر دیا ہے۔"

"مجھے تم دونوں سے ہمدردی کے ساتھ دکھ بھی ہے کہ کام نہ ہونے کے باوجود تم ایک بڑی رقم سے بھی محروم ہو گئے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں اسے ایک اور کچوکا دیا۔

"رقم میری تھی نہ بخشی کی۔ یہ سارا دھن بڑے بڑے بنیوں اور سیٹھوں سے بٹور کر یہاں لایا جاتا ہے۔ رقم اور آجائے گی۔ گیا وقت اور موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا خبریں ہیں۔ وہ تمہاری طرف نظر آیا یا ابھی تک غائب ہے۔"

"نظر آتا تو میں فوراً تمہیں بتا دیتا۔" میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

"ہاں' جلدی کچھ کرو۔ ڈپٹی اب اوبی کے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے۔ اس کی کتیا مری تو اس نے الزام ڈپٹی پر لگا دیا۔ اب وہ یہی کہے گا کہ جیپ کو ٹکر مار کر اللے والا ٹرک ڈپٹی چلا رہا ہو گا۔ ہم سب اس کے لیے مرے جا رہے ہیں اور وہ آرام سے بھنگ پیے' لیاقت آباد کے کسی کمرے میں سو رہا ہو گا۔"

وہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا اور بے سروپا باتیں بھی کر رہا تھا' میں نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ مجھے اس دوران میں یہ خیال بار بار ستا رہا تھا کہ اخوت' بھائی چارے اور آپس کے فائدے کے نام پر اکھنڈ بھارت کا پرچار کرنے والے وہ سب انتہا پسند اندر سے کس قدر متعصب اور دوغلے تھے کہ انہوں نے اپنے آس پاس اپنے ہم مذہبوں کی جتھے بندی کی ہوئی تھی۔

بخشی اور دھن راج کی طرح بھیشم داس بھی اپنے نام سے ہندو معلوم ہوتا تھا۔ دھن راج کی محبوبہ کامنی بھی مسلمان یا عیسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جن مسلمانوں سے کام یا معلومات لیتے تھے' انہیں اشتہے کے ڈھیلے کی طرح حسب ضرورت استعمال کر کے دور پھینک دیتے تھے۔

وہ جس پیمانے پر کام کر رہے تھے اس میں یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں تک محدود رہتے۔ مجھے دکھ تھا کہ ہندوؤں کے صدیوں پرانے نسلی تعصب کے باوجود بعض اہم پاکستانی ان کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں چوہدری سلام' سندھ کے چیف سکریٹری اور آئی جی کے نام سرفہرست تھے۔

یہ تینوں وہ لوگ تھے جو گھٹوٹل کی وجہ سے میرے سامنے بے نقاب ہوئے تھے۔ دوسرے پردہ نشینوں میں کس کس کا نام شامل تھا' یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔

اول خان کرب اور بے چارگی کے عالم میں نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ میں نے اس کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے فون پر دھن راج سے چھیڑ چھاڑ کر کے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔

فون پر دھن راج سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے کنٹرول روم سے اول خان کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ عباسی شہید اسپتال سے نکل چکا تھا۔ اس سے کنٹرول روم کے ذریعے ریڈیو وائرلیس پر رابطہ کیا جا سکتا تھا۔

ملیر چھاؤنی کے ایک وسیع میدان میں ایس ٹی ایف کے زیر استعمال بیرکس تین سمتوں پر اس طرح بنی ہوئی تھیں کہ بیشتر دفاتر اور کمرے ہر جگہ سے نظر آتے تھے۔ اول خان کے دفتر میں روشنی دیکھ کر دو نوں عورتوں نے اندازہ لگا لیا کہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو بھی اول خان کے آدمی کے بارے میں تشویش تھی۔ وہ ٹہلتی ہوئی وہیں آ گئیں۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں خوشگوار موڈ میں تھیں۔ ویرا میرے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد سارے گلے شکوے بھول چکی تھی۔

"تمہارے اوپر معلومات کا مینہ برس رہا ہے۔" ویرا نے تازہ ترین خبریں سننے کے بعد کہا "اب میجر بخشی یا اوبرائن کو بھی چھیڑ کر دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"یہ اندھے کی لاٹھی نہیں' سوچی سمجھی راہ تھی جو میں نے اختیار کی تھی۔ میں نے دھن راج سے اپنی اور بخشی کی ملاقات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ کسی اور کو چھیڑنا بے سود ہو گا۔ وہ رات بھر خود اپنی ہی آگ میں جلتے رہیں گے۔" میں نے اس کا مشورہ ٹال دیا۔

میں اس وقت اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ ویرا اور غزالہ کی آمد کے بعد باتوں میں الجھ کر وہیں بیٹھا رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان کا فون آ گیا۔

اسے کنٹرول روم والوں نے بتا دیا تھا کہ میں اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کہیں سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔

"قربان علی کا کیا حال ہے؟" اس کی دل جوئی کے لیے میں نے پہلا سوال کیا۔

"وہ بری طرح زخمی ہوا ہے مگر اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔"

"تمہیں علم ہو چکا ہو گا کہ اس کی قربانی رائگاں نہیں گئی ہے۔ وہ جیپ تھوڑی ہی دور نکلنے کے بعد ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہو گئی تھی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "یہ خبر تم تک پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔ وہ جیپ چوری کی ہے۔ حیرت ہے کہ دور تک قلابازیاں کھانے کے باوجود اس کے سوار موقع سے فرار ہو گئے۔ ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"انڈر ورلڈ میں بھیشم داس نامی آرمز ڈیلر کو تلاش کرو۔ وہ اپنے دو معاونوں سمیت بری طرح زخمی حالت میں فرار ہوا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اس کی وہ پریشانی رفع کردی۔

"تم حیران کن کارکردگی دکھاتے ہو۔ مجیشم داس ہمارے لیے نیا نام نہیں ہے۔"

"یہ سہولت بس اسی وقت تک ہے جب تک وہ میرے دہرے روپ پر بھروسا کررہے ہیں۔ جس دن یہ بھید کھلا' ہمارا کام بہت بڑھ جائے گا۔"

"جیپ میں بھاری تعداد میں میگزین اور ہزاروں فاضل راؤنڈز کے علاوہ بیس خود کار رائفلیں بھی تھیں۔ پورے شہر میں زبردست سنسنی پھیل گئی ہے۔ یہ مہلک سازوسامان ابھی تک سڑک پر بکھرا ہوا ہے کیونکہ صوبے کے اعلیٰ افسران ذرائع ابلاغ کے لیے اس حادثے کی یوں ہی فلم بندی کرانا چاہ رہے ہیں۔"

"یہ بہت اچھا ہوگا۔ لوگوں کو پتا چلے گا کہ ملک دشمن دہشت گرد کس پیمانے پر حرکت میں آچکے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فلمیں چھوٹے موٹے غداروں کے ضمیر جھنجھوڑنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"غداروں کے لیے تم نے چھوٹے اور بڑے کی تفریق کہاں سے نکال لی؟"

"بڑے غداروں کے نام تمہارے سامنے ہیں۔ کھٹمل کو حمایت فراہم کرنے والے چوہدری سلام اور اعلیٰ صوبائی افسران کو تم کس کھاتے میں ڈالو گے؟ شاید کوئی بڑی سے بڑی واردات بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گی۔ یہ ہماری آستینوں میں اسی طرح زہریلے سانپ پالتے رہیں گے۔"

"تمہیں اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" یکایک اس کی آواز قدرے دھیمی ہوگئی "ان برے اہل کاروں کے سروں پر جب تک دو چار فرض شناس لیڈر یا بیورو کریٹ بیٹھے ہیں' ان کی ناپاک سازشیں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔"

وہ شاید سانس لینے کے لیے رکا تھا کہ میں بول پڑا "ان کی کامیابیوں کا سفر سست ضرور ہے مگر جاری ہے۔ ان سے کون باز پُرس کرسکتا ہے؟"

"تم پوری بات سنے بغیر نتیجہ اخذ کررہے ہو۔ اس وقت صوبے کی اعلیٰ ترین انتظامی شخصیات یہاں جمع ہیں۔ ان کی باہمی گفتگو سے پتا چلا ہے کہ کھٹمل کی سرپرستی کرنے والے آئی جی کو معطل کرکے فرائض سے سنگین غفلت برتنے کے الزام میں خفیہ چارج شیٹ جاری کردی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ضابطے کی کارروائی کے بعد اسے معزول کردیا جائے۔"

"اور چیف سیکریٹری کا کیا بنا؟ وہ اب بھی دوسروں کو گمراہ کررہا ہوگا۔"

"نہیں۔ وہ بہت بڑا عہدے دار ہے مگر اس کا تبادلہ کردیا گیا ہے۔ اب وہ او ایس ڈی یعنی عضو معطل بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت جائے واردات پر ایک نیک نام افسر اس کی ذمے داریاں سنبھالے ہوئے ہے۔"

"وہ کتنا ہی بڑا عہدے دار ہو مگر وہ کرپٹ ہے۔ اس نے بھرے اجلاس میں کھٹمل کی مجرمانہ حمایت کی تھی۔ اتنے گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوسکتی۔ تبادلے کو سزا قرار دینا ایک سنگین مذاق ہے۔"

"یہ باریکیاں تم نہیں سمجھ سکتے۔ پورے ملک میں صرف ایس ٹی ایف ایس سروس ہے جس میں کسی بھی طریقۂ کار کے بغیر کھڑے کھڑے ہر شخص کو ملازمت سے برطرف کیا جاسکتا ہے۔ یہی طریقہ تقرر کا ہے کیونکہ فورس قانون سے ماورا ہے۔ دوسری تمام سروسز کو مضبوط قانونی اور آئینی تحفظات حاصل ہیں۔ میں یہ بات تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

"غیر اصولی باتوں کا جواز کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو' میرے دماغ میں نہیں سما سکتا۔ جرم سے چشم پوشی بھی برابر کا جرم ہے۔ ہمارے یہاں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

"میں باہر کی خیر خبر لیتا ہوں۔ یہاں سینہ بہ سینہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی جیپ ایس ٹی ایف کے اہل کار کے تعاقب کے نتیجے میں تباہی سے دوچار ہوئی ہے۔ ہر آنے والا افسر اس بارے میں مجھ سے بات کرنے کا خواہاں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ بات دشمنوں تک بھی پہنچ جائے گی۔"

"تمہیں اس بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ کچھ آنکھیں چوبیس گھنٹے ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہیں۔"

"پھر یہ ایک بہترین موقع ہے۔ مجیشم داس کے حوالے سے یہ خبر اڑا دو کہ وہ اوبرائن اور دھن راج کے ایما پر ہتھیاروں کی وہ کھیپ لے جارہا تھا۔"

"اس شوشے سے امریکی سخت دباؤ میں آجائیں گے مگر پہلی شرط یہی ہے کہ عجیشم ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ وہ بہت چالاک اور پیشہ ور مجرم ہے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ اسے گھیر لینے کے بعد ابتدائی طور پر تم اس سے ہر بات منسوب کرسکتے ہو۔"

اس کی ہلکی سی ہنسی میں سفاکی ابھر آئی "وہ پولیس والوں کا قیدی ہوگا۔ ان کی تھرڈ ڈگری کے سامنے ہر بات قبول لے گا۔"

"تم نے یہ کام کر دکھایا تو کھیل میں تیزی آجائے گی۔" میں نے اسے مزید شہ دی۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ اس واقعے کا پورا پس منظر جاننے کے لیے اب مجھے تمہارے ساتھ مل کر بیٹھنا ہوگا۔ میں کوشش کرکے جلد ہی واپس آؤں گا۔"

"آؤ۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔" میں نے یہ کہا اور فون بند

Downloaded from https://paksociety.com

کردیا۔

"مجھے حالات پر چھایا ہوا جمود ٹوٹتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اوبرائن ڈی ہینٹ کی بساط اب جلد ہی لپیٹ دی جائے۔" ویرا نے پرامید لہجے میں کہا۔

"اوبرائن جس منصوبے پر کام کررہا ہے' اسے آسانی سے تباہ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر پرخیال انداز میں کہا "اس منصوبے پر نئی دہلی سے واشنگٹن تک سیکڑوں دماغ پوری عرق ریزی سے شب و روز کام کررہے ہوں گے۔"

"وہ سب پس پشت ہیں۔ یہاں اوبرائن ہی ماسٹرمائنڈ ہے۔" وہ بولی۔

"ہم اسے مار گرانے کی امید کرسکتے ہیں۔ اس کے ہٹنے سے منصوبے کی رفتار سست ہوجائے گی مگر اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہوگا۔"

"ہم وہی کام کرسکتے ہیں جو ہماری بساط میں ہے۔ اس سے بڑھ کر کارگزاری دکھانے کی کوشش میں ہم نقصان بھی اٹھا سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"سچ پوچھو تو مجھے موجودہ حالات میں اوبرائن کا منصوبہ بہت ناقص نظر آرہا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایک نئی بات کہہ کر سب کو چونکا دیا۔

"محرکات' عوامل اور نتائج تمہارے سامنے آنے لگے ہیں اور تم پھر بھی ایسی خوش فہمی کا مظاہرہ کررہی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تاریخ کے بعض اصول بہت اٹل ہیں۔" ویرا نے فضا میں انگلی بلند کرکے کہا "ہر خطے میں فکری تبدیلیاں صدیوں کے ارتقائی عمل کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ اس...."

"ٹھہرو!" سلطان شاہ نے اسے درمیان میں ٹوک دیا "اپنے یہ نادر فلسفے ذرا آسان سی اردو میں بیان کرو تو میں بھی کچھ سمجھ سکوں گا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "یہ مطالبہ کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اہل زبان ہو اور ویرا امریکی ہے۔ اس نے کون سی پیچیدہ بات کی ہے؟"

"مجھے نا اہل زبان ہی رہنے دو۔ ویرا میری بات سمجھ چکی ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"میں کہہ رہی تھی کہ اس اصول کا اطلاق اوبرائن کے منصوبے پر بھی ہوتا ہے۔ امریکی ایک جلد باز قوم ہیں۔ وہ صبر کے ساتھ ایسی فکری تبدیلیوں کا انتظار نہیں کریں گے۔"

"تم بات کو گھما پھرا رہی ہو۔ تمہارا مطلب کیا ہے؟" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اس وقت مقامی ردِعمل اور مزاحمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہے ہیں۔ جب کچھ کرنے کا ارادہ کریں گے تو ان کی یہاں فوجی موجودگی ناگزیر ہوگی۔"

"تم کیا بڈیان بک رہی ہو؟" سلطان شاہ اضطراری انداز میں ویرا پر برس پڑا "امریکی فوجوں کو یہاں آنے سے پہلے اپنے خون کے سمندر سے گزرنا ہوگا۔ یہ ملک اس لیے نہیں بنا تھا کہ باہر سے آنے والے ہماری تقدیروں کے فیصلے صادر کریں۔"

سلطان شاہ کے جارحانہ تیور دیکھ کر ویرا اٹپٹا گئی اور مدافعانہ انداز میں بولی "مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا اصل منصوبہ کیا ہے۔ میں ایک امکان کا ذکر کررہی تھی۔ تم بلاوجہ ہی جذباتی ہوئے جارہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اب میں بھی تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پاکستان کو عزیز رکھتی ہوں۔ میں اس ملک کی بدخواہ نہیں ہوں۔"

"ہم یہاں لڑنے کے لیے نہیں' مسائل کا حل سوچنے کے لیے بیٹھے ہیں۔" غزالہ نے ویرا کی حمایت میں سلطان شاہ کو سمجھایا۔

"ویرا کو اپنی بات پوری کرلینے دو۔"

"اب مجھے فوجی موجودگی کے مفہوم کی بھی وضاحت کرنا ہوگی۔" ویرا نے استقامت سے کہا "تم یہ دیکھو کہ عالمی طاقتوں نے پورے اہتمام کے ساتھ دنیا کے ہر اہم خطے میں ایسے نازک معاملات کو زندہ رکھا ہوا ہے جنہیں جواز بنا کر وہ کہیں بھی دخل انداز ہوسکتے ہیں۔"

"کیا تم اب کشمیر کا حوالہ دینے کا ارادہ رکھتی ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بالکل!" ویرا مسکرائی "شاید تم کو یاد ہوگا کہ ڈینی سے اپنی گفتگو میں اوبرائن ڈی ہینٹ نے اعداد و شمار کے ذریعے یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ پاکستان نے صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے پورے خطے میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"مگر ہم ایٹمی طاقت نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"یہ قوت بھی ہمارے حریف بھارت کے پاس ہے۔ اگر ایٹمی دہشت گردی ہورہی ہے تو بھارت اس کا ذمے دار ہے۔"

"یہ تم کہتے ہو۔ دنیا کو اس پر اعتبار نہیں ہے۔ اسلامی بم کے حوالے سے بنائی جانے والی فلموں میں تمہارے ہم وطنوں کو شرلاک ہومز سے بھی زیادہ چالاک اور عیار دکھایا گیا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے' محدود تجربات ہوچکے ہیں۔ اعلان کے لیے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کیا جارہا ہے۔ امریکا بھی بار بار یہی کہتا ہے۔"

"تم بار بار ویرا کی بات کاٹ رہے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو ٹوکا۔

"تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ رہی ہوں۔" ویرا نے کہا "میں وہ باتیں دہرا رہی ہوں جو میری دانست

Downloaded from https://paksociety.com

میں امریکیوں کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی ہیں۔"

"تم بولتی رہو' میں تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ دیکھو کہ عراق کے ساتھ کیا کیا گیا۔" ویرا نے بات جاری رکھی "ایک واضح عالمی اکثریت کو یقین ہے کہ امریکا کے پروردہ مشیروں نے عراقی قیادت کو یقین دلایا کہ وہ بہ زورِ قوت کویت سے اپنا علاقہ واپس لے لے' امریکا کے کان پر جوں بھی نہیں رینگے گی مگر پھر کیا ہوا؟"

"جو کچھ ہوا' وہ اب تاریخ کی امانت ہے۔ آنے والا وقت ہی اس درندگی اور بہیمیت کا فیصلہ کرے گا۔" سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکا کو اس دور دراز علاقے میں ایسی سازشی مداخلت کی کیا ضرورت تھی۔ ان گنت جانیں اس یک طرفہ جنگ کا ایندھن بن گئیں۔" غزالہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"امریکا کی نظر اس علاقے کے تیل کے ذخائر پر تھی۔ آج وہ ان پر قابض ہے۔ اسے اپنے جدید ترین جہازوں اور ہتھیاروں کے لیے ٹیسٹ فیلڈ درکار تھی۔ اس کی اسلحہ ساز فیکٹریاں بند پڑی تھیں۔ جنگ کے بعد دنیا بھر میں امریکی ہتھیاروں اور طیاروں کی زبردست مانگ پیدا ہو چکی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے عراقی قیادت کو دانستہ بہکایا گیا تھا۔" سلطان شاہ معترض ہونے کے باوجود ویرا کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"کہا یہی جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے دشمن کے اس کھیل کو نہیں سمجھ سکے اور دام میں آ گئے۔ یہ ان کا آزمودہ فارمولا بن چکا ہے۔ وہ اسے کہیں اور بھی آزما سکتے ہیں۔"

سب خاموش رہے۔ جب ویرا دوبارہ کچھ نہ بولی تو سلطان شاہ نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے بے چینی سے کہا "تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟ وہ اس فارمولے کو کہاں اور کیسے آزمائیں گے؟ تمہاری یہ باتیں اب کسی حد تک سمجھ میں آ رہی ہیں۔"

"اس سے آگے میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔ تم بھی اپنی عقل پر زور دو۔ میں نے کچھ کہا تو تم پھر مجھ سے لڑنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے۔"

ویرا نے اس منصوبے کے ایک نئے پہلو کا ذکر چھیڑ کر مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا۔

روس کی ٹوٹ پھوٹ اس کی افغانستان میں مداخلت کی وجہ سے رہی ہو یا اقتصادی تباہی کے باعث' اس کے بعد طاقت کا عالمی توازن بگڑ چکا تھا۔ امریکا قوموں کے دنگل میں اکلوتا سورما رہ گیا تھا جو ہر طرف بنکارتا پھر رہا تھا۔ عالمی ادارے اس کے گھر کی باندی بن کر رہ گئے تھے۔ وہ ان کے ذریعے اپنی من پسند منظوریاں لینے کی پوزیشن میں تھا۔

دوسری طرف کشمیر میں کنٹرول لائن کے نام سے ایک سلگتی ہوئی بارودی لکیر موجود تھی۔ امریکا بھارت یا پاکستان میں سے جس پر بھی ٹامہربان ہوتا' اپنے نمک خواروں کے ذریعے اس کے کسی طالع آزما کو اس لکیر میں اپنی پسند کی تبدیلیاں لانے پر اکسا سکتا تھا۔

دونوں میں سے کسی بھی حریف کو اپنے جال میں پھانس کر بعد میں جارحیت کا ٹھپہ لگانا خارج از امکان نہیں تھا۔ اسی نعرے کی بنیاد پر امریکا قوموں کی عالمی انجمن کے نام پر علاقے میں اپنی بھرپور فوجی موجودگی کا رسمی جواز فراہم کر سکتا تھا۔

وہ سب بہت دور کی اور بھیانک باتیں تھیں۔ میں ایک... جھرجھری لے کر رہ گیا اور ان پراگندہ خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویرا اپنی سوچ کے اعتبار سے شیطان کی خالہ تھی۔ اپنا زورِ بیان جس طرف صرف کرتی تھی' اس بات کو صداقت کی دہلیز تک پہنچا کر ہی دم لیتی تھی۔

میں اول خان کے دفتر سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ وہ عالمی سیاست اور آویزشوں کے قصے تھے جب کہ ہم میں سے کوئی بھی اس شعبے میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔ ہماری لڑائی کی ابتدا پاکستان سے ہیروئن کے انسداد سے ہوئی تھی۔ اس جنگ میں دور تک جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا تھا کہ اس نشے کی غیر قانونی تجارت کا سب سے بڑا مخالف امریکا ہی شی نامی تنظیم کے ذریعے ہیروئن کی خطیر آمدنی سے استفادہ کر رہا تھا۔

اس دن کے بعد سے ہم پر ہر لمحے امریکا پر حکمرانی کرنے والوں کے نت نئے اور گھناؤنے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے جن میں بنیادی نکتہ پاکستان سے مخاصمت پر مبنی تھا۔

اس لڑائی میں میں نے انفرادی طور پر امریکی مفادات کو اتنا شدید جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا کہ کچھ عرصے سے ہیروئن کے معاملات پس پشت چلے گئے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے امریکا میرے خلاف اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھے پیس ڈالنا چاہتا ہو۔

میری اور ویرا کی امریکا سے واپسی کے بعد انفرادی زور آزمائی کا یہ رنگ زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔ میرے خلاف اس جنون کو اوبرائن نے بہت زیادہ ہوا دی تھی اور پھر اسی کی زبان سے ایشیا کے بارے میں امریکا کے نئے اور چونکا دینے والے سیاسی عزائم سامنے آئے تھے۔

اوبرائن پاکستان میں تھا اور پاکستان میرا گھر تھا۔ سرکاری سطح پر کی جانے والی تردیدوں اور بعض مواقع پر میرے خلاف اختیار کیے جانے والے مخاصمانہ رویّے کے باوجود امریکیوں کو یہ یقین تھا کہ ان کے خلاف مجھے پاکستانی حکومت کا پورا پورا تعاون حاصل تھا اور میں بھاری افرادی قوت کے ذریعے ہر اہم موقع پر ان کے

Downloaded from https://paksociety.com

پیچھے لگا رہتا تھا۔

روشن برآمدے میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر سیاسی معاملات سے دوری اختیار کرلوں گا۔ سیاست میں گمنام رہ کر بے لوثی سے کام کرنے والوں کا انجام عام طور پر قابلِ رشک نہیں ہوتا تھا۔

اول خان کے دفتر سے اپنے کمروں کی طرف لوٹتے ہوئے میں نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا تو ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "تمہیں اس فیصلے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"

"کیوں؟" میں نے دور سے آنے والی روشنیوں کے دھندلکے میں اسے گھورا "مجھے اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کرنے کے لیے کس کی اجازت کی ضرورت ہے؟"

"بھنور میں آئے ہوئے تنکے بالکل بے بس اور بے بساط ہوتے ہیں۔ وہ لہروں کا ساتھ چھوڑ کر اسی گرداب میں گھومتے رہتے ہیں۔ تم بھی حالات کے قیدی ہو۔"

"آپ ویرا کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے مجھے سمجھایا "آپ اپنی مرضی سے سیاست کی طرف کب جاتے ہیں؟ مجبوریاں اس طرف دھکیل دیتی ہیں۔"

"جرائم کی تفریق بس پگلی سطحوں پر پائی جاتی ہے۔ کوئی منشیات فروش ہوتا ہے، کوئی قاتل اور کوئی دہشت گرد مگر اوپر کی سطح پر سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوجاتا ہے۔" ویرا بولی۔

آپ کے لیے کھٹمول اور چوہدری سلام موت کے سوداگر تھے مگر وہ سیاست داں بھی تھے۔ انہیں سیاست کے نام پر معاف یا نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔" غزالہ نے دلیل دی۔

"اوبرائن کیا ہے؟" ویرا نے سوال کیا "تمہارے ملک کا دشمن، تمہارے لہو کا پیاسا! کیا تم اسے صرف اس وجہ سے چھوڑ دو گے کہ وہ ایشیا کے لیے ایک نئے سیاسی منصوبے پر کام کررہا ہے؟"

مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس گرداب میں کچھ بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں تھا۔ حدِ فاصل لگانے کے چکر میں میں کہیں بھی بے خبری میں مارا جاسکتا تھا۔

بارہ بجے تک ہم ایک ساتھ بیٹھے اول خان کی واپسی کا انتظار کرتے رہے پھر عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سلطان شاہ تھکے ہارے انداز میں اپنے پلنگ پر دراز ہوگیا۔

اول خان دو بجے کے بعد تھکا ہارا ہمارے پاس آیا تو اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔

"بھیشم داس اپنے دونوں زخمی ساتھیوں سمیت سولجر بازار کے ایک اسپتال سے پکڑا گیا ہے۔ بھیشم بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس کے دونوں آدمی بے ہوش ہیں۔ ان کے زخموں سے بہت زیادہ خون ضائع ہوچکا ہے۔" اول خان نے انگڑائی لے کر بتایا۔

مجھے بے اختیار اپنے بازو کا مندمل ہوتا ہوا زخم یاد آگیا۔ میرے ساتھ بھی بالکل وہی صورت رونما ہوئی تھی جس سے بھیشم کے دونوں ساتھی دوچار تھے۔

"وہ تینوں کہاں ہیں؟" ان کی حالت کے پیشِ نظر میرا وہ سوال فطری تھا۔

"دونوں بے ہوش اسپتال میں ہی پولیس کے پہرے میں ہیں۔ بھیشم کو میں نے یہاں گارڈ روم میں اسٹاف کے حوالے کردیا ہے۔ صبح تک اس کی طبیعت صاف ہوجائے گی۔"

"اس سے پوچھ گچھ کا کام ہمیں خود سرانجام دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے جوش سے کہا۔

"رہنے دو۔ اس پر بلاوجہ اپنی رات کالی نہ کرو۔ یہاں پہنچنے تک وہ رو رو کر دعوے کررہا تھا کہ اس کا کسی جہت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ تینوں پیدل چلتے ہوئے حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "صبح تک اسے ساری بھولی بسری باتیں یاد آجائیں گی۔"

قربان علی کو اسپتال سے کب رخصت کیا جائے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ہڈی نازک جگہ سے ٹوٹی ہے۔ اسے آرام کے لئے کئی دن وہاں رہنا ہوگا۔" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں بتایا۔ "اچھی بات یہ ہے کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔"

"ہتھیاروں کی اس کھیپ کے اصل مجرموں کے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے؟"

"بھیشم کی زبان سے وہ اصل کہانی جاری کردیں گے مگر اوبرائن کے خلاف قطعی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ سفارتی مراعات کی وجہ سے ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اسے ناپسندیدہ قرار دے کر نکالا گیا تو دونوں ملکوں کے مراسم میں تلخی آجائے گی۔"

"میجر بخشی کی بھی بالکل وہی پوزیشن ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"نئی دہلی میں ہمارا سفارتی عملہ مختصر اور بالکل صاف ستھرا ہے۔ انفارمیشن نیٹ ورک ان سے بالکل الگ ہوکر اپنا کام کررہا ہے۔ یہاں کچھ ہوا تو وہ ایک آدھ افسر کے انخلا اور احتجاج سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"

لباس تبدیل کرکے بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی اول خان ہتھیاروں کی کھیپ کا راز فاش ہونے کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ مجھے دھن راج سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے من وعن اسے بتادیا تاکہ وہ پوری باخبری کے ساتھ اس معاملے کو سنبھال سکے۔

○☆○

بھیشم گہری سیاہ رنگت، پستہ قامت اور بھاری بدن کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا مکروہ صورت بھی واقع ہوا تھا۔ اس کے چوڑے چہرے اور پھیلے ہوئے جبڑوں پر کئی جگہ سے سیاہ جلد پھوڑوں کی شکل میں پھولی ہوئی تھی۔ رہی سہی کسر زخموں سے بہہ کر

Downloaded from https://paksociety.com

جمنے والے خون نے پوری کردی تھی۔ اسے نظر بھر کر دیکھنا کوئی خوش گوار عمل نہیں تھا۔

گارڈ روم کی سلاخوں والی کھڑکی سے ہم نے اسے تنگے فرش پر پڑا ہوا دیکھا' اس نے ہمیں دیکھ لیا اور دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر فریاد کرتا ہوا فرش سے اٹھنے لگا۔

محافظ نے تالا کھول کر پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ میں اول خان کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

ہیشم اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن داہنی طرف بہت زیادہ جھکا ہوا تھا۔ اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ حادثے میں اس کے دونوں ساتھیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹی تھیں۔ مگر معجزانہ طور پر بھشم کی ساری ہڈیاں سلامت تھیں۔ اسے متعدد ہلکے اور گہرے زخم آئے تھے یا پھر اندرونی چوٹیں تھیں جو نظر نہیں آسکتی تھیں۔

ہیشم کے دماغ پر حادثے کی دہشت یا اپنے ساتھیوں کے بارے میں تشویش مسلط نہ ہوتی تو وہ چیک اپ کے بعد اسپتال سے نکل بھاگا ہوتا مگر اول خان کے ہاتھوں گرفتاری اس کا مقدر بن چکی تھی۔ وہ اس خطرے کو بھول کر وہاں رکا رہا اور پکڑا گیا۔

"مائی باپ! مجھے بخش دو' مجھے معاف کردو۔ میں نے جیپ چرائی تھی۔ آگے مجھے کچھ پتا نہیں۔ میرے اوپر اتنا ظلم مت کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

وہ رک رک کر ٹوٹے پھوٹے فقروں میں ایسی ہی تکرار کئے جارہا تھا۔ اول خان نے قہربار نظروں سے محافظ کی طرف دیکھا اور وہ پریشان ہوگیا۔

"سر! ایک گھنٹے میں ہی یہ بولنے لگا تھا۔ کچھ دیر آرام کرکے اب اس نے پینترا بدل لیا ہے۔ میں اس کا دماغ ابھی درست کرتا ہوں۔"

وہ لپک کر فضا میں اچھلا۔ اس کے دونوں وزنی جوتے پوری قوت سے ہیشم کے سینے پر پڑے۔ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا دور جاگرا۔

گارڈ نے دوسری فلائنگ کک کے تیور اختیار کئے ہی تھے کہ ہیشم دہل اٹھا۔ "باپ رے باپ! بس کرو۔ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ میں اپنے جنم میں تھوکوں' میں نے کیوں منہ کالا کیا تھا؟ ہائے رے! وہ ٹرک نہ بیچ میں مرتا تو میرا یہ حال نہ ہوتا۔"

"ابے' یہ بین بند کرا اور سیدھی طرح بتا کہ دھن راج نے تجھ سے کیا سودا کیا تھا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پشت پر زوردار ٹھوکر رسید کرکے پوچھا۔

وہ بلبلا اٹھا اور پھر کسی دہشت زدہ بلی کی طرح چاروں ہاتھ پیروں پر پیچھے سرکتے ہوئے بولا۔ "تم کو سب معلوم ہے تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ سالا....."

"صرف سوال کا جواب دو ورنہ ادھیڑ دیئے جاؤ گے۔" میں نے خونخوار لہجے میں دھمکی دی۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ "یہ سات لاکھ ہیں ہزار کا سودا ہوا تھا۔"

"تم اس سے دو دفعہ ملے تھے۔ اس نے تمہیں رقم کس وقت ادا کی تھی؟"

"چھ لاکھ مال جمع کرنے کے لئے پیشگی لئے تھے۔ مال لے کر ہوٹل پہنچے تو باقی رقم مل گئی تھی۔"

"جیپ میں بھرے ہوئے ہتھیار تمہیں کس کو پہنچانے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ان..... انگارہ گوٹھ میں۔" اس نے ہکلا کر بہت مختصر سا جواب دیا۔

"پورا پتا بتاؤ کتے کے بچے!" میں نے گرج کر اسے ایک اور ٹھوکر لگائی۔

"انگارہ گوٹھ۔ لالو کھیت بی ایریا میں ہری چند کی دکان پر۔" ایک بے ساختہ چیخ کے بعد وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولتا چلا گیا۔

"یہ پتا پورا نہیں ہے۔ تفصیل بتاؤ۔ ہری چند وہاں کیا بیچتا ہے؟"

"مائی باپ یہ پورا پتا ہے۔ انگارہ گوٹھ بی ایریا کے پیچھے ندی کے کنارے بنی آبادی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہری چند وہاں بھوسا' پھٹی' چوکر اور چارہ بیچتا ہے۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اول خان کی طرف دیکھا اور اس نے سرہلا کر ہیشم کی بات کی تائید کرکے میرا غصہ ٹھنڈا کردیا۔

میجر بخشی' دھن راج اور ہیشم کی طرح ہری چند بھی ہندو تھا۔ اس وقت تک دہشت گردی کی اس کڑی میں کسی مسلمان کا نام نہیں آیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ رازداری کے ان بنیادی مراحل کے بعد یقینی طور پر ہر مذہب کے ملے جلے کارندوں کو خریدا گیا ہوگا۔

"ہری چند گھاس پھوس میں ان ہتھیاروں سے کیا کام لینے والا تھا؟"

"خدا قسم' یہ ہم کو نہیں پتا۔ ہم پیسہ لے کر اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہے۔"

"تم نے پہلے بھی دھن راج کے لئے ایسے کام کئے ہوں گے۔" میں نے سوال کیا۔

"دو تین چھوٹے موٹے دھندے کئے تھے۔ یہ بڑا ڈیل تھا۔" اس نے اقرار کیا۔

"تم ایک مدت سے یہ کام کررہے ہو۔ کئی بار پکڑے بھی گئے ہو اور ہر بار حوالات سے چھوٹ آتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" اس بار باز پرس کی ذمے داری اول خان نے سنبھال لی۔

ہیشم کا جواب میرے لئے متوقع تھا۔ "صاب! یہ ہمارا روزی

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ ہم مل بانٹ کر کھانے والا آدمی ہے۔ پولیس کو بھی حصہ دیتا ہے۔ ان کو زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے تو پکڑ کر بند کردیتے ہیں۔ م بھاؤ بڑھادیتا ہے تو جان خلاصی ہو جاتی ہے۔"

"تمہارے پاس ایسے خطرناک ہتھیار کہاں سے آتے ہیں؟"

یری دانست میں اول خان کا وہ سوال غیر ضروری اور بچگانہ تھا۔

"لانچ سے آتا ہے۔ امپورٹر لوگ بلیک کرتا ہے۔ دس راستے ں۔"

"تم نے کبھی اوبرائن ڈی ہنٹ یا اولی کا نام سنا ہے؟" میں نے کہنی سے اول خان کے پہلو میں ٹہوکا دے کر اسے خاموش کرکے پوچھا۔

"نہیں صاب..... ہم نے کبھی کسی ہنٹ شنٹ کا نام نہیں نا۔"

"مگر اب سن لیا ہے۔" میں نے سفاکانہ غراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ یہاں تم ہتہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔"

"جی صاب!" وہ جلدی سے بولا۔

"جب تم اپنے بیان کے آخر میں ان لوگوں کے نام بتاؤ گے ن کو اب تک ہتھیار سپلائی کرتے رہے ہو تو اس میں اولی کا نام ی ہوگا۔ یاد رکھنا کہ یہ ایک گورا ہے۔"

"مم..... مگر صاب ہم اس کو نہیں جانتا۔" اس نے جھجکتے وئے کہا۔ "بہت سا خریدار سامنے ہی نہیں آتا۔ ہم کسی خالی گھر یا کان میں مال پہنچاتا ہے۔ وہیں رقم کا تھیلا مل جاتا ہے۔ سارا ڈیل ن پر بات چیت سے طے ہو جاتا ہے۔"

"جو جانتے ہو' وہ سب بتاؤ گے اور اولی کا نام بھی لوگے ورنہ م تمہیں دوبارہ یہاں لے آئیں گے۔ یہاں دور دور تک کوئی ہاری مدد کے لئے نہیں آئے گا۔"

حیثم داس ان پختہ کار اور خرانٹ مجرموں کے قبیلے سے علق رکھتا تھا جو اپنی بساط کے مطابق آخر تک اپنے رازوں کی فاظت کرتا ہے مگر جب یہ بھانپ لیتا ہے کہ زبان کھولے بغیر جان میں بچ سکے گی تو پھر وہ خود بہ خود بچ بولنے لگتا ہے۔

وہ شخص انتہائی سخت جان اور چرب زبان ہونے کے ساتھ آخری درجے میں خوشامدی بھی ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے اقرار پر ں نے یقین کرلیا کہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکلنے کے بعد وہ پنے وعدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

"صاب.....! ہم بھوکا پیاسا مر رہا ہے۔ ہم کو کچھ چائے کھانا ی دے دو۔" ہمارے نکلتے نکلتے اس نے گڑگڑا کر التجا کی۔

ہم تینوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا لیکن دروازہ مقفل ہونے کے بعد اول خان نے گارڈ کو اس کے ور ونوش کے بارے میں ہدایت دے دی۔

اول خان مجھے اپنی اس دن کی مصروفیات کا ہلکا سا خاکہ بتانے کے بعد وہیں سے دفتر کی طرف ہولیا۔ میں واپس کمرے میں پہنچا تو سلطان شاہ گہری نیند سو رہا تھا۔

آسمان کے مشرقی گوشوں پر صبح کی سفیدی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ خلا میں ہم سے بہت دور سورج شاید زمین کے اس خطے کی مقابل اپنا سر ابھار چکا تھا مگر میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ میری ذاتی رائے نہیں تھی' بس کہیں پڑھی ہوئی یہ سائنسی حقیقت ذہن کے کسی گوشے میں اٹکی رہ گئی تھی کہ پونے دو لاکھ میل فی سیکنڈ سے زیادہ رفتار سے سفر کرنے والی روشنی سورج سے زمین تک پہنچنے میں پورے آٹھ منٹ لیتی ہے۔

صبح کے اولین اجالے میں یہ خیال بہت فکر انگیز تھا کہ ہم اپنے گرد پھیلے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں روشنیوں کی صورت میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اس وقت کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ فاصلوں کے لحاظ سے چند منٹ' چند گھنٹوں یا چند صدیوں پہلے کا ماضی ہوتا ہے جو ہمیں بعد میں دکھائی دیتا ہے۔

ہم سب کائنات کے ایسے لامتناہی اور وسیع نظام میں رہ رہے تھے جس میں زمین تو کیا' شاید سورج کی بھی کوئی زیادہ بڑی حیثیت نہیں تھی مگر اس زمین پر بسنے والے انسانوں کا یہ عالم تھا کہ اربوں کی آبادی میں رہنے والے بعض اوبرائن اور بھیشم خود کو فرعونِ وقت تصور کرکے سب کچھ بدل دینے کے خواب دیکھتے رہتے تھے۔

اس رات میں نے بس ذرا سی دیر کے لئے اونگھنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس وقت نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن تھکا ہوا اور سر بھاری تھا میں بستر پر دراز ہونے کے بجائے غسل خانے کی طرف ہولیا۔

طویل اور فرحت انگیز غسل کے بعد میں واپس لوٹا تو تپائی پر تازہ اخبارات موجود تھے۔

ہر اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں پچھلی شام کے اسی حادثے کی خبر تھی جس کے نتیجے میں شہر میں ہتھیاروں کی آزادانہ ریل پیل سامنے آئی تھی۔

خبروں کے مطابق اس انکشاف سے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ شہری عدم تحفظ کے احساس کا شکار ہوگئے۔ وہ اخباری نمائندوں کے اپنے لگے بندھے اندازے ضرور ہوسکتے تھے مگر حقیقت سے زیادہ قریب نہیں تھے۔

کسی بھی اخبار کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی مدت میں شہر کی آبادی کے تمام طبقوں کا سروے کرکے کوئی یقینی بات لکھ سکے۔ نامہ نگاروں نے اپنی میزوں پر بیٹھ کر سنسنی خیزی کے لئے جو کچھ لکھا' وہ بیشتر اخباروں نے من و عن چھاپ دیا تھا۔

یہ طے تھا کہ وہ ان دنوں کی شاید سب سے بڑی خبر تھی اور اس میں دفتری حاشیہ آرائیوں کے ساتھ فیلڈ ورک بھی نمایاں تھا۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ بھیشم اور اس کے دو زخمی ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات سے پوشیدہ رکھی گئی تھی لیکن

Downloaded from https://paksociety.com

کسی وجہ سے وہ خبر پوری صحافی برادری میں پھیل چکی تھی۔ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے اہم اور بڑے مجرموں کی گرفتاری کی خبر ہر اخبار میں موجود تھی مگر اردو کے ایک ممتاز اخبار نے بادوثوق ذرائع کے حوالے سے دو زخمی مجرموں کی تحویل اور ایجنسیوں کے ہاتھوں ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر چھاپ ڈالی تھی۔

امن و امان کے قیام اور ہتھیاروں کی نقل و حرکت کی نگرانی کے ذمے دار تمام ادارے میدان میں اتر کر سرگرم ہو چکے تھے۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں اہم حقائق کی نشان دہی کی توقعات ظاہر کی گئی تھیں۔

اس واقعے میں ایس ٹی ایف کے قربان علی کا کردار اس قدر اہم اور کلیدی تھا کہ اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہی نہیں تھا مگر اس کی شناخت کے لئے ایس ٹی ایف کے بجائے ایک خفیہ وفاقی ایجنسی کے الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔

شاید وہ پہلا موقع تھا کہ ایس ٹی ایف کے کسی اہل کار کا نام اور کارنامہ اس طرح اخبارات کی زینت بنا تھا ورنہ وہ لوگ پس پردہ رہ کر بڑے بڑے کام سرانجام دیتے تھے اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس کا سہرا معروف سرکاری اداروں کے سر پر سجا دیتے تھے۔

ایک ایک کر کے میرے بقیہ ساتھی بھی بیدار ہو گئے۔ اس وقت تک میں اخبار بینی اور ناشتے سے بالکل فارغ ہو چکا تھا۔

یہ جان کر ان تینوں کو مایوسی ہوئی کہ بھیشم داس جیسے خوف ناک مجرم کی آمد اور اس سے باز پرس کے مراحل ان کے بیدار ہونے سے پہلے طے ہو چکے تھے۔

اس وحشی درندے کے دیدار کے لئے اول خان کی تلاش کی گئی تو پتا چلا کہ وہ رات گئے لائے جانے والے مجرم سمیت کہیں جا چکا تھا۔

ویرا کا چہرہ یوں لٹک گیا جیسے اسے اس کے کسی بنیادی حق سے محروم کر دیا گیا ہو۔

"ہماری آنکھ لگ گئی تھی تو اول خان کے آنے پر ہمیں بیدار کیا جا سکتا تھا۔" ویرا نے احتجاج کیا۔ "اس سے پہلے بھی ضروری کاموں کے لئے ہماری نیندیں خراب کی جاتی رہی ہیں۔"

"رات کو کوئی اس سے نہیں ملا تھا۔" سلطان شاہ نے بتایا۔ "اول خان بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ اسے گارڈ روم اسٹاف کے حوالے کر آیا تھا۔"

"اگر تم بھی اس سے نہیں مل سکے تو پھر مجھے اپنی محرومی کا کوئی افسوس نہیں ہے۔"

"وہ کوئی وی آئی پی نہیں تھا کہ اس سے ملنا میرے لئے باعثِ فخر ہوتا۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کے کہا۔ "نہیں ملا تو نہ سہی۔ میرے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ پکڑا گیا۔"

"تم پر رفتہ رفتہ کاہلی غالب آتی جا رہی ہے۔ شاید اب تم تھک گئے ہو۔"

"تم جو چاہے کہتی رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ڈھٹائی اسی کو کہتے ہیں۔ میں ڈپٹی سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں کی فضا ہمیں راس نہیں آ رہی۔ ہم چاروں کو جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" ویرا نے تیزی سے کہا۔

غزالہ ان دونوں کے درمیان بحث چھڑتے ہی غسل خانے کی طرف ہو لی تھی۔ ویرا نے ادھر ادھر نظریں گھما کر اسے غائب پایا تو اخبار لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

سلطان شاہ اسے چڑانے کے لئے ہولے ہولے کچھ گنگنانے لگا۔ میں ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ صبح صبح ان کی کسی تکرار میں ملوث ہو کر میں اپنا موڈ برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نشے میں محمود دھن راج کی زبانی میں اس کے ابتدائی ردِعمل سے واقف ہو چکا تھا۔ ہتھیاروں سے بھری ہوئی جیپ کی تباہی پر وہ پریشان اور خوف زدہ تھا۔ اس کے ذریعے دوسروں کا ردِعمل جاننے کے لئے مجھے گیارہ بجے تک انتظار کرنا تھا۔

میں نے میجر بخشی اور دھن راج کے ساتھ اور برائن کو بھی قائل کیا ہوا تھا کہ میں ایس ٹی ایف میں اپنی اہم ذمے داریوں کی وجہ سے انہیں اپنے رابطے کا کوئی نمبر نہیں دے سکتا تھا۔

اس بندوبست میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ صرف میں ان سے یک طرفہ رابطہ کر سکتا تھا۔ وہ چاہتے تو بھی مجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ باہمی رابطوں کی اس خامی کی وجہ سے پچھلی رات دھن راج نے مجھے ہدایت کی تھی کہ جیپ کے حادثے کے بعد طے ہونے والی حکمتِ عملی سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے میں اسے صبح گیارہ بجے فون کروں۔

وہ بات اتنی معمولی سی تھی کہ کسی نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا نہ میں نے کسی کو اس طے شدہ پروگرام کے بارے میں بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ ساڑھے دس بجے میں خاموشی سے اول خان کے دفتر میں جا بیٹھا۔

وہ خود بھیشم داس کو لے کر صبح سویرے نکل چکا تھا۔ اس کا عملہ میرا اتنا احترام کرتا تھا کہ میرے پہنچتے ہی وہ کمرا میرے لئے خالی کر دیا گیا۔

ٹھیک گیارہ بجے میں نے سی ایس ڈی والے فون پر دھن راج کے کمرے کا ڈائریکٹ نمبر ملایا اور انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ فون کی اتنی گھنٹیاں اسے گہری نیند سے بیدار کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھیں۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ پچھلی رات وہ خاصا نشے میں تھا اور بھیشم کی ناکامی نے اسے بہت زیادہ مایوس کیا تھا، کہیں اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی نہ کر لی ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہوٹل میں اس سے رابطے کے لئے دوسرے نمبر ایکس چینج کے تھے۔ میں نے سی ایس ڈی بند کرکے ایک نمبر ملایا۔ آپریٹر نے مجھے کافی دیر ہولڈ کرانے کے بعد آگاہ کیا کہ کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری تشویش گہری ہونے لگی۔

آپریٹر دھن راج کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر تھا۔ میرے استفسار پر اس نے میری کال استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کردی۔ وہاں موجود خاتون نے مجھے بتایا کہ دھن راج نے رات گئے ہوٹل چھوڑ دیا تھا۔

وہ لوگ بڑے کھیل کھیل رہے تھے اور یقینی طور پر حالات سے باخبر رہتے تھے۔ مشن کی ناکامی کے بعد دھن راج کو یقین رہا ہوگا کہ اتنے بڑے واقعے کے بعد پولیس کسی نہ کسی طرح مجھ تک پہنچ جائے گی اور پھر اس کا نام بھی بے نقاب ہوجائے گا۔

وہ خطرہ بھانپ کر دھن راج ہوٹل سے نکل چکا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ اس نے ہوٹل کے ساتھ شہر ہی چھوڑ دیا ہو اور پناہ لینے کے لئے اپنے آبائی شہر عمرکوٹ کی طرف روانہ ہوگیا ہو۔

میرے پاس عمرکوٹ کا نمبر نہیں تھا۔ میں دیر تک کریڈل دبائے سوچتا رہا۔ دھن راج کے غائب ہوجانے کے بعد مجھے یہ حق مل گیا تھا کہ میں براہِ راست میجر بخشی سے رابطے کی کوشش کروں۔

گھر پر اس کی خادمہ نے فون اٹھایا اور مطلع کیا کہ وہ دفتر گیا ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ وقت گھر پر اینڈنے کا نہیں تھا۔ میں نے آخری امید کے طور پر اس کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام پوچھا اور انتظار کا مشورہ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت کے سنگین حالات میں میجر بخشی میرا نام سنتے ہی مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔

چند ثانیوں بعد آپریٹر نے میری اس خوش فہمی پر پانی پھیر دیا۔ "سوری سر! وہ مصروف ہیں۔ بات نہیں کرسکتے۔ آپ چھ بجے کے بعد محفوظ فون پر ان سے گھر پر رابطہ کریں۔"

آپریٹر نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ میجر بخشی کا وہ رویّہ مجھے توہین آمیز محسوس ہوا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ مہیش داس کی ناکامی نے ان لوگوں کو بری طرح خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کسی مشن یا کام سے زیادہ اہمیت ان کے اپنے تحفظ کی تھی۔

دھن راج حالات سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ میجر بخشی سرکاری ملازم تھا۔ رسّی تڑا کر بھاگنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ محتاط رہ کر ہی اپنی گردن بچا سکتا تھا۔

اس کے پیغام پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ مجھ سے گریز نہیں کررہا تھا، بس کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہ رہا تھا۔ چھ بجے محفوظ فون استعمال کرنے کے مشورے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سی ایس ڈی کے بغیر مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا جب کہ دفتر میں آپریٹر کے ذریعے بات کرنے کے لئے سی ایس ڈی کا استعمال ناممکن تھا۔

وہ سب محتاط تھے اور اپنے اپنے حصار میں رہ کر بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ شام تک واقعات اور حالات کا رخ زیادہ واضح ہونے کی امید تھی۔ ورنہ میجر بخشی چاہتا تو مجھے یہ پیغام بھی دے سکتا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں گھر پہنچے گا۔ میں محفوظ فون پر اس سے رابطہ کروں۔

میجر بخشی کوئی نو آموز سیکرٹ ایجنٹ نہیں تھا جو جوش یا عجلت پسندی میں کوئی غلط فیصلہ کرگزرتا۔ وہ تیل اور تیل کی دھار دیکھ کر فیصلہ کرنے والوں میں سے تھا۔

دھن راج کی طرف سے مکمل مایوسی اور بلیک آؤٹ کے بعد میجر بخشی سے مجھے تھوڑی سی آس بندھی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ پیدا ہونے والے میرے رابطے برقرار رہیں تاکہ میں ان کے ناپاک عزائم سے واقف ہوتا رہوں اور پھر مناسب وقت میں ایک ہی بھرپور وار کرکے ان کے ارادوں کو پیوندِ خاک کردوں۔

ان گورکھ دھندوں پر سوچ بچار کرتے ہوئے میرا ذہن اچانک اوبرائن کی طرف بھٹک گیا۔ میرے پاس اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر موجود تھا۔ گو اس کی آخری ہدایت تھی کہ میں اس سے بالکل دور رہوں اور کوئی رابطہ نہ کروں مگر اس وقت میرے پاس ایک بہترین عذر موجود تھا۔

دھن راج بھاگ چکا تھا، میجر بخشی نے مجھے ٹال دیا تھا۔ میرے پاس اوبرائن سے بات کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔

میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ خوف کی ایک نئی لہر نے مجھے آدبوچا۔

میں نے ریسیور واپس رکھا ہی تھا کہ سلطان شاہ، دفتر میں داخل ہوا اور شونی سے بولا "اگر تم نے میری وجہ سے ریسیور واپس رکھا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔ بات کرکے مجھے اندر بلا لینا۔"

"تم گدھے ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا "خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

"یہ بتاؤ کہ ماسٹر کوڈ بک اور لوکیشن فائنڈر وغیرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"اچھی رائے ہے لوکیشن فائنڈر کو تو ہم ذاتی طور پر پہلے بھی بھگت چکے ہیں۔"

"وہ ایک الگ چیز تھی۔ اب لاکھوں میں کوئی ایک آواز پہچاننے کی بات ہورہی ہے۔"

"یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہوسکتا۔ وہ سنجیدگی سے اسے استعمال کرنے والے ہیں۔"

"میں ابھی اوبرائن کو فون کرنے والا تھا لیکن اسی خوف سے ارادہ ملتوی کردیا کہ کہیں وہ میری آواز شناخت کرنے میں کامیاب نہ ہوجائے۔"

"تمہاری تشویش بجا ہے۔ تم اس کے لیے کرنل جمال دستی

Downloaded from https://paksociety.com

ہو' وہی بنے رہو۔"

"میں اس سے اسی حیثیت میں بات کروں گا" میں نے مشورے کے لیے اسے آگاہ کیا۔

"پھر تمہیں کیا خوف ہے؟ اس روپ میں تم اس سے ملتے بھی رہے ہو۔"

"تم بھول گئے۔ میں نے بدلی ہوئی آواز میں اسے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ اوبرائن نے وہ کال اس یقین کے ساتھ ریکارڈ کرلی تھی کہ اسے دھمکیاں دینے والا ڈینی تھا۔"

"مجھے ہر بات یاد ہے۔ اسی بنا پر وہ شہر بھر میں مائیکروبگ پھیلانے کا پلان بنا رہا ہے۔"

"کوئی مشیر نہ ہو تو آدمی کو دیوار سے ہی مشورہ کرلینا چاہیے۔ بخشی نے کہا تھا کہ مائیکروبگ سے منسلک سسٹم بدلی ہوئی آواز کو بھی پہچان سکتا ہے کیونکہ ہر شخص کے صوتی آہنگ جدا ہوتے ہیں۔"

"حیرت ہے کہ تم بخشی کی اس احمقانہ بات کو اتنا وزن دے رہے ہو!"

"کیوں نہ دوں؟ کیا آج کے دور میں ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے؟"

"یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اس نے ڈینی کے روپ میں کہیں سے تمہاری اصل آواز حاصل کرلی ہو۔ بدلی ہوئی آواز کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔"

مجھے خود بھی یہ بات معلوم تھی کہ سائنسی طور پر انفرادی شناخت صرف فنگر پرنٹس کے ذریعے ہی ممکن تھی کیونکہ اربوں میں کسی دو افراد کے فنگر پرنٹس بھی یکساں نہیں ہوتے جبکہ صورتوں اور آوازوں میں حیرت انگیز مماثلت کے واقعات جابہ جا سننے میں آتے تھے۔

"خطرات ہر طرف سے بڑھ رہے ہوں تو آدمی کو احتیاط کرنی پڑ جاتی ہے۔"

"یہ کہہ کر تم اپنی کمزوری کا اعتراف کررہے ہو۔ اول تو تمہارا خدشہ بے بنیاد ہے۔ فرض کرو کہ وہ تمہاری آواز پہچان بھی لے تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟"

سلطان شاہ کے آخری فقروں سے میرا عزم توانا ہوگیا۔ میں چھاؤنی کے وسیع علاقے کے قلب میں' ایس ٹی ایف کے مضبوط حصار میں تھا۔ دشمن ادھر کا رخ کرنے کی جرات بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم بروقت آگئے" میں نے مسکرا کر کہا "ورنہ میں اکیلا بیٹھا اپنے ہی وسوسوں کے جال میں الجھا رہتا۔ خوف کیسا بھی ہو' انسان کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

"تمہاری زبان سے خوف کا لفظ کچھ اجنبی سا معلوم ہورہا ہے" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ تبدیلی آنے کا سبب کیا ہے؟"

"بیٹھے رہو۔ ابھی سب کچھ سامنے آجائے گا" میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا۔

پہلی گھنٹی پر کال ریسیو کرنے والا اوبرائن ڈی ہنٹ ہی تھا۔

"میں کرنل...." میری زبان سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہی اوبرائن نے آواز پہچان کر درشت لہجے میں میری بات کاٹ دی "تمہیں مجھ سے الگ رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

"کل رات کے واقعے کے بعد..." میں نے وضاحت پیش کرنی چاہی لیکن اس نے بھاڑ کھانے والے انداز میں دوبارہ میری بات کاٹ دی۔

"ماضی کو مت کریدو۔ مختصر الفاظ میں آج کی اور اپنی بات کرو۔"

"دھن راج غائب ہے۔ بخشی مجھ سے کترا رہا ہے۔ کیا میں انہیں بھول جاؤں؟"

"دھن راج ٹارگٹ پر آچکا ہے۔ اس کے لیے روپوشی ہی بہتر تھی۔ بخشی سے رابطہ رکھو۔ وہ تم سے نہیں کترائے گا۔ اس وقت اس کی کوئی مجبوری ہوسکتی ہے۔"

"مائکرو بگنر کے لیے دھن راج نے گیارہ بجے کا وقت دیا تھا۔ میجر کو شام چھ بجے سے پہلے فرصت نہیں ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ سوال مجھے پریشان کررہا ہے۔ کیا مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے؟" گفتگو کا سلسلہ شروع ہوجانے کے بعد میرے لیے بات کو بڑھانا آسان ہوگیا تھا۔

"اکیلے پن کا خوف اپنے دماغ سے نکال دو۔ وہی کرو جو میجر کہہ رہا ہے۔ اب وہ تمہارا باس ہے۔ اس وقت ہر چیز ثانوی ہوگئی ہے۔ ایک درمیانی آدمی کی ذرا سی غفلت اور بے پروائی نے ہمارا بہت کچھ داؤ پر لگادیا ہے۔ خود کو بچا کر بعد میں بھی بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔"

وہ الو کا پٹھا مجھے اپنے دماغ سے خوف نکالنے کا مشورہ دے رہا تھا مگر خود بری طرح خوف زدہ تھا۔ اپنی فکر میں پڑ کر سب کچھ بھول جانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اس کا تاثر برقرار رکھنے کے لیے کہا "تم سے بات کرکے مجھے گہرا سکون ملا ہے۔ کیا میں برے لمحات میں تم کو فون کرسکتا ہوں۔"

"اب کوشش بھی نہ کرنا" اس نے سختی سے کہا "میں آج شام کی فلائٹ سے چند روز کے لیے پاکستان سے باہر جارہا ہوں' سرکاری کام ہے۔ مجھے واپسی میں دیر بھی ہوسکتی ہے۔"

خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ پورے ایشیا میں پھیلے ہوئے ملکوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی پسند کی ایک نئی ریاست بنانے کا خواب دیکھنے والا قدرت کی ایک ہلکی سی غیبی سرزنش سے اپنے اوسان کھو کر پاکستان سے فرار ہورہا تھا۔ میرے لیے ان حالات میں اس سے بڑی کامیابی کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس کی بربادی کی دعا مانگتے ہوئے میں نے زبان سے

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ تو مجھے اپنی آواز میں ہلکا سا غیر ارادی طنز محسوس ہوا۔

غنیمت یہ ہوا کہ وہ ایشیائی لب ولہجے کے اس موہوم سے طنز کو نہ سمجھ سکا۔ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے یقین دلایا کہ روانگی سے پہلے وہ میرے بارے میں میجر بخشی کو مزید ہدایت کردے گا۔

دوسری طرف سے کلک کی آواز سن کر میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"دھن راج ہوٹل سے بھاگا ہے۔ آج شام اوبرائن ملک سے ہی ملک فرار ہورہا ہے" میں نے مسرت کے ساتھ سلطان شاہ کو آگاہ کیا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اس پر کیا افتاد آگئی۔ اس کے بارے میں تو سرکاری ہدایات تک آچکی ہیں۔"

"برا وقت آتا ہے تو دشمنوں کی عقلیں پلٹ جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اسے بھیشم داس سے منسوب کیے جانے والے بیان کی بھنک مل گئی ہو۔"

"دھن راج کا دہشت زدہ ہونا قابلِ فہم ہے۔ اسے بھیشم کے بیان سے کیا خطرہ تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا کہ اسے ناپسندیدہ قرار دے دیا جاتا اور وہ بستر بوریا سمیٹ کر یہاں سے امریکا روانہ ہوجاتا۔ اس کے نکلنے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں بھی چکرا گیا "سبب کچھ بھی ہو' وہ سرکاری کام کے بہانے آج کراچی سے کسی اور ملک کی طرف نکل جائے گا۔"

"اسے تم ڈینی کا خوف ہی کہہ سکتے ہو۔ وہ ہتھیار ڈینی کے خلاف بھیجے جارہے تھے۔ دھن راج کے کہنے کے مطابق اوبرائن کے دماغ میں یہی بات گھسی ہوگی کہ تم نے جیپ کے ساتھ کوئی شرارت کرکے اس کا منصوبہ ناکام بنایا ہے۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے دھن راج کے کہے ہوئے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے کہا تھا کہ اوبی یہ سوچے گا کہ جیپ کو ٹکر مارنے والے ٹرک کو ڈینی چلا رہا ہوگا۔

"شاید یہی بات ہو" میں نے سلطان شاہ کی تائید کی "وہ یہاں مسلسل کمزور پڑ رہا تھا۔ اس پر میرا نفسیاتی خوف سوار ہوگیا ہے۔"

"اس کے چلے جانے کے بعد مائیکرو بگز شہر میں پھیلانے کا کام کون کرے گا؟ تم نے اس بارے میں اوبرائن سے براہِ راست ایک سوال کیا تھا۔"

"وہ سب دھرا رہ گیا۔ اوبی کے الفاظ میں اپنے بچاؤ کے سامنے ہر چیز ثانوی ہوگئی ہے۔"

وہ بہت دلچسپ اور مسرت انگیز پوزیشن تھی۔ سلطان شاہ نے دل کھول کر قہقہہ لگایا اور کہا "کسی طرح اسے یہ خبر پہنچاؤ کہ آج ڈینی ائرپورٹ پر ہی منڈلا رہا ہے۔ یقین کرو کہ وہ سفید چوہا سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتا ہوا کسی طرف بھاگ نکلے گا۔"

"کوئی دشمن اتنا حقیر نہیں ہوتا" میں نے خوشی سے سرشار ہونے کے باوجود سنجیدگی سے جواب دیا "فرار کی ساری راہیں مسدود ہوجائیں تو کمزور ترین دشمن بھی براہِ راست نرخرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اسے نتائج کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی۔"

"واقعات کا یہ رخ بالکل ناقابلِ یقین ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس بار معاملات آسانی سے ہمارے قابو میں آسکیں گے۔"

"تمہاری دانست میں ان لوگوں کی یہ پسپائی میدان بالکل صاف کردے گی؟"

"میجر بخشی کے سوا اور کون باقی رہ جاتا ہے؟ اسے مار لینے کے بعد ہم ہی فاتح ہوں گے۔"

"یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ ہماری برتری اور ان کی روپوشی عارضی ہے۔ تازہ ترین واقعے کی گرد دب جانے کے بعد وہ دوبارہ صف آرا ہوں گے۔ اس وقت تک اوبرائن شاید نئی دہلی یا کولمبو میں بیٹھ کر اپنا کام کرتا رہے گا۔ یہ ڈور بہت دور تک الجھی ہوئی ہے۔"

"بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھ لیا جائے گا۔ اس کا ذکر کرکے میری موجودہ خوشی کا مزہ کرکرا مت کرو۔ ایک بار ہزیمت اٹھانے کے بعد وہ کبھی بھی نہیں جیت سکے۔"

"بھیشم بہت بدصورت آدمی ہے۔ اسے دیکھ کر کراہت آتی ہے۔ اس کا کام اس کے چہرے سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ بھی موت کے سوداگروں کے کسی ریکٹ کا اہم آدمی ہے۔ وہ یہاں سے ہیروئن لے جاتے ہیں اور ہتھیار لاتے ہیں..."

سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں کہتا ہوں کہ وہ شیطان صفت نہیں' خود شیطان ہے لیکن یہ دیکھو کہ اس نے ہمارے لیے کیسا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ مقدر یاوری کررہا ہو تو زہر بھی تریاق بن جاتا ہے۔"

"بھیشم کو اس کے کیے کی کافی سزا مل چکی۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ناکامی کے نتائج سامنے آنے کے بعد اسے آزادی مل جانی چاہیے" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تاکہ وہ بے داغ ریکارڈ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اپنی مذموم حرکتیں شروع کرسکے!" میں نے ملامت سے کہا۔ "وہ پہلی بار صحیح گرفت میں آیا ہے۔ اس جیسے زہریلے سانپ کا پھن چھوڑو گے تو وہ پلٹ کر سب سے پہلے تم ہی کو ڈسے گا۔ اس کے لیے موت کی سزا بھی کم ہوگی۔"

"آج وہ دونوں اپنے کمرے میں سر جوڑے بیٹھے ہیں" سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "میں انہیں بھی یہ خبریں سنا کر

Downloaded from https://paksociety.com

آتا ہوں۔"

میں مسکرا کر رہ گیا اور وہ تیزی کے ساتھ دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"اب میں اسلام آباد میں ہوں" اس نے لاہور کا حوالہ دے کر مجھے خود ہی پچھلا جھوٹ یاد دلا دیا تھا ورنہ میں روانی میں سب کچھ بھول چکا ہوتا "تم دونوں بہت یاد آتے ہو۔"

"میری قسمت ایسی کہاں کہ تم مجھے یاد کرو..... تم نے تو مجھ سے بات کئے بغیر ہی ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ تمہیں پتا ہوتا کہ وہ دکان پر ہوں گے تو وہیں فون کرتے۔"

"میں اس وقت ہوٹل کی لابی سے فون کر رہا ہوں" اس کے موڈ کا اندازہ کر کے میں نے جلدی سے کہا "مجھے گھر کا نمبر یاد تھا' بس وہی گھما ڈالا۔ فارمیسی کا نمبر اوپر بریف کیس میں پڑا ہوگا۔ یہ مت بھولو کہ میری اور جہانگیر کی دوستی تمہاری شادی سے بھی پرانی ہے۔"

"اور اسی لیے تم مجھ سے دور بھاگتے ہو؟" سلمٰی نے سوالیہ انداز میں شکوہ کیا۔

"میرے اردگرد لوگوں کی آمدورفت جاری ہے۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اسی کے ساتھ مجھے رشتوں کا احترام بھی عزیز ہے۔"

"رشتوں کا احترام کرتے تو مجھے دکان پر ڈکیتی کی جھوٹی کہانی نہ سناتے" سلمٰی نے کالو مکرانی اور قاسم کے قصے کا حوالہ دے کر مجھے چونکا دیا۔

"مجھے کوئی جھوٹی کہانی سنانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"یہ ان ہی سے پوچھنا" سلمٰی کی آواز تیکھی ہوگئی "کل رات ہی محبت میں بے قابو ہو کر انہوں نے خود مجھے پوری کہانی بتا ڈالی ہے۔ تم کو معلوم تھا کہ وہ قاسم کی بیوی کو مفت دوائیں بانٹتے ہیں۔ قاسم اسی چکر میں کالو مکرانی کو لے کر ان سے لڑنے کے لیے آیا تھا۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور ترکی بہ ترکی جواب دیا "جہانگیر کے سر پر جوتے لگاؤ اور اس سے پوچھو کہ اس نے ہاتھ پیر جوڑ کر میری خوشامدیں کیوں کی تھیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ تم سے بے وفائی نہیں کرے گا۔ صرف اس شرط پر میں نے اس کے جھوٹ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تمہارے سامنے سچ مچ گل جھاڑ جائے گا۔"

طویل کوفت اور ذہنی تکان کے بعد اب اس وقت میں خود کو بہت تروتازہ اور ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں جہانگیر کا خیال آیا اور میں نے غیر ارادی طور پر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ کئی گھنٹیوں کے بعد سلمٰی نے فون اٹھایا تو میں مزاج پرسی کے بعد جہانگیر کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔

"آج کل دکان پر ان کا دل لگتا ہے۔ روز پابندی سے جاتے ہیں اور دیر سے آتے ہیں۔ سلمٰی نے معمول کے مطابق جہانگیر کے بارے میں گلہ کیا "تم ابھی تک لاہور میں ہو یا کراچی لوٹ آئے ہو؟"

"ان کے چکر میں پڑ کر تم یہ بھول جاتے ہو کہ وہ میرے شوہر ہیں اور میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ جب چاہوں انہیں اپنے سامنے جھکا سکتی ہوں۔"

"یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"تمہاری دوستی میری شادی سے زیادہ پرانی ہے۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی فطرت کیا ہے۔ یہ ممکن نہ ہو تو تمہیں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

"جہانگیر کی کمزوریوں کی وجہ سے تمہیں بولنے کا موقع مل رہا ہے" سلمٰی کے طنزیہ رویے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے ترشی اختیار کر لی "میں کراچی آ کر اس کی خبر لوں گا۔"

"آج کل وہ جس اہتمام سے بن سنور کر دکان جاتے ہیں' اس سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان کے گاہکوں میں پھر کوئی فتنہ پرور حسین چہرہ شامل ہو گیا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ اس بار اس کی مرمت ہوئی تو میں دور تک نظر نہیں آؤں گا۔ میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے پر آ سکیں۔"

اپنا پیغام مکمل کرتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ سلمٰی سے طویل گفتگو کرتے ہوئے میں ہمیشہ الجھن محسوس کرتا تھا اور وہ جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کرتی تھی۔

اس بات چیت نے میرا اچھا خاصا موڈ غارت کر دیا۔ میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگا لی اور جہانگیر کے خلاف اپنے غصے کو دبانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

پوری سگریٹ پھونکنے تک میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب مجھ سے برداشت نہ ہو سکا تو میں نے گولڈن فارمیسی کا نمبر ملا لیا جو مجھے ازبر تھا۔

"ابے لنڈ مگ..... پیٹ کے ہلکے! تمہیں سب کچھ اپنی والدہ صاحبہ کو بتانا ہی تھا تو مجھے جھوٹ بولنے پر کیوں مجبور کیا تھا؟" میں اس کی آواز سنتے ہی سلام دعا کے بغیر برس پڑا "اس وقت تمہاری بیوی کی نظروں میں میری کیا وقعت رہ گئی ہوگی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز آئی "وہ فون کر کے مجھے پوری کتھا سنا چکی ہے۔ تم بھی برا بھلا کہہ کر اپنا دل ہلکا کر لو۔ یہ کسی کی نہیں' میرے نصیب کی خرابی ہے۔"

"خود غلط حرکتیں کرو گے اور پھر کسی بیوہ کی طرح اپنے نصیب کو رونے بیٹھ جاؤ گے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"بھائی! تمہارا غصہ بالکل بجا اور بے جا ہے۔ بجا اس لیے ہے کہ تم نے اپنی بے عزتی محسوس کی ہے اور بے جا اس لیے کہ جیسے کووں کے کوسوں ڈھور نہیں مرا کرتے' اسی طرح بیویوں کے کڑکڑانے سے کسی کی بے عزتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہونے لگے تو آدھی دنیا کے مرد رسوا ہو جائیں۔"

"وہ میری نہیں' تمہاری بیوی ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ برداشت کرو۔ کھری کھری سنا کر اس کی طبیعت صاف کر دو۔"

اس کی متبسم نہ باتوں سے میرا غصہ خود بہ خود دھیما پڑنے لگا پھر بھی میں نے درشتی سے پوچھا "خاموشی سے سب کچھ نمٹ گیا تھا پھر تمہیں اس کے سامنے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اب تو میں اسے شامت ہی کہوں گا۔ کل رات وہ بڑے نخرے دکھا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کا دماغ راہ راست پر لانے کے لیے اسے بتا دوں کہ دوسری عورتیں بھی مجھ پر مرتی ہیں۔ اس نے اپنا سلوک نہ بدلا تو میں خاموشی سے کسی سے رسم و راہ بڑھا لوں گا۔"

"اور تمہاری تدبیر کارآمد ثابت ہوئی تھی؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"کارآمد.... وہ بالکل بھیگی بلی بن گئی تھی" جہانگیر کی آواز فخریہ ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ اتنی بھولی نہیں ہے جتنی بنتی ہے؟"

جہانگیر کو اپنا ہم نوا پا کر میں بھی غیر ارادی طور پر سلمیٰ کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔

"ہرگز نہیں' اس دھوکے میں بھی نہ رہنا۔ وہ لومڑی کے کان کترتی ہے۔"

"لومڑیوں سے زیادہ وہ تمہارے کان کترتی ہے۔ تمہارا پیٹ پھرنے لگتا ہے تو وہ تمہاری حرکتوں سے سمجھ جاتی ہے کہ تم اس سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ ناز نخرے دکھا کر تم سے ہر بات اگلواتی ہے' بعد میں تمہیں طعنے دیتی رہتی ہو گی۔"

لائن پر توقف سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد آواز آئی "یہ کل کا قصہ ہے۔ اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن دوسرے معاملات میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ میں اس کی بدکلامی سے عاجز آ جاتا ہوں۔"

"اپنی بیوی کو سمجھا دینا کہ وہ ہر ایک کو جہانگیر نہ سمجھا کرے۔ کسی دن غصہ آ گیا تو ساری مروت اور پاس داری کو بالائے طاق رکھ دوں گا۔"

"اس نے بہت زہریلے لہجے میں تمہارا پیغام مجھے سنایا تھا۔ اب میں اسے تمہارے نادر خیالات سے بھی آگاہ کر دوں گا۔ وہ تمہارے بل پر اکثر اکڑتی رہتی ہے۔ دھمکی دیتی ہے کہ تم سے میری

نوجوان عورت ایک ماہرِ نفسیات کے پاس شکایت لے کر پہنچی اور کہا کہ اس کا شوہر اب بھی اس سے محبت نہیں کرتا حالانکہ وہ چھ بچوں کی ماں بن چکی ہے۔ یہ سن کر ماہرِ نفسیات بولا "شکر کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ ذرا سوچو' اگر محبت کرتا تو تمہارے بچوں کی تعداد کیا ہوتی۔"

اقبال عسکری' سعودی عرب

شکایت کر دے گی۔"

جہانگیر کسی زمانے میں بہت ذہین ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اسے شی میں اپنی نیابت کے لیے مقرر کیا تھا لیکن شادی کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ اسے ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہنے لگے۔

اس نے اپنا داغ دار ماضی سلمیٰ اور اس کے گھر والوں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ سلمیٰ اس کی پراسرار سرگرمیوں اور غیر معمولی حفاظتی انتظامات پر اس کی طرف سے شاکی رہنے لگی تو اس نے ایک طویل مدت کے لیے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

دن رات بیوی کے ساتھ گھر میں محصور رہنے کے جو نتائج برآمد ہونے تھے' وہی ہوئے۔ آپس کی تلخیاں بڑھیں تو اس کی شراب نوشی میں زیادتی پیدا ہوتی چلی گئی۔ شب و روز کی مے نوشی کی کثرت نے رفتہ رفتہ اس کے ذہن کو اس قدر ماؤف کر دیا تھا کہ وہ نشے کے بغیر بھی اپنی گفتگو سے گھامڑ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

"اگلی ملاقات پر سلمیٰ نے مجھ سے اپنے رویے پر معذرت نہ کی تو میں تمہارے گھر آنا چھوڑ دوں گا۔" میں نے اسے جھنجوڑنے کے لیے کہا۔

"اس کی ایسی کی تیسی۔ معذرت کیسی' وہ تم سے معافی مانگے گی۔"

"بس اب اسلام آباد سے واپسی پر ملاقات ہو گی" میں نے اچانک ہی وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس سے بات کر کے میرا دماغ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اول خان چار بجے واپس لوٹ آیا۔ رات کی بے خوابی کے اثرات اس کی آنکھوں میں ہلکے سے ورم کی صورت میں مترشح تھے۔ اپنے خالی دفتر کا جائزہ لے کر وہ ہمارے پاس ہی آ گیا۔

وہ بھیشم داس کو اپنے ساتھ لے کر صبح سویرے اسٹیشن فور سے نکل گیا تھا۔ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر سارے انتظامی افسران بھی اپنے مقررہ دفتری اوقات سے پہلے پولیس ہیڈ کوارٹرز

Downloaded from https://paksociety.com

پہنچ گئے تھے۔ وہاں کے سخت حفاظتی انتظامات میں بھیشم داس کو اول خان کی گاڑی سے لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا جہاں فوری طور پر اس سے باز پرس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اسٹیشن فور کے اعصاب شکن عقوبت کدے میں محض انسانی مہارت کے ذریعے بھیشم داس کو ایسا سبق دیا گیا تھا کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اول خان کا درشت چہرہ ہر لمحے اس کے سامنے رہا تھا۔ اس نے وہی کہانی دہرادی جو اسے صبح سویرے بتائی گئی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس کے بیان میں صرف اور صرف حقائق تھے۔ اس میں فرضی اضافہ صرف اوبرائن کے نام کا تھا جو حالات کی رو سے ناموزوں نہیں تھا۔

ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد احاطے میں جمع صحافیوں کو تین ملزمان کی گرفتاری اور ان کے سرغنہ کے اقبالی بیان کی تفصیل دس بجے جاری کر دی گئیں۔ شاید اوبرائن نے اسی وقت پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میری اور اس کی گفتگو ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوئی تھی اور اسے اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔

بھیشم کے دونوں معاون ہوش میں آچکے تھے اور بدستور اسپتال میں داخل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کا کوئی بیان لیا جا سکے۔

دھن راج کی یکایک روپوشی کے بارے میں اول خان کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ وہ خبر سن کر اس نے بہت اطمینان سے کہا تھا "وہ عمرکوٹ کے سوا اور کہیں نہیں جائے گا۔ ہم جب چاہیں گے، وہاں جا کر اس کی گردن ناپ لیں گے۔"

"اور اوبرائن کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے لیے فی الحال اس کا ہونا یا نہ ہونا بے معنی ہے" اول خان کو اس وقت تک پوری تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

"لیکن وہ خوف زدہ ہو کر آج شام پاکستان سے فرار ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" اول خان حیرت سے اچھل پڑا "یہ خبر کب کی ہے اور تمہیں کہاں سے ملی؟" اس بار اس کا تخاطب براہ راست مجھ سے تھا۔

"صبح ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اس نے خود مجھے بتایا تھا" میں نے جواب دیا۔

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو!" اس نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا "میرا خیال تھا کہ تمہارے لیے یہ اطلاع غیر اہم ہو گی۔"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ فرار ہو رہا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا مگر ہم ائرپورٹ پر اس کا سامان اڑانے کی کوشش کر سکتے تھے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوتا؟" اول خان کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"وہ یقینی طور پر اہم اور ضروری فائلیں وغیرہ اپنے ساتھ لے جا رہا ہو گا۔ اس کا سوٹ کیس غائب کر کے ہم اس کے منصوبے کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے تھے۔"

"ایسے کاغذات سوٹ کیس کے بجائے وہ بریف کیس میں اپنی جان سے بھی عزیز رکھے گا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہو گا۔"

"ضروری نہیں کہ وہ گیپ کی طرح چند کاغذ ہوں۔ تمہیں سرکاری طریقۂ کار کا اندازہ نہیں ہے۔ اعلیٰ سطح پر کوئی بھی منصوبہ بنتا ہے تو منظوری ہونے تک فائلوں کا ایک پلندہ تیار ہو جاتا ہے" اول خان نے اصرار کیا "اس کے سوٹ کیس سے ہمیں کچھ نہ کچھ مل سکتا تھا۔ اس کی فلائٹ کا وقت کیا ہے؟"

"بس اس نے شام کا ذکر کیا تھا۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں ہے۔"

اول خان اپنی تجویز کے بارے میں اتنا پرامید تھا کہ اس نے فیلڈ فون پر فوراً ہی اپنے کنٹرول روم سے رابطہ کر کے ہدایت کی کہ ائرپورٹ سے اوبرائن ڈی ہنٹ کی روانگی کے بارے میں فوری طور پر معلومات حاصل کر کے اسے مطلع کیا جائے۔

واقعات نے جس معجزانہ انداز میں ہمارا ساتھ دینا شروع کیا تھا، حیرتوں پر اس کے بداثرات کی تفصیل اول خان کے لیے بھی خوشی کا سبب بنی۔ بھیشم داس والے واقعے کے نتیجے میں ان کی چلتی ہوئی گاڑی اچانک رک گئی تھی۔ اسے دوبارہ اسی رفتار پر لانے کے لیے خاصا وقت درکار ہوتا جبکہ ہمارے لیے ساری اہمیت وقت کی ہی تھی۔

اوبرائن اور دھن راج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد میرا اور میجر بخشی کا رابطہ اول خان کی مزید امیدوں کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ پریقین تھا کہ میں اوبرائن کی طرح اس پر بھی اپنا بھرم برقرار رکھنے میں کامیاب رہوں گا۔ وہ رابطہ آئندہ بھی ہمارے کام آسکتا تھا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کے پروگرام کا سراغ لگانے کے سلسلے میں اول خان کے آدمیوں نے خاصی حیرت ناک تیزی دکھائی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوئی عام اور گمنام مسافر نہیں، ایک معروف سفارتی افسر تھا۔ ان کو اطلاع ملی تھی کہ وہ پانچ بجے کی ایک پرواز سے نئی دہلی کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

پچھلی رات سے اول خان مسلسل مصروف تھا اور شب بیداری کا شکار بھی رہا تھا لیکن اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والے عمدہ نتائج نے ساری کلفت دور کر دی تھی۔ آرام کرنے کے بجائے وہ منہ ہاتھ دھو کر ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہو گیا۔

چھ بجنے سے پہلے ہم سب اول خان کے دفتر میں منتقل ہو چکے

Downloaded from https://paksociety.com

تھے۔ میری فہمائش کے باوجود ہر ایک میری اور میجر بخشی کی گفتگو کا ایک حصہ براہِ راست سننے کا خواہاں تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ اصل بات کے تاثرات ہی الگ ہوتے ہیں۔ وہ میرے یک طرفہ مکالمے سن کر بھی بہت کچھ سمجھ سکتی تھی۔

ٹھیک چھ بجے میں نے میجر بخشی کا نمبر ملایا۔ شاید وہ فون کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً جواب مل گیا۔ اس کی آواز گمبھیر اور ستی ہوئی تھی۔

"میجر! میں جمال دستی بول رہا ہوں۔" اس کی ہیلو کے جواب میں، میں نے کہا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ تم اپنے اسی خاص فون پر ہو نا؟"

"میں تم سے اسی پر رابطہ کرتا ہوں۔ دفتر میں ایکسچینج کی وجہ سے مجبوری آڑے آجاتی ہے" میں نے اسے تسلی دلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ میرے دفتر کے لیے تم یہ فون استعمال نہیں کروگے۔ اسی خوف سے میں نے تم سے بات نہیں کی تھی اور تم نے اوبی سے میری شکایت کردی۔"

"وہ شکایت نہیں تھی" میں نے جلدی سے وضاحت کی "رات تک سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ صبح ہوتے ہی میرے رابطے کٹ گئے۔ دھن راج غائب تھا، تم نے مجھے شام کے لیے ٹال دیا۔ میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔ میں کہاں اور کس سے بات کرتا؟"

"اوہ! میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" اس کی تفہیمی آواز سنائی دی "دھن راج تمہیں رات کو ہی جیپ کی تباہی کے بارے میں بتا چکا تھا۔ صبح کے اخباروں نے تمہیں پریشان کردیا ہوگا۔"

"اور اب پتا چلا ہے کہ بھیشم داس نامی ایک آرمز اسمگلر پکڑا گیا ہے۔ اس نے دھن راج اور اوبی کا نام جیپ والے ہتھیاروں سے منسلک کردیا ہے۔"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے دفتر میں یہ خبر مل چکی تھی۔ اسی وجہ سے میں ڈرا ہوا تھا۔"

"یہ صبح کی خبر تھی۔ دھن راج رات گئے ہوٹل چھوڑ کر کیوں غائب ہو گیا؟"

"صرف احتیاط..... جیپ کو حادثہ پیش آنے کی وجہ سے کچھ بھی ہو سکتا تھا اور دیکھ لو کہ ایک اسمگلر نے ساری ذمے داری اسی پر ڈال دی۔ ایسے کام کرنے والے اتنے کچے نہیں ہوتے کہ دو چار گھنٹوں کی مار بھی نہ سہ سکیں۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تمہیں زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں کا قانون خود اس سے نمٹ لے گا۔"

"میں قانون کی سست روی سے خوب واقف ہوں۔ وہ فوری سزا کا مستحق ہے۔ پہلے اس نے کام بگاڑا پھر اپنے ساتھیوں سمیت پولیس کے ہاتھ لگ گیا۔ بات یہاں تک رہتی تب بھی زیادہ نقصان نہ ہوتا۔ اس نے دھن راج کا نام لے کر بڑی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیا اوبرائن کو اس نے صحیح ملوث کیا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ بات کسی طرح میری عقل میں نہیں سما رہی۔ اس نے فرشتے بھی اوبرائن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ دھن راج اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے اوبی کے بارے میں بتا دیتا۔"

"پھر بھی تم اوبی کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں ہو" میری حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

"اول تو اوبی آج شام یہاں سے نکل چکا ہے۔ دوسرے وہ بھی میری طرح سفارت کار ہے۔ اس کا نام قتل میں بھی ملوث ہو جائے تو بین الاقوامی معاہدوں کے تحت مقامی قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دھن راج کو یہیں رہنا سہنا اور کام کرنا ہے۔ وہ کب تک چھپتا پھرے گا؟"

"یہ واقعی تشویش کی بات ہے" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی "پھر تو صرف بھیشم ہی نہیں، اس کے دونوں زخمی ساتھی بھی خطرناک ہیں۔ وہ زبان کھولیں گے تو دھن راج کے گرد جال اور مضبوط ہو جائے گا۔ سچ پوچھو تو وہ کھلے دل کا ایک اچھا آدمی ہے۔"

"یہ سب نکتے میری نظر میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں اسپتال سے سیدھے مردہ گھر چلے جائیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ جہانگیر روڈ سے اسپتال کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ سب تم ہی کو دیکھنا ہوگا" میں نے ان جان بن کر کہا "میری فورس شہری پولیس کے معاملات سے بہت دور رہتی ہے۔"

"میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈال رہا، تم اپنے کام پورے کرلو تو وہی بڑی بات ہوگی۔ ڈینی کے بارے میں تم کیا کر رہے ہو؟"

"آج کل وہ ادھر کا رخ نہیں کر رہا۔ اس کے لیے تم شہر میں مائیکرو بگ پھیلانے والے تھے۔ رات دھن راج نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں بگز کے لیے آج صبح گیارہ بجے اسے ضرور فون کروں لیکن صبح وہ غائب تھا۔ مجھے ساری پریشانی اسی بات کی تھی۔"

"مائیکرو بگز کو فی الحال بھول جاؤ۔ وہ میرے پاس موجود ہیں لیکن سسٹم کے بغیر وہ بے کار سنگریزے ثابت ہوں گے۔ ان کا اینالائزر سسٹم اوبی کے پاس ہے۔ وہی واپس آکر اسے چلائے گا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم ایک موبائل فون کیوں نہیں لے لیتے؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "میں ویسے ہی یہاں دن رات کی نوکری پر ہوں۔ ویرا نے سے باہر نکلتا ہوں تو ذرا سی آزادی کا احساس ہوتا ہے۔ موبائل فون لے لیا تو کبھی کبھی میسر آنے والی یہ آزادی بھی ختم ہو جائے گی۔ میں اس کے بغیر ہی بھلا ہوں۔"

"پھر روز شام کو چھ بجے مجھ سے اسی نمبر پر بات کرلیا کرو" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کا جواب آیا۔ "میں نہ ہوا تب بھی خادمہ کے پاس میرا کوئی نہ کوئی پیغام موجود ہوگا۔ حالات سازگار ہونے پر ہم دوبارہ گرام کو آگے بڑھا سکیں گے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

ابتدا میں اس نے بھی مجھے براہِ راست رابطے سے روکا ہوا تھا۔ حالات کے چنگل میں پھنس کر اس کی عقل خود ہی ٹھکانے پر آگئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دھن راج کے غائب ہوجانے کے سبب میں جلد ہی اس سے زیادہ قریب ہوسکوں گا۔

"میں فون کرتا رہوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں کانٹا لگائے شکار کا منتظر ہوں۔ جوں ہی مچھلی نے کانٹا نگلا' مجھے ہدایت اور وعدوں کے ایفا کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تم سنبھال لوگے نا؟"

"اوبی کی موجودگی میں مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اسی نے تم کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کے نکل جانے کے بعد پوزیشن واضح نہیں ہے۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ اب اوبی کی ایسی خفیہ ذمے داریاں کس نے سنبھالی ہیں۔ میں تم سے کوئی ہوائی وعدہ نہیں کروں گا۔"

"آزاد ڈینی تم لوگوں کے لیے خطرناک ہے' قید میں آیا ہوا ڈینی میرے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ میں اسے ضرورت سے زیادہ دیر تک قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ ایسی غلطی کی صورت میں نوکری کے ساتھ میری جان بھی ضائع ہوسکتی ہے۔ مجھے اس کے بدلے فوراً انعامی رقم اور امریکی ویزے کی ضرورت ہوگی۔"

"تمہاری پوزیشن بھی نازک ہے" اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "جب تک ہتھیاروں والے اسکینڈل کی پوری صورت حال واضح نہیں ہوجاتی' میں محتاط رہنے پر مجبور ہوں۔ ایسا کرو کہ چند روز کے لیے اپنی بنسی سمیٹ لو.... اس دوران میں تم ایس ٹی ایف کے تمام ٹھکانوں اور نفری کے بارے میں معلومات جمع کرسکتے ہو۔ تمہاری تمام توجہ ایک طرف مرکوز رہے گی۔"

وہ الفاظ کی شطرنج تھی۔ اس کی کمزوری بھانپ کر میں دھیرے دھیرے شہ دے رہا تھا اور وہ مات سے بچنے کے لیے تیزی سے گھر گھاٹ بدلتا جارہا تھا۔ اس کی وہ پسپائی میرے ارادوں کو مزید تقویت دے رہی تھی اور میں اسے پھانسنے کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں ڈینی کو بھول جاؤں؟" میں نے بے ساختگی کی اداکاری کرتے ہوئے تیزی سے کہا "اب تک جو کچھ کیا ہے' اسے اپنے ذہن سے بالکل نکال دوں؟"

"یہ صورتِ حال عارضی ہے۔ محض چند روز بعد ختم ہوجائے گی۔ جوں ہی میں نے خود کو کسی نادیدہ حصار سے آزاد محسوس کیا' میں معلومات جمع کرکے فیصلہ کرلوں گا۔"

"مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور میری محنت رائیگاں نہیں جائے گی" میں نے کہا۔

"تمہاری باتوں سے محسوس ہورہا ہے کہ تم میری نیت پر شبہ کررہے ہو" اس کی آواز میں ہلکی سی ترشی عود کر آئی "ڈینی کے خلاف تم نے اب تک کیا' کیا ہے؟"

"میں نے اپنے طور پر اسے پکڑوانے کے لیے جو جتن کیے ہیں انہیں تو بھول ہی جاؤ۔ ایک بنیادی بات تمہارے سامنے ہے کہ میں نے اس کے فنگر پرنٹس مہیا کیے ہیں جو اس سے پہلے کسی کے ریکارڈ میں موجود نہیں تھے۔ وہ کتنے ہی روپ بدل لے' اپنے فنگر پرنٹس نہیں بدل سکتا۔"

"اور ہم محض فنگر پرنٹس کے سہارے اسے لاکھوں کی بھیڑ میں سے ڈھونڈ کر پکڑلیں گے تاکہ تم کو انعامی رقم دینے سے بچ سکیں" اس کی آواز استہزائیہ ہوگئی۔

"فنگر پرنٹس تو اس کے ڈینی ہونے کی تصدیق کریں گے" میں نے اس کے رعب میں آئے بغیر کہا "اس کو پکڑنے کے لیے اس کا خاکہ تمہارے پاس تیار ہے' آواز بھی محفوظ ہے۔ یہ باتیں تم نے خود ہی مجھے بتائی تھیں۔ سارا مواد یک جا ہونے کے بعد میری کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟"

"کرنل جمال! پلیز' ایسی اوچھی باتیں مت سوچو۔ ہماری مجبوریوں کا احساس کرو۔ میں کسی بدنیتی کی بنا پر تمہیں ڈینی کی تلاش سے نہیں روک رہا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہے۔ اوبی نے مائیکروبگ سسٹم تمہاری مدد کے لیے مہیا کیا ہے۔ اندر کے کسی آدمی کی مدد کے بغیر اس خونی بھیڑیے کو پکڑنا محال ہے۔ تم مطمئن رہو' میدان صاف ہوتے ہی تم کو گرین سگنل مل جائے گا۔"

"میری اور تمہاری پوزیشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم اپنے وہ فرائض پورے کررہے ہو جن کی تنخواہ لیتے ہو۔ میں اپنے فرائض سے روگردانی کرکے ڈینی کا پیچھا کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی میرے ذہن میں اندیشوں کی آگ بھڑکا سکتی ہے۔"

"میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں' تم اپنی جگہ درست ہو" اس نے نرمی سے کہا "موجودہ خراب حالات میں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ درگزر کا سلوک کرنا چاہیے۔"

"میں مسلسل افہام و تفہیم سے کام لے رہا ہوں۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ ایک ہوٹل سے غائب ہوگیا' دوسرا ملک سے نکل

فلم' صحافت اور ادب کی ان کہی کہانیاں

علی سُفیان آفاقی کی یادداشتیں

فلمی الف لیلہ

ایک تاریخ ساز سلسلۂ تحریر

مشہور اداکار و گلوکار عنایت حسین بھٹی' اداکار آزاد اور ایگزیٹ روز گار شاعر سید ضمیر جعفری کے قصے۔

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ پڑھنا نہ بھولیے

Downloaded from https://paksociety.com

گیا۔ تم سے رابطہ نہیں ہوا اور ہوا تو تم مجھے اس کام سے روک رہے ہو جس کے لیے میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگادیا ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے یہ شبہ ہوا تھا کہ تم جان بوجھ کر مجھے ہر طرف سے کاٹ کر الگ تھلگ کردینا چاہ رہے ہو" میں نے کہا۔

"میری وضاحت سے تمہارے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات دور ہوگئے ہوں گے" اس نے میری صاف گوئی کا برا مانے بغیر پوچھا۔

"میرا ذہن بڑی حد تک صاف ہوچکا ہے۔ اس وقت بھی تم سے بات نہ ہوتی تو میں گھبرا کر کوئی بڑا قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔"

"وہ بڑا قدم کیا ہوسکتا تھا؟" اس نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی" میں نے جواب دیا "وقت پڑنے پر ہی اس کا حل ذہن میں آتا ہے۔"

میری گفتگو کے دوران میں وہ چاروں ہمہ تن گوش بنے رہے تھے۔ میری طرف سے ادا کئے جانے والے فقروں سے انہوں نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو کسر رہی تھی وہ ان کے سوالات اور میرے جوابوں کے ذریعے پوری ہوگئی۔

"اگر میجر بخشی بھی ایسے سُرالاپ رہا ہے تو ان لوگوں کے حوصلے بالکل دم توڑ چکے ہیں" سلطان شاہ نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہرگز نہیں" اول خان نے سختی سے اس کی رائے مسترد کردی "میجر بخشی درست کہہ رہا ہے۔ یہ ان کی عارضی اور مصلحت آمیز پسپائی ہے۔ پچھلی مہم جوئیوں کے خوں ریز نتائج سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور اب وہ حالات سے سمجھوتا کرکے چل رہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ اس بار انہوں نے یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے کی ہوئی تھی" میں نے اول خان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہی وجہ ہے کہ کل رات کے واقعے کے بعد انہوں نے آج بہت سرعت سے فیصلے کئے ہیں۔"

"پھر بھی یہ طے نہیں کرسکے کہ اوبرائن کے اختیارات کسے منتقل ہوں گے" ویرا نے ٹوکا۔

"شاید جیپ کے حادثے کی وجہ سے حالات نے ان کی توقع سے پہلے ہی خطرناک موڑ لے لیا ہے۔ یہ خلا جلد ہی پُر کرلیا جائے گا" اول خان نے کہا "ڈینی کی زندہ یا مردہ گرفتاری کی مہم اوبرائن نے نہیں چلائی تھی۔ یہ امریکا کی سرکاری پالیسی ہے۔ اوبرائن سمیت کسی کے بھی آنے یا چلے جانے سے اس کے تسلسل میں فرق نہیں پڑے گا۔"

"پھر میجر بخشی نے ڈینی کو اس کی اپنی تلاش سے کیوں روکا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"میجر بخشی امریکی عملے کا آدمی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اوبرائن کے ساتھ مل کر دوسرے منصوبے پر کام کررہا ہو۔ اوبرائن نے کرنل جمال دستی کو ذاتی طور پر اس کے سپرد کیا تھا۔ بخشی اس سے اجازت لیے بغیر کرنل کو کسی اور کے حوالے نہیں کرے گا۔"

"یعنی اوبرائن ڈینی کی گرفتاری کا سہرا اپنے سر پر سجانے کی کوشش کررہا ہے؟" سلطان شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا "یہ سرکاری پالیسی سے انحراف نہیں ہے؟"

"اوبرائن اناپرست ہے" میں نے اسے بتایا "اس کے سر پر میرا بھوت سوار ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آئے ہوئے ایک کارآمد مخبر کو دوسروں کے حوالے کیوں کرے گا؟"

غزالہ خاموشی سے وہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ میری وضاحت پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "آپ نے کرنل جمال دستی بن کر اپنا دہرا کردار خوب نبھایا ہوا ہے۔ میجر بخشی کو ابھی تک آپ پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔"

"یہ دہرا کردار زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا" اول خان نے اپنا فیصلہ سنادیا "اوبرائن پہلے ہی یہ شبہ ظاہر کرچکا ہے کہ کرنل جمال دستی کے رابطے میں آنے والا ہر شخص مصائب یا موت کا نشانہ کیوں بن جاتا ہے۔ وہ دھن راج والے قصے کو بھی اسی رنگ میں دیکھے گا۔"

"پھر وہ دونوں مجھ پر اعتماد کیوں کررہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"واقعہ تازہ ہے۔ ابھی وہ خود کو بچانے کی فکر میں ہیں۔ اوبرائن کو یہ خیال کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ وہ نئی دہلی سے میجر بخشی سے رابطہ کرے گا اور پہیہ الٹا چل پڑے گا۔"

"پہیہ الٹا چل پڑے گا" سلطان شاہ نے وہ فقرہ دہرایا "یعنی ہمارے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہوجائیں گی؟"

"ہم سب سے زیادہ مخدوش پوزیشن ڈینی کی ہے۔ باہمی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر وہ کسی بھی وقت ڈینی یعنی کرنل جمال دستی پر کوئی مہلک وار کرسکتا ہے۔"

میرے لیے اول خان کے وہ الفاظ کسی وضاحت کے محتاج نہیں تھے۔ میں نے میجر بخشی کو اپنے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہ بتا کر اس کے دماغ میں شک کا پہلا بیج بودیا تھا۔ اوبرائن کی منطق سے سہارا پاکر وہ بیج تناور درخت کا روپ دھار سکتا تھا۔ ایسی صورت میں میجر بخشی مجھے قید کرکے تشدد کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کی کوشش کرسکتا تھا۔

"تمہارے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔ اس سے پہلے کہ اسے ہوش آئے' ہمیں اسی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر میجر بخشی کو اغوا کرلینا چاہیے" میں نے کہا۔

"واہ!" سلطان شاہ نے میز پر ہاتھ مار کر میری تائید کی "بڑی نادر تجویز ہے۔ اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔"

ایسی کارروائی میں بس ایک ہی خطرہ پوشیدہ تھا۔ میجر بخشی کی

Downloaded from https://paksociety.com

قیمت ادا کرکے انہیں یہ یقین ہوجاتا کہ کرنل جمال دستی ان کے حریف ڈینی ہی کا ایک خطرناک روپ تھا۔

میں نے گلاس کے ذریعے جو فنگر پرنٹس اوبرائن تک پہنچائے تھے وہ گمراہ کن قرار دے کر مسترد کردیے جاتے اور کرنل جمال دستی کے روپ میں لیے ہوئے میرے اصل فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ کا حصہ بن جاتے۔ یوں میری ایک ناقابلِ تردید شناخت ان کی تحویل میں چلی جاتی۔

وہ خاصا بھیانک خطرہ تھا مگر میں اسے زبان پر نہیں لایا۔ وہ مسئلہ اٹھایا جاتا تو میرے تحفظ کی خاطر میجر بخشی کے اغوا کا معاملہ التوا میں پڑجاتا۔

میرے لیے وہ تاخیر بھی اسی قدر خطرناک تھی۔ میجر بخشی اور اوبرائن کو سوچنے اور آپس میں مشورہ کرنے کی مہلت مل جاتی تو میری بے خبری میں بخشی مجھے پر نمال بنا سکتا تھا۔

اول خان نے ایک خطرناک امکان کی بروقت نشاندہی کی تھی اور وہ امکان غزالہ کے ایک تصیفی فقرے سے ابھر کر یکایک سامنے آیا تھا۔

"میجر بخشی کے خلاف قدم اٹھانا ضروری ہوگیا ہے" ویرا کہہ رہی تھی "ویسے بھی اب صرف وہی میدان میں باقی رہ گیا ہے۔"

"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے غزالہ سے پوچھا "یہ مسئلہ تم ہی نے کھڑا کیا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہوچکی تھی۔ دوسروں کی باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میں بھی سب کے ساتھ ہوں لیکن یہ دیکھ لیں کہ آپ کو گزند نہ پہنچے۔ بازو کے زخم کے کچھ اثرات اب بھی باقی ہیں۔"

"کل شام اس سے بات ہوگی تو میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھ سے کہیں ملنے پر آمادہ ہوجائے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اسے کل ہی یہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

چند ثانیوں کے لیے اول خان کے دفتر میں سکوت چھاگیا۔ کسی کو میری طرف سے ایسے عاجلانہ فیصلے کی توقع نہیں تھی۔ وہ میری صورت دیکھتے رہ گئے تھے۔

"اتنی عجلت مت کرو" اول خان نے ناصحانہ لہجے میں سکوت کو توڑا "کل تک سوچ لیتے ہیں۔ طے ہوگیا تو یہ قدم پرسوں اٹھالیا جائے گا۔"

"اب سے کل تک ہمارے پاس بائیس گھنٹے کی مہلت موجود ہے۔ کسی کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو اس پر مشورہ کرلیں گے۔ مجھے افسوس ہورہا ہے کہ میں نے اب تک اس خطرناک پہلو پر کیوں دھیان نہیں دیا تھا۔"

"شاید خطرے کی اچانک نشان دہی کی وجہ سے تم ہیجان کا شکار ہوگئے ہو" اس نے کہا۔

بجٹ

شوہر اور بیوی کا بجٹ الگ الگ تھا۔ یعنی بیوی کے استعمال میں آنے والی چیزوں کا خرچہ بیوی کے کھاتے میں اور شوہر کے استعمال والی چیزوں کا شوہر کے کھاتے میں۔

بیوی نے لپ اسٹک خریدی مگر آدھا خرچہ شوہر کے کھاتے میں لکھا۔ شوہر نے کھاتا دیکھ کر احتجاج کیا "لپ اسٹک خالصتاً تمہارے استعمال کی چیز ہے۔ آدھا خرچہ میرے ذمے کیوں...؟"

بیوی نے کہا "ٹھیک ہے' لپ اسٹک لگاتی میں ہوں مگر آدھی تمہارے منہ میں بھی تو جاتی ہے۔"

عبدالہادی ظہیرالحق کی کرم فرمائی مردان سے

"تم جانتے ہو کہ میں بدترین حالات میں بھی پرسکون رہ کر فیصلے کرتا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ میرے اور میجر بخشی کے درمیان اعتماد ہی واحد ہتھیار ہے جس سے ہم ایک دوسرے کو آسانی سے ذبح کرسکتے ہیں۔ میں نے موقع گنوادیا اور میجر بخشی نے اس ہتھیار کے استعمال میں پہل کردی تو میں بے دست وپا ہوکر رہ جاؤں گا۔ وہ ایس ایس بی کا آدمی ہے۔ میرے ساتھ ذرا بھی رورعایت نہیں کرے گا۔"

غزالہ نے اچانک اپنی جگہ چھوڑی اور روہانسی آواز میں بولی "میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ جو فیصلہ ہوگا' وہ مجھے بھی منظور ہوگا۔"

سلطان شاہ اسے پکارتا ہوا اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے کے زینے اترتی چلی گئی۔

"دیکھا تم نے!" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا "عورت کا دل اتنا چھوٹا ہوتا ہے.... تمہیں اس کے سامنے ایسی بھیانک منظرکشی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تمہارے چنگل میں آگیا تو تم اس کے ساتھ کون سی رعایت برتو گے؟"

"انگلینڈ میں چھوٹے دل والی اسی عورت نے تمہارے آدمیوں کو تگنی کا ناچ نچادیا تھا" میں نے ویرا کو ماضی کے واقعات یاد دلاتے ہوئے کہا "عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ بس محبت اس میں ذرا گداز پیدا کردیتی ہے۔"

ان فقروں میں ویرا کے لیے ایک چوٹ بھی پنہاں تھی۔ دوسروں کی موجودگی کی وجہ سے وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکی' بس گھور کر رہ گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ غزالہ کے پیچھے ایسا گیا کہ دیر تک واپس نہیں آیا تو اول خان نے ویرا کو بھی اسی طرف بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک عورت ہی کسی جذباتی عورت کو بہتر انداز میں دلاسے دے سکتی ہے۔

اتفاق سے میسر آجانے والے اس تخلیئے کو نعمت سمجھتے ہوئے میں نے اول خان سے نئی مہم کے خدوخال پر اہم تبادلہ خیال شروع کردیا۔

ہم دونوں کافی تاخیر سے دفتر سے نکلے۔ اپنے رہائشی کمروں کی طرف پہنچنے پر یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا اور سلطان شاہ کی دل جوئی کی وجہ سے غزالہ جذباتی صدمے کے اثرات سے بڑی حد تک نجات حاصل کرچکی تھی۔ بس اس کے چہرے پر تشویش کے سائے سے لہرا رہے تھے۔ میرے ارادوں کے پیش نظر کچھ نہ کچھ فکرمند ہونا اس کا حق تھا۔

کھانے اور میدان میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کے دوران میں مجھے اس کو مزید سمجھانے کا موقع مل گیا۔ وہ متعدد خوں ریز معرکوں میں میرے شانہ بہ شانہ شریک رہی تھی۔ اس روز ذرا سی بات پر اس کا دل بھر آنے پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔

میرے بار بار کے استفسار پر بھی غزالہ مجھے کوئی معقول جواب نہیں دے سکی۔ شرمساری ہنسی کے ساتھ کبھی میرے بائیں بازو کے تیزی سے مندمل ہوتے ہوئے زخم کا حوالہ دیتی اور کبھی خوں ریزی سے اپنے بڑھتے ہوئے خوف کا ذکر کرتی رہی۔

اس رات وہ خوش تھی کہ اس بہانے اسے میرے ساتھ کچھ دیر تنہائی میں ٹہلنے اور باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں اس پر پوری توجہ دے رہا تھا لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا بھی چھپی بیٹھی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ دوبارہ اندھیرے کمرے میں چھپ کر حسرت سے ہماری نگرانی نہ کررہی ہو۔ ہم میدان کا چکر لگاکر واپس لوٹے تو ویرا خوشگوار موڈ میں سلطان شاہ کے ساتھ رمی کھیل رہی تھی۔ اس رات مے نوشی کا موقع نہ ملنے کے سبب وہ بالکل نارمل تھی۔

رات میں نے گہری نیند سوکر پچھلے روز کا حساب برابر کرلیا۔ یہ بات میں پہلے بھی نوٹ کرچکا تھا کہ اسٹیشن فور کے میدانی کمروں میں دریچوں اور کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں سے چھن کر اندر آنے والی سورج کی تیز روشنی کے باعث وہاں دیر تک سوتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ ویسے بھی وہاں رہنے والے سحرخیزی کے عادی تھے مگر میں اس روز دیر تک سویا تھا۔

اول خان حسب دستور غائب تھا۔ سلطان شاہ میری نیند میں خلل انداز ہونے کے بجائے ویرا اور غزالہ کے ساتھ جا بیٹھا تھا۔ اپنے معمولات سے فارغ ہوکر میں بھی ان کی محفل میں شریک ہوگیا۔ ان کے درمیان تازہ خبروں پر تبادلۂ خیال ہورہا تھا۔

ناشتے کے دوران میں، میں نے بھی اہم خبریں پڑھ ڈالیں۔ شہر میں ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کی ترسیل کے حوالے سے بھیشم داس کے اقبالی بیان اور تصاویر کو خصوصی اہمیت دی گئی تھی۔ سرخیوں میں دھن راج کے نام کے ساتھ ادبرائن کے بجائے ایک غیر ملکی سفارتی افسر کے ملوث ہونے کا ذکر موجود تھا۔ وہ تبدیلی شاید بعد میں کسی زیرک افسر کے ایما پر کی گئی تھی مگر میرے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ ادبرائن کے نام کے ساتھ جاری ہونے والا ابتدائی متن متعلقہ لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ امریکی سفارت خانے کے بروقت احتجاج کی وجہ سے اعلامئے کے اصل متن میں سے ادبرائن کا نام حذف کرکے متبادل الفاظ شامل کردیے گئے ہوں۔

بھیشم کے ذریعے پس پردہ کرداروں کے سامنے آجانے سے سب سے زیادہ نقصان دھن راج کے خاندان کو پہنچا تھا۔ کئی اخباروں نے عمرکوٹ میں اس خاندان کے اعزاز واعتبار کے تعرفی حوالوں کے ساتھ دھن راج کو اپنے گھرانے کے لیے کلنک کا ٹیکا قرار دیا تھا۔

گپ شپ کے دوران میں منتظر رہا کہ ان میں سے کوئی میجر بخشی کے مجوزہ اغوا کا ذکر چھیڑے لیکن کسی نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تو میں نے فرض کرلیا کہ اول خان میرے بیدار ہونے سے پہلے انہیں اس بارے میں بریفنگ دے چکا تھا۔

میں نے اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارتا رہا۔ مجھے بہت شدت سے اس شام کا انتظار تھا جو میجر بخشی کے لیے فیصلہ کن ثابت ہونے والی تھی۔ اس سے گفتگو کا خاکہ دھیرے دھیرے میرے ذہن میں ترتیب پارہا تھا۔

سورج کے نصف النّہار پر پہنچنے سے پہلے ویرا نے کچھ خریداری کے لیے چھاؤنی کے ایک قریبی بازار کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سلطان شاہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ غزالہ متذبذب تھی۔ میں نے ویرا کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ کرلے گئی۔

مجھے ڈر تھا کہ میرے ساتھ تنہائی میسر آتے ہی غزالہ پر جذباتی ابال طاری ہوجائے گا اور میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔ رات کی چہل قدمی میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والا گہرا سکون صبح کے اجالے میں ایک مرتبہ پھر مفقود ہوچکا تھا۔

اول خان اس روز شاید اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ دوپہر کو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوکر وہ دوبارہ واپس چلا گیا۔

پانچ بجے ہم سب چائے نوشی کے لیے ایک مرتبہ پھر یک جا ہوچکے تھے۔

"سنا ہے کہ تم میجر بخشی کو اٹھانے پر تل گئے ہو۔" پہاڑ جیسا دن گزر جانے کے بعد ویرا نے اس وقت پہلی بار اس بارے میں زبان کھولی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"میں اس کا سبب کل ہی بتا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔"

"فرض کرو کہ وہ تم سے ملاقات پر آمادہ نہ ہوا تو تم کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"صبر اور مناسب ساعتوں کے انتظار کے سوا کیا کیا جاسکے گا؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت یہ ذکر مت کرو۔" اول خان نے انہیں ٹوک دیا۔ "ڈینی کو یکسوئی کے ساتھ اپنا ذہن بنانے دو۔ اس کی کامیابی اور ناکامی کا بیشتر انحصار چھ بجے والی گفتگو پر ہی ہوگا۔"

ویرا سر جھٹک کر زیر لب کچھ بڑبڑائی۔ الفاظ میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکے مگر غزالہ کی خفیف سی مسکراہٹ سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اس نے اول خان کی ہدایت پر کوئی نامناسب تبصرہ کیا تھا۔

چھ بجے سب اول خان کے دفتر میں موجود تھے۔ میں نے نمبر ملایا اور دوسری طرف سے میجر بخشی نے دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا۔

"تم نے آج کے اخبارات تو دیکھ ہی لیے ہوں گے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی۔ "ان میں دل کھول کر سرخیاں لگائی گئی ہیں۔"

"یہ پرانی خبریں ہیں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک تازہ اور اچھی خبر موجود ہے۔" اس نے اپنے معمول سے ہٹ کر ایک نامکمل فقرہ کہا۔

میں خاموشی سے اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولا۔ "تم خاموش ہو۔ اس اطلاع سے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"اچھی اور بری خبریں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ میں منتظر تھا کہ تم تمہید کے بعد خبر بھی سنا ڈالو گے۔ مگر آج تم کچھ لمبی گفتگو کے موڈ میں نظر آرہے ہو۔"

"معاملات صاف ہوگئے ہیں۔ کانٹا لگا دو..... اور ہاں! اگر تم تھوڑی دیر بعد کہیں مل سکو تو یہ گفتگو بہت مختصر بھی ہوسکتی ہے۔"

ستاروں کی یاد پر میں حیران رہ گیا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ اس کی زبان پر آگیا تھا۔ میرے لیے اس سے بہتر موقع نہیں آسکتا تھا۔ میں نے بے پروائی سے پوچھا۔ "کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟"

"وہیں پرانی جگہ پر۔ سات بجے تک کلب کے لان پر مل سکتے ہو؟"

"خالی ٹیکسی مل گئی تو شاید چند منٹ پہلے ہی پہنچ جاؤں۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا۔ "ذرا سی تاخیر ہوجائے تو انتظار کرلینا۔"

"آج کی ملاقات بہت اہم اور ضروری ہے۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

فون نمبر

"بھائی، کبھی فون ہی نہیں کیا، کیا وجہ ہے؟"

"یار، میرے پاس آپ کا فون نمبر ہی نہیں ہے....."

"اچھا تو لکھو میرا فون نمبر ساڑھے تین سو پونے چار سو....."

"کیا....؟ یہ کون سا نمبر ہے؟"

"او یار..... 350375 بالکل آسان نمبر ہے....."

"اچھا جی۔"

مردان سے عبدالہادی ظہیرالحق کی شوخی

"ایجنڈا کیا ہوگا؟" میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آج کوئی تنازعہ بات نہیں ہوگی۔ مائیکرو بگز وغیرہ کے معاملات ہیں۔" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "چاہو تو آکر ٹیکسی کو رخصت کردینا۔ واپسی پر میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ دے گا۔"

"شکریہ میجر! تمہاری یہ مہربانی مجھے مہنگی پڑ سکتی ہے۔ میں تمہاری گاڑی میں یا تمہارے ڈرائیور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا اور میری واپسی کی منزل تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کتنی حساس ہے۔ ہر شخص چونک پڑے گا کہ ٹیکسیوں میں پھرنے والا کرنل جمال دستی آج کس کی گاڑی میں شہر سے واپس آیا ہے۔ بلاوجہ کہانیاں بن جائیں گی۔"

"تم بہت محتاط اور ذمے دار آدمی ہو کرنل!" اس کی ستائشی آواز ابھری۔ "میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ دو چار ڈرنکس لے کر کھانا کھاؤ اور پھر واپس چلے جاؤ۔"

"کیا بات ہے؟ آج تم اتنے مہربان کیوں ہورہے ہو؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"اوہ! آئی ایم سوری کرنل۔" اس کا لہجہ بدل گیا۔ "آؤ گے تو بات ہوگی۔"

اس بار میجر بخشی نے مجھے کوئی سوال کرنے کا موقع دیئے بغیر فون بند کردیا۔

"ہاں کیں..... وہ خود تم سے ملنا چاہ رہا ہے۔" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے اعتباری سے پوچھا۔ "اب اس کے

Downloaded from https://paksociety.com

دن واقعی پورے ہوگئے ہیں۔"

"چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔ "پہلے پوری بات سن لو۔"

اس سے ہونے والی مختصر سی گفتگو سن لینے کے بعد ویرا بولی۔ "سلطان شاہ کو آنکھیں کیوں دکھا رہے تھے۔ وہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے کہ مچھلی خود کانٹا نگلنے کے لیے بے چین ہے۔"

"آج کی گفتگو میں آپ نے اس کی ہلکی سی غیر معمولی ہنسی کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ مجھے دال میں کچھ کالا معلوم ہو رہا ہے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ آج کی گفتگو کی بعض باتیں معمول سے ہٹی ہوئی ہیں۔ کھانے' پینے اور گاڑی میں واپس بٹھوانے کی پیش کش..... مگر یہ اس کی خوشی کے باعث بھی ہو سکتی ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ تمہیں کلب جیسی بارونق جگہ پر ہرگز نہ بلاتا' کسی ویرا نے کو ترجیح دیتا۔"

"کوئی کام توقع کے خلاف آسان ہو جائے تو اس میں اسی طرح کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔" ویرا نے برا سا منہ بنا کر تنقید کی۔

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد وہ یہاں اکیلا رہ گیا تھا اور پریشان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اوبرائن سے بات ہو جانے کے بعد اس کے ذہن سے سارا بوجھ اتر گیا ہو۔" سلطان شاہ نے بھی ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "ایسی حالت میں وہ بے فکر ہو سکتا ہے۔"

"سب کی باتیں سن رہے ہو۔" اول خان نے مجھ سے کہا۔ "تم خود کیوں نہیں بولتے۔"

"اس سے براہ راست آپ کی گفتگو ہوتی رہی ہے۔" غزالہ بولی۔ "ہم اس کی باتیں آپ کی زبانی سنتے ہیں۔ اس کے اصل لب و لہجے سے آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فون پر وہ حاکمانہ لہجے میں صرف مطلب کی بات کرتا ہے مگر آج اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے پھسلا کر آج کی ملاقات کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"اسے ظاہری طور پر تمہارے اوپر برتری ہے۔ وہ تمہیں کلب کے بجائے کہیں اور بھی بلا سکتا تھا۔ وہ جگہ کسی بھی ناخوش گوار کارروائی کے لیے بہت ناموزوں ہے۔"

"سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا پروگرام کیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا یا پھر مفاہمانہ انداز میں اٹھا لے جانے کا فیصلہ کیے بیٹھا ہے۔ یہ باتیں اس سے ملنے کے بعد ہی واضح ہو سکیں گی۔"

"میرے لیے یہ اتفاق تو قابل قبول نہیں ہے کہ یہاں ڈینی اسے اغوا کرنے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھا ہے اور وہاں وہ ڈینی کے خلاف ایسا ہی منصوبہ بنا رہا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔

"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ایک سرے پر وہ قابض ہے اور دوسرا میرے پاس ہے۔ ہمارے کارڈز ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ اگر اسے مجھ پر کوئی شبہ ہو چکا ہے تو اسے بھی اسی فیصلے پر پہنچنا چاہیے تھا جو میں اس کے خلاف کئے بیٹھا ہوں۔"

اول خان مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہیں اس کے ارادوں پر شبہ ہو گیا تھا تو تمہیں اس سے مزید وقت لے لینا چاہیے تھا۔ تم جانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر وقت برباد مت کرو۔ تمہیں نئے چیلنج کے مقابلے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

"تم سب اس کی طرف سے بدگمان ہو چکے ہو تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ یہ ملاقات آج کے بجائے کل پر ٹال دو۔" ویرا نے پہلی بار پوری سنجیدگی سے وہ رائے دی۔ "یہ سیدھا سیدھا کٹ تھروٹ گیم ہے۔ تم سے کہیں بھی ذرا سی چوک ہو گئی تو وہ بے رحمی سے تمہارے اوپر غالب آ جائے گا۔ تیاری اور بھرپور تیاری کے بغیر ذرا سی دیر کے نوٹس پر اس کا سامنا کر کے تم غلطی کرو گے۔"

میرے ہونٹوں پر ہلکی سی بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی اور میں نے معنی خیز لہجے میں اس سے کہا۔ "تم کو علم ہے کہ میں آج کل دو کشتیوں کا سوار ہوں۔ یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ آخر کار مجھے کس کشتی میں رہ کر سفر کرنا ہے۔"

وہ میری نجی زندگی پر ویرا کے دباؤ کا ذو معنی اشارہ تھا۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری کشتی ایک ہے اور تم....."

"ڈینی!" اول خان نے تلملائی ہوئی آواز میں ویرا کی بات کاٹ دی۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ تیاری کرو اور تم وقت برباد کیے جا رہے ہو۔ یہ وقت تشبیہات اور استعاروں کے استعمال کا نہیں' عمل کا ہے۔ تم حالات کی سنگینی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو وہ دس بجے تک بھی میرا انتظار کرتا رہے گا۔ تم فکر مت کرو۔ میں احتیاطی تدابیر اختیار کیے بغیر یہاں سے قدم باہر نہیں نکالوں گا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" یہ کہہ کر اول خان تیزی سے اپنے دفتر سے نکل گیا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ ان تینوں میں سے کسی نے ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آ رہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس الیمیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان ویرا کو اغوا کرکے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس الیمیڈا کی رہائی کا مطالبہ گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس الیمیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلوفر جیسے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس الیمیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت راکے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس الیمیڈا کو جہنم رسید کرکے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے راکے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دوم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے راکے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بکری اسکنڈر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کرکے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ تحقیق کے ذریعے ہم دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس الیمیڈا کے جانشین آنرک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروایا مگر لزم پکڑا گیا۔ راکے دونوں ایجنٹوں کی توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم بدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ راکے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس الیمیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے ٹک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہ راست ٹک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ٹک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ ٹک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیور منگوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ طنیز تھی' بدری کو ٹک کا تھکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا راہلے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دوران سفر دن موہن کے ٹیلی انفارمیشن سیل کے مہر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش دیرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس الیمیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سن تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس الیمیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رخت سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس الیمیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آنرک بیل کی رنگیلی انکار پور یشن میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی اینٹی ملیٹی کمپنی کو ترسیل کیے گئے پرزوں کو کلونہ کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے باہمی ہونے والے خفیہ معاہدے کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس الیمیڈا کی ریاضیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس الیمیڈا کے بعد میں نے نتیجہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصل جہنم کردیا۔ ٹک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اخلاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ذہنی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے ٹیلی انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجواڑی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجواڑی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے کمرے کا کالو کرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری نگہبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اور ائر اتاشی ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیتی کی تلاش میں اس کے کام آسکتا ہوں۔ اوپی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوپی کی پراسرار موت کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اپنی تمام باتوں کی تصدیق کرلی اور اس نے مجھے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد میں نے اوپی کے ساتھی ایجنٹ کو ہلاک کرکے اس کی جگہ لے لی۔ اوپی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوپی کی پراسرار موت کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اپنی تمام باتوں کی تصدیق کرلی اور اس نے مجھے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد میں نے اوپی کے ساتھی ایجنٹ کو ہلاک کرکے اس کی جگہ لے لی۔ اوپی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوپی کی پراسرار موت کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اپنی تمام باتوں کی تصدیق کرلی اور اس نے مجھے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد میں نے اوپی کے ساتھی ایجنٹ کو ہلاک کرکے اس کی جگہ لے لی۔ اوپی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوپی کی پراسرار موت کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اپنی تمام باتوں کی تصدیق کرلی اور اس نے مجھے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد میں نے اوپی کے ساتھی ایجنٹ کو ہلاک کرکے اس کی جگہ لے لی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اسٹیشن فور پر ہم چاروں پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی' ہم جہاں چاہتے' جاسکتے تھے لیکن دو سروں کا تو خیر ذکر ہی کیا' میں خود بھی ایس ٹی ایف والوں کے اس عارضی پڑاؤ کو ایک میدان میں بنی ہوئی چند بیرکوں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

لے دے کر بس ان کا ریڈیو کنٹرول روم ہی ان کا اہم ترین مواصلاتی شعبہ تھا جہاں ان کے شہر بھر میں پھیلے ہوئے کارندوں کی باہمی گفتگو اور خفیہ پیغامات کو مانیٹر کرکے تازہ ترین اندازے قائم کیے جاتے تھے۔ ایک بیرک کے اسی وسیع کمرے میں وہ طاقت ور لاسلکی ٹرانسیٹر اور ریسیور تھا جس کے ذریعے ایس ٹی ایف کے دوسرے اسٹیشنوں سے رابطہ استوار ہوتا تھا۔

وہ مواصلاتی کمرا میرا دیکھا ہوا تھا۔ مجھے کبھی گمان تک نہیں ہوا تھا کہ ان بیرکوں میں کوئی کمرا ریڈیو کنٹرول روم سے زیادہ اہم بھی ہوگا۔

اس شام اول خان نے میری نئی مہم کے سلسلے میں جن کمروں کی سیر کرائی وہ میرے لیے عجوبوں سے کم نہیں تھے۔ وہاں بہت سی ایسی چیزیں موجود تھیں جو ہنگامی صورتِ حال میں بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتی تھیں۔

ملیر چھاؤنی کے اس دور افتادہ علاقے کی متروکہ بیرکوں میں مقیم ایس ٹی ایف کے صف شکنوں کو دیکھ کر بارہا میرے ذہن میں وہ مصرعہ گونجا تھا جس میں سپاہی کے لیے مومن ہونے کی یہ خوبی بیان

Downloaded from https://paksociety.com

کی گئی ہے کہ وقت پڑنے پر اسے کچھ میسر نہ ہو تو وہ بے تیغ بھی لڑتا ہے۔ ان کمروں کو دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ ایس ٹی ایف والے اس وقت بھی ایسے بے سروسامان نہیں ہے۔ ان کی زنبیل میں سیکڑوں ایسے شعبدے موجود تھے جو حریف کو متحیر کرسکتے تھے۔

مجھے میجر بخشی سے بات کئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں چھ کے بعد تیزی کے ساتھ سات بجنے کا اعلان کرنے والے نکتوں کی طرف سفر کررہی تھیں۔ اول خان مضطرب ہوا جارہا تھا مگر میں اس کے آدمیوں کے مشورے سے اپنے لیے کام کی چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھا۔

"تم بہت وقت لے رہے ہو۔ سات بجے ہرگز وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔" اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"میں بس چند منٹ لوں گا۔ تم اس دوران میں دو سروں کو بریفنگ دے کر میرے لیے ٹیکسی منگواؤ۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنادیا۔

وہ قدرے برہمی کے انداز میں وہاں سے نکل گیا۔ وقت کے ضیاع کے سلسلے میں اختلاف کے باوجود وہ میرے مشورے کی افادیت سے انکار نہیں کرسکا تھا۔

وہ اپنا کام کرنے نکل گیا تھا اور میں تیزی سے اپنے کام نمٹا رہا تھا۔

وقت اور کاموں کی وہ تقسیم کارگر رہی۔ میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہوکر باہر نکلا تو اول خان میری روانگی کا بندوبست مکمل کرچکا تھا۔

کلب میں اہم ترین دفاعی پوزیشن سنبھالنے والی ہر اول پارٹی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوچکی تھی' مجھے لے جانے والی فرسودہ ٹیکسی میں ایس ٹی ایف کا ایک تجربے کار اہل کار ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

ٹیکسی کے پیچھے ایس ٹی ایف کی سرکاری' نیم سرکاری یا شاید غیر سرکاری جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں ڈرائیور سمیت چھ مسلح افراد سوار تھے۔

"اتنی تیاریاں کس معرکے کے لیے کی جارہی ہیں؟" میں نے دفاتر سے باہر آنے کے بعد قدرے استہزائیہ انداز میں اول خان سے پوچھا۔

"وہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں ہے' تم اس کے فراق میں ہو۔ کچھ نہ کچھ تیاریاں تو ہونی ہی تھیں۔ وہ آسانی سے تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"تم نے ان لوگوں کو ان کا رول سمجھا دیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"تم بے فکر رہو۔ ان میں سے کوئی بھی ضرورت پیش آنے سے پہلے تمہارے اور بخشی کے درمیان کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

وقت کی کمی کے باعث وہیں سے میری روانگی کی اطلاع پاکر غزالہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت وہیں آگئی تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"میری بات مانو تو اکیلے نہ جاؤ۔" ویرا نے آخری لمحات پر اصرار کیا۔ "مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ تم آسانی سے مجھے اپنی گرل فرینڈ کے طور پر متعارف کراسکتے ہو۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "اگر اسے میرے اوپر شبہ ہوچکا ہے تو سفید فام گرل فرینڈ اسے مزید شبہات میں ڈال دے گی۔ فی الحال تمہارا پردے میں رہنا ہی مناسب رہے گا۔"

"میں روپوشی اور پردے کی زندگی سے اب بے زار ہوچکی ہوں۔"

"مشرق میں عورت صدیوں سے اس مسئلے کا شکار ہے۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی اس کی بات اچک لی "یہ امر صرف مرد ہی جانتے ہیں کہ عورتوں کی بے پردگی کیسی کیسی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ تم کو گھر میں محدود رہنا چاہیے۔"

"ہر بات میں اپنی ٹانگ مت اڑایا کرو۔" ویرا بھنّا کر بولی۔ "غصہ آگیا تو میں کسی وقت تمہارا منہ توڑ کے رکھ دوں گی۔"

"ذرا احتیاط سے رکھنا۔ کسی آبگینے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

میرے پاس ان خرافات میں الجھنے کا وقت نہیں تھا' میں ان سب کی طرف ہاتھ لہرا کر ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔

"تمہارے ہاتھ میں یہ انگوٹھی کیسی ہے؟" ٹیکسی میں بیٹھتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تحیر زدہ آواز آئی "کس نے دی ہے؟"

"نئی منگنی کی نشانی ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

اس وقت میری رسٹ واچ میں سات بجنے والے تھے۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور کو بھی وقت کی اہمیت کا اندازہ تھا کیونکہ سڑک پر آتے ہی اس نے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔

میں کلب کے پورچ میں ٹیکسی سے اترا تو ساڑھے سات بج چکے تھے۔ میرے ذہن پر میجر بخشی سے طے شدہ ملاقات کے بارے میں ہلکا سا تناؤ طاری تھا۔ وہ میرے عزائم سے باخبر تھا نہ اس نے مجھے اپنے ارادوں کے بارے میں کچھ بتایا تھا جو کچھ بھی سامنے آیا تھا وہ میری قیاس آرائیوں کا نتیجہ تھا اور غالب امکان یہی تھا کہ میری اور بخشی کی ملاقات خاصی ناخوش گوار ثابت ہوسکتی تھی۔ میری دانست میں وہ میرے اغوا کا منصوبہ لیے بیٹھا تھا اور میں اسے گھیر گھار کر اپنے ساتھ لے جانے کا مصمم ارادہ لے کر اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تھا۔

میں ٹیکسی سے اتر کر جوں ہی لان کی طرف پلٹا تو میجر بخشی مجھے نظر آگیا۔ وہ لان کے نیم روشن گوشے میں اپنی مخصوص میز پر موجود تھا۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ میز پر ایک خوب صورت اور جوان عورت اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے دیکھ کر میجر بخشی نے اپنی جگہ سے ہاتھ لہرایا اور میں خفیف سی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ہولیا۔

میجر بخشی نے اپنی کرسی چھوڑ کر بہت تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی دیکھا دیکھی لڑکی کو بھی اپنی کرسی چھوڑنی پڑی۔

نکھری ہوئی رنگت، دلکش خدوخال اور ترشے ہوئے بالوں والی وہ لڑکی مجموعی طور پر کشش انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ وہ چھریرے بدن کی مالک تھی، نہ اس پر مٹاپے کی تہمت لگائی جاسکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان وہ بس صحت مند اور بھرے بھرے جسم والی دراز قد لڑکی تھی جس نے مختصر سے بلاؤز کے ساتھ ہلکی گلابی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔

"یہ کرنل جمال دستی ہیں اور یہ موہنی پنڈت.... میری پرانی دوست!" میجر بخشی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کا تعارف کرایا۔ موہنی نے ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اپنا گداز ہاتھ میری طرف بڑھادیا۔

خواتین سے مصافحے کا یہ عالمی اصول ہے کہ ان کے ساتھ بے جا گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر سب کچھ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرف سے جتنا دباؤ کا اظہار ہو، جواب میں اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔

موہنی سے تعارفی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اسی اصول پر عمل کرنا چاہا تھا لیکن اس نے میرے ہاتھ کو اپنی گداز ہتھیلی میں لے کر مخروطی انگلیوں سے یوں دبایا کہ میں چونک پڑا۔ اگر میں نے اپنی ہتھیلی کو فوراً ہی سخت نہ کرلیا ہوتا تو موہنی میرے ہاتھ کو بری طرح دبا چکی ہوتی۔

جارحیت کی ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی، میں نے شائستگی کی حد میں رہتے ہوئے اسے اپنی مردانہ گرفت کا احساس دلایا تو اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میجر بخشی نے ہم دونوں کے چہروں سے صورتِ حال کا اندازہ لگالیا اور مسکراتے ہوئے بولا "موہنی کو میں نے خاص طور پر تم سے ملوانے کے لیے بلایا ہے۔ آج کل یہ شہر کی سب سے کامیاب ماڈل گرل ہے۔ ہر فیشن شو اور قابلِ ذکر اشتہار میں نمایاں نظر آتی ہے۔"

"مجھے تو اس وقت ماڈلنگ کے بجائے مارشل آرٹ کا تجربہ ہوا ہے۔" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ تبصرہ کیا "ذرا سی چوک ہوتی تو کوئی جوڑ کھسک چکا ہوتا۔"

بخشی نے تحیر زدہ، مستفسرانہ نظروں سے موہنی کی طرف دیکھا اور وہ مترنم ہنسی کے ساتھ وضاحت کرنے لگی "پتاجی کا نیا شوق ہے۔ پچھلے ہفتے سے میں کراٹے سیکھ رہی ہوں۔"

بخشی نے استفہامیہ انداز میں اپنا سر ہلایا اور معنی خیز لہجے میں بولا "کہیں وہ کورین لڑکی تو تمہاری ٹریننگ نہیں کرا رہی؟"

"وہی ہے۔" موہنی نے اقرار کیا "میری ٹریننگ کے بہانے اسے گھر میں کافی وقت گزارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پتاجی خوش رہتے ہیں۔"

"پنڈت خاصا مظلوم آدمی ہے۔" میری لاتعلقی کا احساس ہوتے ہی میجر بخشی مجھ سے مخاطب ہوکر بتانے لگا "دس برس پہلے اس کی بیوی مرگئی تھی۔ اس نے موہنی کو باپ کے ساتھ ماں کا پیار بھی دیا ہے۔ اب اگر اس نے دل بہلانے کے لیے کسی کو رکھ لیا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔"

"خوب!" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے محسوس ہورہا ہے کہ ہماری اس میٹنگ کا ایجنڈا موہنی اور اس کے گھریلو حالات کے گرد ہی گھومتا رہے گا۔"

"موہنی اجنبی نہیں ہے۔ یہ ہم میں سے ہے اور بہت کچھ جانتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے اٹھ کر اسی کے گھر جائیں گے۔"

موہنی کے گھر جانے کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہوگئے مگر میں نے میجر بخشی کے الفاظ کو زیادہ اہمیت دیے بغیر سرسری انداز میں کہا "اگر موہنی کے باپ کو اعتراض نہ ہوا تو اس کے گھر پر تمہارا وقت بہت اچھا گزرے گا۔ ہم اپنے مذاکرات کل کے لیے ملتوی کرسکتے ہیں۔"

وہ دونوں پہلے سے اسکاچ سے شغل کررہے تھے۔ بخشی نے مجھ سے بھی اصرار کیا کہ میں الکحل ملا ہوا کوئی مشروب لوں مگر میں نے سختی سے انکار کردیا۔ میرے ذہن پر یہ جھلاہٹ بھی طاری تھی کہ اس نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر ادھورا چھوڑ کر پینے پلانے کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔

وہ میرے لیے ویٹر کو اسکواش لانے کی ہدایت دے کر فارغ ہوا تو میں نے چڑچڑے انداز میں دوبارہ کہا "اگر آج تم موہنی کے خانگی مسائل میں اتنے الجھے ہوئے تھے تو مجھے اتنی لمبی دوڑ لگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم نے فون پر اس ملاقات کی اہمیت پر زور کیوں دیا تھا؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میز پر آگے جھک کر نرمی سے کہا "موہنی پنڈت میرے لیے نئی نہیں ہے۔ اسے میں نے تم سے ملوانے کے لیے بلوایا ہے۔ یہ.....!"

ہم دونوں کی سوالیہ نظروں کا سامنا کرتے ہی وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں ذرا واش روم تک جارہی ہوں۔ دو منٹ میں آتی ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ وہ واش روم چلی گئی۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میجر بخشی نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا "اس کی موجودگی میں، میں زیادہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ میری اور تمہاری ملاقات میں کوئی تیسرا آدمی موجود نہیں ہوگا۔"

"موہنی بہت کارآمد لڑکی ہے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا "مال دار باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اچھے لوگوں سے دوستیاں بڑھانے کی

Downloaded from https://paksociety.com

شوقین ہے۔ آسانی سے اسے شیشے میں اتار لو گے۔"

"مجھے ان فضول باتوں میں الجھانے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس ملاقات کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے خشک لہجے میں کہا "وہ لوٹ آئے گی تو بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"کام کی باتیں اس کے سامنے بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے سامنے میں کھل کر اس کی فراخ دلانہ خوبیوں کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر کیا تھا۔ اگر اس سے تمہاری گہری دوستی ہے تو میں اس سے دور رہنا پسند کروں گا۔"

"میری اس سے اس قسم کی دوستی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، میں....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "پھر بھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ذاتی دلچسپیوں کو میں اپنی ذات تک محدود رکھنے کا قائل ہوں۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر غور سے میری طرف دیکھا پھر بتایا "موہنی کے گھر جانے والی بات کا مقسوم بھی تم نے غلط لیا ہے۔ میں اکیلا اس کے گھر نہیں جاؤں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔"

"میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟" میں نے اپنے تجسس کو دبا کر سوال کیا۔

"مائیکرو بگز اس کے گھر پر ہیں۔ میرے فلیٹ کے مقابلے میں پنڈت کا گھر محفوظ اور بڑا ہے۔"

"وہ مائیکرو بگز ہیں۔ ذرا سی تھیلی میں سما سکتے ہوں گے۔ ان کے لیے ایک بڑے گھر کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"وہ واقعی ایک کارٹن میں ہیں۔ تمہارے حصے کے بگ ایک تھیلی میں بھی آجائیں گے مگر اس قسم کے کاموں کے لیے بڑے گھر زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ باہر سے کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ فلیٹوں میں اتنی رازداری برقرار نہیں رہتی۔"

"کل تم نے کہا تھا کہ مائیکرو بگز تمہارے پاس ہیں۔ آج وہ پنڈت کے گھر پہنچے ہوئے ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میرے پاس سے یہ مراد نہیں تھی کہ میں انہیں جیب میں لیے پھر رہا ہوں۔"

"تم نے یہ بھی کہا تھا کہ اینالائزر سسٹم کے بغیر وہ ناکارہ سنگریزے ثابت ہوں گے۔"

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ دراصل آج اولی سے فون پر میرا رابطہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے پوری صورتِ حال سمجھا دی ہے۔ اینالائزر اس کے دفتر میں موجود ہے۔ اس کا ایک ساتھی پوری مہارت کے ساتھ اسے چلا سکتا ہے۔"

موہنی پنڈت نے شاید پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہم دونوں کو کچھ دیر کے لیے تخلیہ فراہم کیا تھا۔ مقررہ وقت گزار کر وہ دوبارہ میز پر آگئی۔ اس نے آتے ہی اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ اپنے معدے میں انڈیل کر گلاس خالی کر دیا۔

"سب کچھ طے تھا تو تم بگز یہاں بھی میرے حوالے کر سکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"وہ چنے کے دانے نہیں ہیں جو پڑیا میں باندھ کر تمہیں دے دیے جائیں۔" میجر بخشی نے چیخ کر جواب دیا "وہ بہت نازک اور حساس آلات ہیں۔ میری وضاحت کے بغیر تم انہیں استعمال نہیں کر سکو گے۔ موہنی کے گھر پر میں آرام سے تمہیں سب کچھ سمجھا سکوں گا۔"

"نہیں میجر....." میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ موہنی کو بھیج کر مائیکرو بگز یہیں منگوا لو۔"

بخشی کی آنکھوں میں سختی جھلکنے لگی "ایسا مت کہو۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔"

"کیا بات ہے؟ کس مسئلے پر بحث ہو رہی ہے؟" موہنی پنڈت نے پوچھا۔

اقبال پاریکھ کی زیرِ ادارت

الف لیلہ ڈائجسٹ

مدیرِ اعلیٰ: نجم الدین شیخ

• **موت کے سائے**' محمد ظفر۔ پونا سے ممبئی آنے والے ایک ایماندار مسلمان پولیس افسر کی جاں گسل روداد' سارا شہر اس کا دشمن ہو گیا تھا۔

• **سکندر**' افسر آذر۔ یتیم خانے میں پرورش پانے والے ایک نوجوان کی دلگداز سرگزشت' اپنے دشمنوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار کرنے کے لئے وہ بادشاہ گر بن گیا تھا۔

• **گرداب**' اقبال کاظمی۔ امریکہ میں مقیم ایک نامور پاکستان سرجن کی جواں سال اور بلا کی بیٹی عاشی کی بدید کہانی' عاشی جن سنگین اور جاں گسل حالات سے گزری ہے وہ ایک مرد کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ نامور مصنفین یعقوب جمیل' مظہر امام' احمد صغیر صدیقی' راجپوت اقبال احمد' ڈیرک اقبال اور شکیل صدیقی کی دلکش اور سنسنی خیز کہانیاں۔

اگست کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

اپنے قریبی بک اسٹال یا ہاکر سے طلب فرمائیں۔

اسکولوں، کالجوں اور جاسوسوں کی جاں سوز کہانیاں

ماہنامہ **آنکھ مچولی** کراچی 25 جولائی کو شائع ہو رہا ہے

Downloaded from https://paksociety.com

"کرنل جمال دستی تمہارے حسن وشباب سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے تمہارے گھر جانا بھی منظور نہیں ہے۔" میجر بخشی نے وہ الفاظ جس طرح چبا چبا کر ادا کئے' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ میرے انکار کا کوئی نہ کوئی توڑ سوچ کر وہاں آیا تھا۔

"یہ بہت بری بات ہے کرنل۔" موہنی نے ایک ادا سے میری طرف دیکھ کر کہا "مجھے حیرت ہے کہ مجھ سے مل کر بھی تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکا۔ تم نہ گئے تو میرے گھر پر تمہاری ضیافت کا سارا اہتمام یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔"

"تمہارا لب ولہجہ کچھ بدلا بدلا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے موہنی کی بات سنی ان سنی کر کے سرد لہجے میں میجر بخشی سے کہا۔

"سختی کی ابتدا تم نے کی ہے۔ تم کو میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"اوبرائن نے آخری گفتگو میں ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ تم میرے باس نہیں' صرف مشیر ہو۔ میں تمہارے ساتھ مل کر ڈینی کو گھیرنے کی کوئی مناسب راہ نکالوں گا۔"

"تم جاؤ۔" میجر بخشی نے سختی سے موہنی کو حکم دیا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہو گئی اور وہ اپنا پرس اٹھا کر کچھ کہے سنے بغیر کرسی چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے پختہ روش کی طرف چل دی۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کرنل!" اس کے چلے جانے کے بعد بخشی نے نپی تلی مگر دھمکی آمیز آواز میں مجھ سے کہا "ایس ٹی ایف سے منحرف ہونے کا فیصلہ کرتے ہی تم نے اپنے سارے آپشن کھو دیے تھے۔ پہلے تم کو اوبرائن نے کٹھ پتلی بنایا پھر بلیک کے ذریعے تمہاری ڈور دھن راج کو تھمادی۔ حالات کے تحت وہ روپوش ہونے پر مجبور ہو گیا ہے اس لیے اب میں تمہارا باس ہوں۔"

"تمہیں یہ دعویٰ ہے تو یہی سہی۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"ضد مت کرو۔ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں نکلے گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"یہ تمہارا یا موہنی کا ڈرائنگ روم نہیں' ایک باوقار کلب کا لان ہے۔ تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں سے کہیں نہیں لے جا سکتے۔"

"بائیں طرف دیکھو!" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا۔

"میری گردن غیر ارادی طور پر اسی طرف گھوم گئی۔ ہمارے برابر والی میز پر دو آدمی براجمان تھے جن کی نگاہیں ہماری طرف مرکوز تھیں۔

"یہ دونوں مسلح ہیں۔ میرے ذرا سے اشارے پر آئیں گے اور ہتھیاروں کی نال پر خاموشی سے ہم دونوں کو یہاں سے اٹھا لے جائیں گے۔ تم نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو وہ بے رحمی سے تمہیں گولی مار کر یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ کل کے اخباروں میں میرے ناکام اغوا کے دوران میں میرے ایک ملاقاتی کی موت کی خبر چھپے گی اور تمہاری کہانی ختم ہو جائے گی۔"

اس کا منصوبہ سن کر مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ نمودار ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اس سے ملاقات کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ مجھے پھانسنے کی پوری کوشش کرے گا اور میں نے اس کے لیے جوابی تیاری بھی کر لی تھی۔ مگر مجھے یہ گمان تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کلب کے لان پر نہایت دیدہ دلیری سے دو مسلح غنڈے لا بٹھائے گا۔

بظاہر اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔ مجھے اغوا کرنے میں ناکامی کی صورت میں وہ قتل کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ عین شاید بھی یہی دیکھتے کہ برابر والی میز سے دو آدمی آئے اور ہم دونوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ انہیں کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ ہم دونوں میں سے درحقیقت کس کو اغوا کیا جا رہا تھا۔ میری مزاحمت کی صورت میں جو کچھ ہوتا اس کے بعد میجر بخشی کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

میرے ساتھ آنے والے ایس ٹی ایف کے مسلح جوان کسی کی نظروں میں آئے بغیر میرے آس پاس موجود تھے اور یقینی طور پر میری حفاظت کر رہے تھے مگر بخشی کا منصوبہ ایسا تھا کہ میرے اوپر فائر ہونے سے پہلے انہیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

غالب امکان یہ تھا کہ میرے اوپر فائر کرنے کے بعد فرار ہونے والے مجرم ایس ٹی ایف کے چھپے ہوئے اہل کاروں کی گولیوں سے چھلنی ہو کر جہنم واصل ہو جاتے اور یوں میجر بخشی کے بیان کی تردید کرنے والا کوئی گواہ زندہ نہیں رہتا۔

وہ قانونی صورت ہوتی لیکن میرے ہر ساتھی کو میرے سنگین مشن کا علم تھا۔ میجر بخشی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا مگر مکافاتِ عمل سے نہیں بچ سکتا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی سے حالات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کو خطرات کا پوری طرح ادراک تھا مگر وہ اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ اس کھیل میں میجر بخشی کی طرف سے بالا ہی بالا دو سفاک غنڈے بھی شامل ہو چکے تھے۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں انہیں ان دونوں کی موجودگی سے باخبر کر سکتا۔

میں نے جوابی تیاری میں صرف میجر بخشی کو سامنے رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے لے جانا چاہے گا۔ میرے انکار پر تکرار ہوگی اور میں رسانیت سے اسے بے ہوش کر کے کوئی دورہ پڑنے کا بہانہ کر کے کلب سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

دونوں غنڈوں نے حالات کا توازن بہت بگاڑ دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ موہنی کو بخشی نے خود ہی روانہ کر دیا تھا ورنہ وہ مزید پیچیدگی پیدا کر سکتی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے ضد کو طول دے کر سچویشن خراب کرنے کے بجائے فوراً ہی ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ان آدمیوں کی موجودگی کا مطلب ہے آج تم ہر قیمت پر مجھے اپنے ساتھ لے جانے یا قتل کردینے کا فیصلہ کرکے آئے ہو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نہیں کرنل!" بخشی نے سرسراتی ہوئی اضطراری آواز سے مجھے بری طرح چونکا دیا "اپنے ہاتھ جیبوں سے دور رکھو۔ اب تم اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔"

"رومال کی تلاش میں اضطراری طور پر جیب کی طرف بڑھتا ہوا میرا ہاتھ اس کے ابتدائی الفاظ کے ساتھ ہی رک چکا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "سب کچھ معلوم ہوجانے کے بعد میں خودکشی کی حماقت نہیں کروں گا۔ میں جیب سے رومال نکالنا چاہ رہا تھا۔"

اس نے اپنی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہاری پیشانی عرق آلود ہورہی ہے۔"

"تمہیں مجھ سے یکایک ہی کیا مخاصمت ہوگئی ہے؟" میں نے کہنیاں میز پر ٹکا کر پوچھا۔

"شبہات پہلے سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہ اوبی کا مشورہ ہے کہ اب تمہارے بارے میں چھان بین کی جائے۔ وہ بتھیار لے جانے والی گاڑی کے حادثے کو اتفاق قرار نہیں دے رہا۔"

"لیکن اس واقعے سے میرا کیا تعلق تھا؟" میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

"دھن راج تمہارے رابطے میں تھا۔ وہ گاڑی اپنی منزل کے لیے اسی کے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ گاڑی کا پیچھا کیا جارہا ہو اور اس کے آدمی ہراساں ہوگئے ہوں۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ اوبرائن قیاس آرائی میں بہت دور نکل گیا ہے۔ مجھے اپنے خوابوں کی تعبیر اب بہت دور نظر آنے لگی ہے۔"

"اگر تم سچے ہو اور ہمیں ڈبل کراس نہیں کررہے ہو تو تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھان بین کے بعد تمہارے دعوؤں کی تصدیق ہوگئی تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔"

"میں نے تو آج تک تم لوگوں کے سامنے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"وہ صرف دو باتوں کی تصدیق چاہتا ہے۔ تم واقعی کرنل جمال دستی ہو اور اپنی فورس کے خلاف باغیانہ سوچ رکھتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"ریکارڈ تمہارے سامنے ہے۔ تم لوگوں سے ملاقات ہونے سے پہلے اوبرائن ایک خفیہ سرکاری اجلاس سے میرے فگر پرنٹس حاصل کرچکا تھا۔"

"مگر تم نے مجھے آج تک اپنے آرمی یونٹ اور رجمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ایک سابقہ فوجی کے لیے یہ دونوں باتیں بہت اہم ہوتی ہیں۔"

"میں کل اپنی سروس بک کی فوٹو کاپی تمہیں لادوں گا۔" میں نے پیش کش کی۔

"اب وقت گزر گیا۔ سب کام دوسرے طریقے سے پورے کیے جائیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں۔ اب اپنے ان دو جلادوں کو رخصت کردو۔"

وہ عجیب اور پُرغرور انداز میں دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ دونوں شہر کے معروف مگر سفید پوش قاتل ہیں۔ ہمیں دور دور سے گاڑی تک پہنچا کے رخصت ہوجائیں گے۔ میں جرائم پیشہ لوگوں کے سائے تک سے دور بھاگتا ہوں۔ مجبوری کے تحت صرف حفظِ ماتقدم کے لیے ان کا بندوبست کرنا پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم مکار آدمی ہو۔ آسانی سے قابو میں نہیں آؤ گے۔"

میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ وہ دونوں سر پر سوار رہتے تو کلب سے اغوا یا روانگی کے بعد بھی میں بازی الٹنے کی کوئی کامیاب کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کے جو آدمی پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کررہے تھے، انہیں علم تھا کہ اس ملاقات میں میرے اغوا کا خطرہ مضمر تھا لیکن میں نے انہیں واضح طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ میری طرف سے اشارہ ملے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ مجھے خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر وہ از خود کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

اس مرحلے پر میں نے ایک مرتبہ پھر فوری مزاحمت کے امکان پر غور کیا۔ میں بغل کھجانے کے بہانے اپنا داہنا ہاتھ سر سے اوپر بلند کرکے اپنے پوشیدہ محافظوں کو مداخلت کی دعوت دے سکتا تھا۔ وہ مختلف سمتوں سے نمودار ہوکر ہمیں گھیرے میں لے سکتے تھے۔

خرابی یہ تھی کہ ان کی ساری توجہ میجر بخشی پر مرکوز ہوتی۔ وہ سب سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ والی میز پر بخشی کے ساتھ دو مسلح آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی اس غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہ دونوں اپنے باس کو نرغے میں لینے والوں پر گولیاں برسا سکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں ایس ٹی ایف والوں کو ہوشیار کرتا، ہڑبونگ اور افراتفری میں ان سمیت کلب کے لان پر بیٹھے ہوئے کئی گاہک ہلاک اور زخمی ہوسکتے تھے۔

غور کرنے کے بعد میں نے اس مرتبہ بھی مزاحمت کا ارادہ ترک کردیا۔

اپنی دانست میں مجھے زیر کرلینے کے بعد میجر بخشی بہت پُرسکون نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ویٹر کو بل لانے کی ہدایت کی اور بل کی رقم فولڈر میں رکھتے ہی کرسی چھوڑ دی۔

میں نے اس کی تقلید کی۔ اس کے لائے ہوئے بدمعاش شاید

Downloaded from https://paksociety.com

پہلے ہی سے فارغ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے چند لمحوں بعد وہ بھی اٹھ گئے۔

میجر بخشی نے جس انداز میں جرائم پیشہ افراد سے دور رہنے کی عادت کا ذکر کیا تھا' اس کی بنا پر مجھے کلب کے لان پر ان دونوں بدمعاشوں کی موجودگی پر حیرت تھی۔

یہ بات کم و بیش ہر شخص ہی جانتا تھا کہ محض پیسے کے بل پر ہر ایرا غیرا شہر کے مشہور کلبوں میں نہیں جاسکتا۔ کلب میں داخلے کے لیے باقاعدہ رکنیت ضروری ہوتی ہے یا پھر کلب کے ارکان اپنے مہمانوں کو کلب میں لاسکتے تھے۔ ان تفریحی مقامات کی رکنیت آسانی سے نہیں ملتی۔ ہر وقت امیدواروں کی ایک معقول تعداد اپنی باری کی منتظر رہتی ہے۔

وہ دونوں جس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کلب کے رکن نہیں تھے۔ بخشی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے انہیں اپنے مہمانوں کے طور پر وہاں لانے کی حماقت کی ہوگی کیونکہ اس کے منصوبے کے ایک حصے کے مطابق' ضرورت پڑنے پر انہیں فائرنگ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہونا تھا۔ وہ واقعہ رونما ہو جاتا تو بعد میں ان دونوں کو لانے یا بلانے والے میزبان کی حیثیت مشکوک ہو جاتی۔ پتا نہیں وہ دونوں کس کی تائید سے وہاں پہنچے تھے۔

"تم نے ٹیکسی روکی ہوئی ہے یا اسے رخصت کر دیا؟" بخشی کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ رات میں یہاں سے چھاؤنی کے لیے مشکل ہی سے کوئی ٹیکسی ڈرائیور رضامند ہوتا ہے میں دو طرفہ کرایہ طے کر کے آتا ہوں۔"

"اوہ....!" وہ قدرے متفکر ہو گیا "جانے سے پہلے اسے بھی رخصت کرنا ہوگا۔"

میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ مسئلہ اس کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اس کا حل بھی اسی کو نکالنا چاہیے تھا۔ راستے میں ایک جگہ روک کر اس نے باہر سے میری جیبیں ٹٹول کر اطمینان کر لیا کہ میں مسلح نہیں تھا۔

پارکنگ کے لیے مخصوص' نیم روشن اور کچے میدان میں میجر بخشی کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر موہنی پنڈت پہلے سے براجمان تھی۔

"آؤ کرنل!" اس نے نیچے اتر کر استہزائیہ لہجے میں میرا استقبال کیا "مجھے معلوم تھا کہ میجر بخشی دھن کا پکا آدمی ہے۔ تم نہ آئے تو وہ تمہیں لے آئے گا۔"

اس دوران میں دونوں مسلح غنڈے ہم میں سے کسی سے کوئی بات کیے بغیر آگے نکل گئے۔

"میں لایا نہیں گیا' خود آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ بخشی نے میری تردید نہیں کی۔

اس کی ہدایت پر مجھے موہنی پنڈت کے برابر والی نشست پر بیٹھنا پڑا۔ وہ خود میری پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ مجھ پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کا رخ اوپر سے گھما کر اندر کر لیا۔

موہنی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مشاقی سے گاڑی آگے بڑھادی اور دوبارہ بولی "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں نہ چاہتے ہوئے بھی میری ضیافت سہنی ہوگی۔"

"موہنی! فضول باتیں مت کرو۔ ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ دربان کے پاس ایک لمحے کے لیے گاڑی روک لینا۔" میجر بخشی نے ہلکی سی سرزنش کی۔

پارکنگ ایریا سے چکر لے کر موہنی نے گاڑی کلب کے وردی پوش دربان کے قریب روکی تو میجر بخشی نے پچھلی کھڑکی سے سو سو کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے "یہ تم رکھ لو۔"

دربان حیرت سے نوٹوں کو دیکھتا رہ گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"آج تم نے یہ غیر معمولی فیاضی کیوں دکھائی ہے؟" میجر بخشی کی اس عجیب حرکت پر موہنی سوال کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"بس' ایک غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی.... نوٹ دینے تک میرا خیال تھا کہ دربان کرنل جمال دستی کے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے فارغ کر دے گا۔ اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ کرنل یا اس کے ڈرائیور کے ساتھ اپنا نام منسلک کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ

جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی دوا

فربینا

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو قدرتی طور پر ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں بازو' کمر' کولہے' گردن' کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا' خوبصورت' موٹا تندرست بنا دیتی ہے۔

فربینا شروع کرنے سے پہلے اپنا وزن نوٹ کر لیں اور ایک ماہ تک فربینا کی خوراکیں کھاتے رہیں ایک ماہ بعد اپنا وزن دوبارہ چیک کریں تو آپ کو فرق صاف نظر آجائے گا۔ مکمل طور پر قدرتی اجزا سے تیار کردہ قطعی بے ضرر یونانی مرکب قیمت -/۳۵۰ روپے وزن ایک کلو جو ایک ماہ کی مکمل خوراک ہے۔

ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P منگوائیں۔

حکیم ارشد لیبارٹریز پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Downloaded from https://paksociety.com

رقم ٹپ میں بدل گئی۔

"ایس ٹی ایف کے بارے میں میرے ذاتی نظریات کچھ بھی ہوں' میری ذات تک محدود ہیں۔ میرے غائب ہونے پر فورس کو تشویش ہوگی۔ تمہاری ہر احتیاط کے باوجود وہ جلد ہی تمہارا سراغ حاصل کرلیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی احتیاط کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"میرا سراغ حاصل کرنے سے پہلے انہیں یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ تم ان سے باغی ہوکر ہمارے ساتھ کام کررہے تھے۔ یہ نکتہ انہیں اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کردے گا۔"

اس وقت میجر بخشی کو میرے اوپر بالادستی حاصل تھی۔ میں اسے یہ نہیں بتاسکتا تھا کہ اس کی وہ خوش فہمی قطعی بے بنیاد تھی۔

کلب سے نکلنے کے بعد گاڑی کا رخ شہر کے مرکزی علاقے کی طرف ہوگیا تھا۔ جب موہنی نے گاڑی شاہین کمرشل کمپلیکس والے چوراہے سے داہنی طوف موڑی تو میں پہلو بدل کر اپنی نشست میں سیدھا ہوگیا۔

میں نے میجر بخشی سے ملاقات کا فیصلہ کرتے ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کلب کے لاکر میں سے کسی روایتی ہتھیار سے اسے زیر کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ گولی چلا کر اسے ہلاک کیا جاسکتا تھا لیکن اغوا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس فیصلے کی وجہ سے مجھے یہ سرخ روئی بھی ملی کہ جب میجر بخشی نے میری جیبیں ٹٹولیں تو ان میں کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔

میں نے اول خان کے ساتھ اس کے خصوصی کمروں کی سیر کے دوران میں بیم گن لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ چند دوسری چیزوں کے ساتھ مجھے اس مال خانے سے وہ نادر انگوٹھی مل گئی تھی جو اس وقت بھی میری انگلی میں موجود تھی۔

بظاہر وہ ایک بڑے اور بھونڈے سے سرخ نگینے والی انگوٹھی تھی۔ کسی منت یا عقیدت کے تحت بہت سے لوگ ایسی انگوٹھیاں پہنتے ہیں اس لیے سرسری نظر میں اس پر کوئی شبہ نہیں ہوتا تھا مگر اس میں نگینے کی جگہ قدرے سخت ربڑ کا کیپسول لگا ہوا تھا جس کے اندر بھرے ہوئے بے ہوشی کے تیز محلول میں ایک باریک سوئی کھڑی ہوئی تھی۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ ربر کے کیپسول پر دباؤ پڑنے پر وہ پچکتا ہے اور کھوکھلی سوئی سطح سے باہر آجاتی ہے۔ ربڑ کے دبنے سے پیدا ہونے والے اندرونی دباؤ کے تحت لمحہ بھر میں محلول کی اتنی مقدار کھوکھلی سوئی کے ذریعے باہر آجاتی ہے جو کسی کو بھی بے ہوش کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

اول خان کے ذخیرے میں اس ساخت کی متعدد انگوٹھیاں تھیں جن پر سرخ اور سبز کیپسول جڑے ہوئے تھے۔ سرخ کیپسول عارضی طور پر مفلوج اور بے ہوش کردینے والے محلول سے بھرے ہوئے تھے جب کہ سبز کیپسول مہلک تھے۔ ان میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا تھا۔

ان انگوٹھیوں کا کمال یہ تھا کہ ان میں بھرا ہوا محلول کم از کم چار پانچ بار استعمال کیا جاسکتا تھا۔ خالی ہوجانے والے استعمال کیے ہوئے کیپسول سرنج کے ذریعے دوبارہ بھرے جاسکتے تھے۔

موہنی نے گاڑی جس سڑک پر موڑی تھی' وہ زیادہ لمبی نہیں ہے لیکن دونوں طرف دفاتر وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ سرِشام ہی ویرانی کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ دفاتر وغیرہ میں چھٹی ہونے کے بعد یہ ویرانی اور گہری ہوجاتی ہے۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے کا عمل رہا ہوگا۔ سڑک پر تاریکی اور ویرانی کے امتزاج نے ماحول کو خاصا مہیب بنایا ہوا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا کر موہنی کی ٹانگ پر رکھ دیا۔ خوف اور وسوسوں کا وہ ایک لمحہ بہت جان لیوا تھا۔

میری اس حرکت پر موہنی ذرا سی کسمسائی لیکن اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ وہ بخشی کی زبانی سن چکی تھی کہ میں نے اس کے حسن وشباب کی ہر کشش کو مسترد کردیا تھا۔ شاید اس کی مجروح انا کو میری اس معیوب حرکت سے کوئی تسکین ملی تھی' شاید اس نے سوچا ہوگا کہ میں نے تاریکی میں پہلا موقع ملتے ہی اس سے اپنے ابتدائی ردِعمل پر معذرت کرنے کی عملی کوشش کی تھی۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ اس کی خاموشی کا وہ پہلا لمحہ میرے دل کو شیر کرگیا۔ انگوٹھی میں جڑے ہوئے کیپسول کو میں پہلے ہی اندر کے رخ پر گھما چکا تھا۔ میں نے نرمی سے اس مخصوص انگلی پر دباؤ ڈالا۔ موہنی کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی اور ادھوری سی سسکاری نکلی اور اسٹیرنگ وہیل پر ٹکا ہوا اس کا اکلوتا ہاتھ پھسل کر اس کی گود میں آگرا۔

"اوہ..... اسے کیا ہوا؟" گھبرائی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے پھرتی سے اسٹیئرنگ تھام لیا ورنہ گاڑی لہرا کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی ہوتی۔

"کیا ہوا؟" میجر بخشی پیچھے سے اچک کر میرے سر پر سوار ہوگیا۔ "تم کیا بدمعاشی کررہے ہو۔ ابھی میں نے موہنی کی ہلکی سی سسکاری سنی تھی۔"

"اسے شاید مرگی وغیرہ کا کوئی دورہ پڑا ہے۔" پُرتشویش لہجے تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اچانک ہی ہینڈل بریک کا لیور کھینچ لیا۔ سڑک پر کار کے عقبی ٹائر چرچرائے اور وہ لہراتی ہوئی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ انجن گیئر میں تھا اس لیے وہ بھی پچکی لے کر بند ہوگیا۔

اس کارروائی کے نتیجے میں میجر بخشی کا توازن بگڑگیا۔ وہ اگلی نشستوں کے درمیان الٹ کر سر کے بل ڈیش بورڈ کے نچلے حصے سے جا ٹکرایا۔

اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان شروع ہوا ہی تھا کہ میں نے اس کی گردن ناپ لی۔ وہ اتنا مشتعل تھا کہ اسے اپنی گردن میں سوئی کی چبھن کا احساس ہی نہ ہوسکا۔ ربڑ کے کیپسول سے خارج ہوکر اس کی گردن میں اترنے والے محلول نے فوراً ہی اس کی زبان بند کردی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میجر بخشی سے ہارتی ہوئی بازی میں نے چند ہی لمحوں میں جیت لی تھی۔ میرے سر پر اپنی دھن سوار تھی۔ میں نے کالر سے گھسیٹ کر اس کے ساکت جسم کو پچھلی نشست اور پائیدان پر ڈال دیا۔ موہنی پنڈت کے نرم اور نازک وجود پر وہی عمل دہرا کر میں چند منٹ میں اپنی واپسی کا سفر شروع کر سکتا تھا۔

میں نے موہنی کو ڈرائیونگ سیٹ پر سے ہٹانے کے لیے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ برابر میں پُرشور انجن والی ایک فرسودہ سی پک اپ آرکی۔

"اوہو... چلو بچنو! اتر کر گھیر لو سالوں کو۔" پک اپ کے اگلے حصے سے ایک بھاری آواز آئی "گاڑی میں حدود آرڈی ننس کا کیس بن رہا ہے۔"

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ پولیس کی ناگہانی مداخلت کے بارے میں' میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کئی مسلح اور باوردی سپاہی پک اپ میں سے برآمد ہوئے اور اپنی رائفلیں سیدھی کرتے ہُئے، گاڑی سے نیچے اترنے کا حکم دینے لگے۔

میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ مجھے خوف ہوا کہ میں نے اس گشتی پارٹی کی ہدایت کی تعمیل میں تاخیر کی تو کہیں وہ مجھے باڈھ پر ہی نہ رکھ لیں۔ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر گاڑی سے اتر گیا۔

ان کا افسر طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش موہنی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "لونڈیا تو بہت زور دار ہے۔ کہاں سے اغوا کر کے لایا ہے؟"

"وہ گاڑی چلاتے چلاتے بے ہوش ہوئی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہے۔" میں نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"اوئے منہ زوری مت کر....." وہ غضب ناک فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اسی لمحے ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی تیزی سے آگے نکل کر... رکی اور بریکوں کی چیخ کے ساتھ ہی ان کی نفری باہر آگئی۔ اس وقت ان کی تعداد گھٹ کر صرف تین رہ گئی تھی۔

ان تینوں کی عقابی نظروں نے لمحہ بھر میں پوزیشن سمجھ لی تھی۔ اس وقت تک میں اپنے جوش و خروش میں انہیں بالکل بھولا ہوا بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی میرا حوصلہ بحال ہوگیا۔

"کارِ سرکار کے نام پر اپنی رائفلیں نیچی کرلو۔" ایس ٹی ایف کے سینئر اہل کار نے دور سے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا انچارج ادھر آجائے۔ علیحدگی میں بات کرنی ہے۔"

ایک سب انسپکٹر کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس واقعے میں ایک سادہ پوش پارٹی کی مداخلت اسے ناگوار گزری تھی۔

ایس ٹی ایف والے کی آواز میں کچھ ایسا اعتماد اور تحکم تھا کہ میری طرف اٹھی ہوئی رائفلیں جھک چکی تھیں۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہاتھ بھی گرا لیے تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی پیش قدمی کر کے میرے اور پولیس والوں کے درمیان حائل ہو چکے تھے۔

"سر! ہم پیچھے رکے ہوئے تھے۔" ان میں سے ایک بتانے لگا "سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گاڑی رک گئی ہے تو ہم کیا کریں۔ اتنے میں یہ موبائل آگئی۔"

"اچھا ہوا کہ موبائل رکنے سے تم آگئے ورنہ میں تمہاری پارٹی کو بھول چکا تھا۔"

سب انسپکٹر اور ایس ٹی ایف والے کے مذاکرات کے درمیان لمحہ بھر کے لیے ٹارچ روشن ہوئی اور چند ثانیوں بعد وہ دوستانہ انداز میں ہماری طرف آگئے۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" سب انسپکٹر نے آتے ہی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "یہ پولیس کا کیس نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ متاثرانہ لہجے میں ایس ٹی ایف والے سے مخاطب ہوا "سر! آپ مجرموں کو اس گاڑی سمیت یہاں سے لے جائیں گے نا؟"

اس نے براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مرد کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ لڑکی گاڑی میں اسی طرح بے ہوش پڑی رہے گی۔" میں نے موبائل کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں سب انسپکٹر کے چہرے پر اضطراب امڈتا دیکھا۔

"سر! یہ آپ کا کیس ہے۔ آپ دونوں مجرموں کو گاڑی سمیت لے جاؤ۔" میری اہمیت کا اندازہ ہو جانے کے بعد سب انسپکٹر براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

"لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ گاڑی کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی پیش کش کا سبب جانے بغیر جواب دیا۔

"پھر ایسا کرو کہ گاڑی کو لڑکی سمیت یہاں سے لے جا کر کہیں اور چھوڑ دینا۔" اس نے چند لمحوں کے بعد متذبذب انداز میں زبان کھولی۔

"یہاں رہنے میں کیا پریشانی ہے؟" میں نے الجھ کر

Downloaded from https://paksociety.com

دریافت کیا۔

"یہ میری بیٹ ہے سر!" وہ کھل گیا۔ "ابھی پہاڑ جیسی رات پڑی ہے۔ مجھے گاڑی اور لڑکی کی برآمدگی دکھانی پڑے گی۔ یہ بڑے گھر کی معلوم ہوتی ہے۔ میں بلاوجہ رگڑے میں آجاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میری پیٹی اور پھول اتر جائیں۔"

اس کی بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ میرے ساتھی نے اس سے پوچھا "تمہارے تھانے کی حد کہاں ختم ہوتی ہے؟"

وہ اس سوال پر خوش ہوگیا "بیٹ کے ساتھ تھانہ ہی بدل جائے تو کیا بات ہے۔ ایس ایچ او صاحب سے انعام مل جائے گا۔"

وہ اسے اپنے تھانے کی حدود بتانے لگا۔ میں نے ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کو میجر بخشی کی منتقلی پر مامور کردیا۔ سپاہی بھی اس کام میں پیش پیش تھے۔

موبائل ہم سے پہلے ہی آگے روانہ ہوگئی۔ میں ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی میں تھا۔ ایک آدمی موہنی کو گاڑی سمیت لا رہا تھا۔

لکی اسٹار کے قریب موہنی اور اس کی گاڑی کو چھوڑ کر تیسرا آدمی بھی ہمارے پاس آگیا اور ہم تیزی کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

○☆○

میجر بخشی کے اغوا کی کارروائی پوری رازداری کے ساتھ کی گئی تھی مگر ہم میں کسی کو بھی یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ اس کے دوست اور افسران اسے اٹھالے جانے والے نام سے بے خبر رہیں گے۔ اس قصے میں موہنی اور دو مقامی بدمعاش غیر متوقع طور پر ملوث ہوئے تھے۔ وہ تین گواہ نہ ہوتے تب بھی بخشی کے اوپر والے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ اس رات غائب ہونے سے پہلے مجھ سے فیصلہ کن ملاقات کے لیے کلب آیا تھا۔

اپنے دشمنوں کے لیے میں ان دنوں کرنل جمال دستی بنا ہوا تھا۔ اسی روپ میں وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف تھے۔ راستے میں بخشی کے ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہوئے تو میں نے انگوٹھی کے کیپسول میں بچا ہوا سارا سیال اس کے بدن میں منتقل کردیا اور وہ دوبارہ گہری بے ہوشی کی آغوش میں چلا گیا۔ میں اطمینان سے اپنے اگلے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتا رہا۔

اسٹیشن فور میں اسے بے ہوشی کی حالت میں بے دست وپا کرکے لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔ کھانے کی میز پر اس کے مستقبل کا معاملہ ہمارے زیرِ غور تھا۔

بخشی سے اختلافات پیدا ہونے تک میرے اور اس کے مراسم میں خاصی گرم جوشی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیں اس کی سرگرمیوں سے پوری واقفیت تھی۔ مزید انکشافات کی امید میں اسے زندہ رکھ کر ہراسپرس اور تشدد کا نشانہ بنانا وقت کا زیاں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا تھا کہ اس کے سفارت خانے اور قونصلیٹ آفس میں کون کون جاسوسی کی سرگرمیوں میں ملوث تھا۔

میرے نزدیک ان ناموں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہمارے خفیہ ادارے ان سے بے خبر نہیں ہوسکتے تھے۔ ایک عام سی بات تھی کہ حریف ممالک ایک دوسرے کے ملک میں متعین کیے جانے والے سفارتی عملے میں ضرورت کے لحاظ سے دو چار ایجنٹ بھی شامل کردیتے ہیں۔

اعلیٰ حکام ایسی تقرریوں سے واقف ہونے کے باوجود اپنی مصلحتوں کے تحت عام حالات میں کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ کشیدگی اور محاذ آرائی کی حالت میں پکڑ دھکڑ، مار دھاڑ اور احتجاج کا سلسلہ چل نکلتا ہے جس میں ہر کارروائی پر جوابی کارروائی ضرور کی جاتی ہے۔

ویرا اور سلطان شاہ کی متفقہ رائے تھی کہ جوتی کے نیچے آئے ہوئے موذی کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میجر بخشی کو پہلی فرصت میں ذبح کرکے پیوندِ خاک کردینا چاہیے تھا مگر اول خان فوری طور پر کوئی رائے دینے سے گریز کررہا تھا۔

"یہ پیش گوئی تمہاری ہی تھی کہ ڈینی نے بخشی کو نہ اٹھایا تو بخشی اسے گھیر لے گا۔ آج رات تمہارا یہ خدشہ درست بھی ثابت ہوگیا پھر تم خاموش کیوں ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے تھے۔ کہیں نہ کہیں اس کا ختم ہونا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آج ڈینی کامیاب واپس آیا ہے۔" وہ بولا۔

"اب سوال اس کے مستقبل کا ہے۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"میں تم سے متفق ہوں۔" اول خان کے جواب دینے سے پہلے میں بول پڑا "وہ ایک سفارتی افسر ہے۔ اسے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"ہائیں..... یہ تم کہہ رہے ہو؟" ویرا دیدے پھاڑ کر حیرت سے تقریباً چیخ پڑی "کیا اس سے پہلے تم نے سفارتی عہدے داروں پر ہتھیار نہیں اٹھائے تھے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارا بنیادی اعتراض یہی ہوگا۔" ں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ان قعات میں میری پوزیشن مختلف تھی یا پھر میرے ہاتھوں رے جانے والوں کو کسی قسم کا سفارتی تحفظ حاصل نہیں تھا۔"

"تمہارا دماغ الٹ گیا ہے یا پھر میرا حافظہ جواب دے یا ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"دونوں باتیں غلط ہیں۔ سفارت کاروں کے قتل پوری یا میں ہوتے ہیں۔ کوئی حکومت اپنے تمام قانون شکن ناصر پر قابو پانے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ڈینی کی حیثیت سے ں کچھ بھی کرتا پھروں' حکومت پر صرف اخلاقی ذمے داری تی ہے' الزام نہیں آتا۔"

"اس پر معذرت بھی کی جاسکتی ہے۔" اول خان نے درمیان میں لقمہ دیا۔

"لیکن ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کی کارروائی گلے پڑ سکتی ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی "اور کچھ ہو یا نہ ہو' بھارت میں ہمارے سفارت کاروں کے لیے مساوی یا زیادہ سنگین خطرات پیدا ہوجائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ میجر بخشی کی جگہ ہمارے دو بہترین آدمی مار دیے جائیں۔"

"تمہاری زبان سے یہ باتیں عجیب اور ناقابلِ یقین لگ رہی ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"اس لیے کہ اس موضوع پر آج کھل کر بات ہوئی ہے ورنہ پہلے بھی میں نے ان نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ میرے بارے میں تم بلاوجہ بدگمان ہو رہی ہو۔"

"میں گڑے مردے نہیں اکھاڑنا چاہتی ورنہ واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو تمہارے نئے اصول سے ذرا بھی میل نہیں کھاتا۔"

"تم کوئی ایک مثال دو۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔" میں نے اسے دعوت دی۔

ویرا پر وقت پڑ گیا۔ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔

"میں شری مان کا نام نہیں لوں گی کیونکہ اسے تم نے نشے کی حالت میں مار کر سینڈ زپٹ میں غرقاب کیا تھا۔ راس المیڈا اور امریکی میرین کمانڈوز کے بارے میں تم کیا کہو گے۔"

"راس المیڈا ایک مستند مجرم تھا۔ میرین کمانڈوز کے بارے میں امریکی یہ بتانے سے قاصر رہے تھے کہ ان کا جدید ترین ہیلی کاپٹر اتنے بڑے مسلح جتھے کو لے کر ساحل سے میلوں دور سراب گوٹھ سے ملحق ویرانے میں نیچی پرواز کیوں کر رہا تھا۔" مجھے ان واقعات کی ہر تفصیل یاد تھی۔

"یہ تمہارا کہنا تھا کہ راس المیڈا قاتل اور دہشت گرد ہے۔ امریکیوں نے راؤنی آرک کے نام سے اسے سفارتی مراعات دی ہوئی تھیں۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"راس المیڈا کی اصل شناخت ناقابلِ تردید تھی۔" اس مرحلے پر اول خان نے میری مدد کی "پاکستان سے اس کی لاش واپس حاصل کرنے کے لیے امریکیوں کو اپنے دعوے سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انہوں نے پاکستان سے راس المیڈا کی لاش کی وصولی کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔ راؤنی آرک نامی سفارت کار کا قصہ ہوا میں تحلیل ہوچکا تھا۔"

"اگر اسے زندہ چھوڑنا تھا تو اس پر ہاتھ ڈال کر غلطی کی گئی ہے۔" ویرا نے پینترا بدل لیا۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔" میں نے سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا۔

کھانے کے دوران میں شروع ہونے والا وہ مباحثہ آخر کار دم توڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ویرا' غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی تو میں سلطان شاہ کو سونے کا مشورہ دے کر اول خان کے ساتھ ہولیا۔

ہم دونوں بہت دیر تک مسائل میں سر کھپاتے رہے۔ بارہ بجے خبر ملی کہ میجر بخشی ہوش میں آچکا تھا اور بری طرح شور مچا رہا تھا۔ ہم دونوں اس کی مزاج پرسی کے لیے چل دیے۔

وہ بیرک کے ایک کمرے میں کسی چوپائے کی طرح بندھا ہوا ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہونے کی وجہ سے وہ شدید بے بسی کے احساس میں مبتلا تھا اور مسلسل مغلظات بک رہا تھا۔ دروازے پر آوازیں سنتے ہی اس کی آواز میں تیزی آگئی تھی۔

"زبان کو لگام دو بخشی!" میں نے اس کے سر پر پہنچ کر غراتی ہوئی آواز میں کہا "میں اسی وقت چاقو سے تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔"

"تم جو چاہو' کرلو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔" وہ حلق کے بل چیخا "تم سور کے بچے اور درندے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

"یہ تمہاری دہشت زدگی کی علامت ہے۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"پھر... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ تھوڑی سی تفریح کے بعد تمہیں آزاد

Downloaded from https://paksociety.com

کردیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم جھوٹے اور سفاک ہو۔ میں تمہاری کسی چال بازی میں نہیں آؤں گا۔"

"یہ کوئی چال بازی نہیں ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ تم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔"

"میں نہیں مانتا۔۔۔ تم نے مجھے اغوا کیوں کیا ہے؟" اس کی بے اعتباری قابلِ فہم تھی۔

"تم مجھے کیوں اٹھالے جانا چاہ رہے تھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کاش۔۔۔ کاش میں کامیاب ہوجاتا تو دیکھتا کہ تم کتنا بول سکتے ہو۔"

"میرے بارے میں تمہارے دماغ پر شیطان سوار ہے۔ تم بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہوئے ہو۔" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت قدرے نرمی سے کہا "تمہاری بازی تم پر الٹ کر میں نے ثابت کردیا ہے کہ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم جمال دستی نہیں' ڈینی ہو۔ ہمیں دھوکا دے کر اب تک کامیابیاں حاصل کرتے رہے ہو۔ میری بات لکھ لو کہ اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔"

"تمہاری حالت قابلِ رحم ہے۔ اس وقت تمہیں آئینے میں بھی اپنے عکس کے بجائے ڈینی نظر آئے گا۔ آج کل ہم خود اس کی تلاش میں ہیں اور وہ غائب ہے۔"

"میں زندہ رہا اور آزادی مل گئی تو تمہیں دکھاؤں گا کہ تم کتنے جھوٹے ہو۔"

"تم زندہ رہو گے اور آزادی بھی مل جائے گی مگر اس حالت میں کہ دوسرے تم کو دیکھ کر عبرت سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائیں گے۔" اس کے دماغ سے خناس نکالنے کے لیے میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تم خود اس حالت کا تصور نہیں کرسکتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے شیطانی ذہن میں ایسے ہی خیال آسکتے ہیں۔ یہ نہ بھولنا کہ میرے ساتھ ہونے والے سلوک کا بہت ظالمانہ بدلہ لیا جائے گا۔ تمہارے ہم وطن میرے ملک میں بھی ہیں۔ تمہاری ہر حرکت کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہوگا۔"

"میری دلی آرزو ہے کہ رہائی سے پہلے تمہارے اوپر کچھ سرجری کی جائے۔" میں نے اول خان کو آنکھ مار کر ہلکی سی حسرت سے کہا "تمہاری آنکھیں سلامت رہیں لیکن بینائی کی نسیں کاٹ دی جائیں۔ زبان موجود ہو لیکن حلق سے آواز پیدا کرنے والے عضلات نکال لیے جائیں۔ انگوٹھوں اور انگلیوں کو جڑ سے کاٹ دیا جائے تاکہ تم لکھنے کے قابل نہ رہو۔ تم ہر بات سن سکو مگر اپنے دل کی بات کسی تک نہ پہنچا سکو۔۔۔"

"تم اپنی اس بکواس سے مجھے خوف زدہ نہیں کرسکتے۔" وہ خوف سے بھنچی ہوئی آواز میں چیخا "تمہیں جو کرنا ہے' کرلو۔ میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔"

"گڈ۔۔۔ ابھی میں نے تم کو اپنی آرزوؤں کے بارے میں بتایا۔۔۔ میں تمہارے ساتھ مخلص تھا مگر تم نے مجھے زبردستی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرکے میرا دماغ الٹ دیا۔ میں نے جوابی وار کرکے تمہیں زیر کرلیا۔" میں نے کئی ذہنی قلابازیاں کھانے کے بعد اپنی گفتگو کو ایک معین رخ دیتے ہوئے کہا۔

"میری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ میں نے تمہیں وہاں چھوڑا اور نہ قتل کیا بلکہ اسٹیشن فوراً اٹھالایا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان خوش ہوگا مگر یہاں مجھے مات ہوگئی۔"

"تم اتنے مکار اور فریبی ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔"

"تمہیں بہت جلد سچ اور جھوٹ کا علم ہوجائے گا۔" میں نے اپنی آواز میں ہلکی سی آزردگی سمولی۔ "تمہاری گرفتاری پر اول خان کو بھی وہی اندیشے ہیں جن کا ذکر تم نے کیا ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی عملے کے بارے میں وہ فکرمند ہے۔ اب تم براہِ راست اس کی تحویل میں ہو۔ عملی طور پر میں معطل ہوں۔ مجھ سے میری غیرذمے داری کے بارے میں جواب طلب کرلیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ صبح ہونے سے پہلے وہ تمہیں آزاد کردے۔"

پہلی مرتبہ اس کی آواز میں امید کی رمق پیدا ہوگئی اور اس نے نچی آواز میں بے اعتباری سے پوچھا "کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟ مجھے آج ہی آزادی مل جائے گی۔"

"اس وقت یہی صورت بن رہی ہے۔ آگے تمہاری ستاروں کی چال ہوگی۔"

"مگر تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"تم سے شاید یہ میری آخری ملاقات ہو۔ بعد میں دوسرے لوگ آئیں گے۔ تم انہیں ہر کہانی سنا سکتے ہو مگر یہ نہ بتانا کہ میں تمہارے یا اول کے لیے کام کررہا تھا۔"

"تم نے دہشت سے میرا خون خشک کردیا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری سنائی ہوئی خوش خبری سچ ثابت ہوئی تو میں تمہارے راز اپنے سینے میں محفوظ رکھوں گا۔" اس بار

Downloaded from https://paksociety.com

میجر بخشی کی آواز مزید دھیمی بلکہ رازدارانہ ہوگئی۔

"ڈینی نے میرا مستقبل نگل لیا۔" میں نے حسرت سے کہا "شاید میں کبھی بھی انعام کا حق دار نہ بن سکوں۔ اب مجھے فورس سے بھی جانا ہوگا۔ مجھے اشتعال دلا کر ایک غلط قدم اٹھانے پر تم نے مجبور کیا تھا۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا' میرا سب کچھ بگڑ گیا۔"

"تم روزگار کی فکر نہ کرو۔ جب چاہو' میرے پاس آجانا۔ تم جیسے ذہین آدمی بھوکوں نہیں مرسکتے۔" اس کا اشتعال پانی کے بلبلوں کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ "تمہارے بارے میں مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا اندازہ اسی وقت ہوگیا تھا جب میں نے تمہاری خالی جیبیں ٹٹولی تھیں ... یہ بتاؤ کہ موہنی پنڈت کہاں ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی گئی۔"

"میں مرا ہوا شکار نہیں کھاتا' خود مار کر کھاتا ہوں۔" میں نے اس کے آخری سوال پر ہلکی سی ترشی سے جواب دیا۔ "اسے کار سمیت چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب تک وہ ہوش میں آکر اپنے گھر واپس لوٹ چکی ہوگی۔ میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

"میری بندشیں ڈھیلی کرکے بلائنڈ فولڈ اتار دو میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ اس وقت میں بہت اذیت اور بے بسی کے احساس سے گزر رہا ہوں۔" اس نے خوشامد کی۔

"سوری میجر!" میں نے کہا "یہ رعایتیں دوسروں کے ذریعے ملیں تو بہتر ہوگا۔ میں بہت مخدوش پوزیشن میں ہوں۔ کچھ نہیں کرسکتا۔"

میجر بخشی سے وہ ملاقات بہت سودمند رہی مگر وہ فائدہ اول خان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ واپسی پر وہ راستے میں سوال کرہی بیٹھا "تم نے بلاوجہ ہی اس پر وقت برباد کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ میں کرنل جمال دستی ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟ کرنل جمال دستی کو اب ویسے بھی غائب ہوجانا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ کرنل جمال دستی کے فنگر پرنٹس امریکیوں کی تحویل میں ہیں۔ بخشی کے ذریعے اوبرائن کو یہ یقین دلانا ضروری تھا کہ ڈینی ایک الگ شخصیت ہے۔ ان فنگر پرنٹس کی صحیح شناخت کے بعد میرے لیے کافی دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی۔ اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ اس طریقۂ کار کے تحت کرنل جمال دستی کا کردار اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جاسکتا تھا۔

وہ میجر بخشی کی رہائی کا معاملہ اگلی صبح کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہا تھا مگر میں اس پر فوری عمل درآمد کا خواہاں تھا۔ میجر بخشی ایک آزاد طبیعت شخص تھا۔ رات کو اس کی واپسی میں دیر سویر کسی کے لیے فکرمندی کا باعث نہیں ہوسکتی تھی۔ اس رات وہ ویسے بھی موہنی پنڈت کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ زیادہ سوچنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا ہوسکتے تھے کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں رک گیا ہوگا۔

رات گزر جانے کے بعد وہ معاملہ یکایک سنگین رخ اختیار کرسکتا تھا۔ اس کے غائب ہونے کی خبر بھارتی دارالحکومت میں پہنچتی تو وہاں فوری طور پر کسی سنگین جوابی کارروائی کا آغاز بھی ہوسکتا تھا۔ ان خطرات کی بنا پر سورج طلوع ہونے سے پہلے بخشی کی رہائی ضروری تھی۔

میری کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اول خان کی میجر بخشی سے ملاقات ضروری تھی۔ اس خانہ پری کے بعد صبح تین بجے بخشی کو آنکھیں کھولے بغیر اسٹیشن فورسے دو افراد کے ساتھ روانہ کردیا گیا تاکہ بخشی کو کسی مناسب مقام پر چھوڑا جاسکے۔

"آج تک ہمیں ان لوگوں کی سرگرمیوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ تمہاری تلاش میں کیا گل کھلانے والے ہیں لیکن اب یہ باب بند ہوگیا۔" اول خان نے چارپائی پر دراز ہوتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ اسٹیشن فور کا موجودہ محلِ وقوع ہمارے دشمنوں کے علم میں آچکا ہے۔ میری تلاش میں وہ ادھر کا رخ بھی کرسکتے ہیں۔"

"یہ سراب گوٹھ والا ویرانہ نہیں ہے اور اس علاقے کا رخ کرنے والے اس کے ... نتائج جانتے ہیں۔ صرف محلِ وقوع جان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ راز داری ہماری ترجیحات میں سرِفہرست تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ ترجیحات اب بے معنی ہیں۔ انہیں ملک بھر میں فورس کے اسٹیشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔ ہم اپنے رازوں کو کب تک پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ مقاصد کا باہمی تصادم ہمیں تقریباً روبرو لے آیا ہے۔ ہم ان کی معلومات کے وسیع اور جدید ترین وسائل کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"ہم کیا کرسکتے ہیں' یہ بعد میں سوچا جائے گا۔ فی الحال دو نام ہمارے سامنے ہیں۔ دھن راج اور موہنی پنڈت۔ یہ

Downloaded from https://paksociety.com

دونوں ہمارے شہری ہیں....“

”ہمارے شہری ضرور ہیں مگر دونوں ہندو ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اخبارات مقامی ہندو مافیا کی مذموم سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ ان کے خلاف اقدام کی خبروں کو اچھالیں گے۔ کشیدگی اور منافرت کے ایسے اندیشے بعض مجرموں کو حساس بنا دیتے ہیں۔“

”اسپیشل ٹاسک فورس کاغذ پر اپنا وجود نہیں رکھتی۔ ان دونوں خاندانوں کے بارے میں خفیہ ادارے کا ریکارڈ مکمل ہونا چاہیے....“

اول خان نے میری بات کاٹ دی ”دھن راج کا نام ہر خفیہ لسٹ پر ہے۔ کل موہنی اور اس کے باپ کے بارے میں بھی ابتدائی بریفنگ جاری کردی جائے گی۔“

ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا اور کمرے میں خاموشی چھاگئی۔

○☆○

اگلی صبح مجھے بیدار ہوتے ہی دو باتیں بیک وقت یاد آئیں۔ پچھلی رات کی افراتفری میں‘ میں ان دونوں بدمعاشوں کو بھول بیٹھا تھا جو میجر بخشی کی پشت پناہی کے لیے مسلح ہوکر کلب پہنچے ہوئے تھے۔ دوم یہ کہ میری مدد کے لیے کلب جانے والے ایس ٹی ایف کے جوانوں کی نفری زیادہ تھی مگر واپسی پر صرف تین آدمی میرے ساتھ آئے تھے۔ بقیہ کہاں تھے؟

اول خان ہم لوگوں سے پہلے بیدار ہوکر دفتر جاچکا تھا۔ ناشتے کی میز پر ہم لوگ یک جا ہوئے تو پچھلی رات کو ویرے سے کیے جانے والے فیصلوں کے بارے میں متعدد سوالات تیار تھے۔

رات کو ہونے والے تبادلۂ خیال میں سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا تھا۔ صبح ویرا اس بارے میں چبھتے ہوئے سوالات کرتی رہی لیکن سلطان شاہ اپنے موقف سے دست بردار ہوچکا تھا۔ اس نے کہا ”وہ لایا گیا‘ رکھا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا۔ بحث بے سود ہے۔“

ہماری بیداری کی خبر پاکر اول خان کچے میدان میں دھول اڑاتا ہوا اپنی جیپ میں آپہنچا۔

”اوہ‘ ناشتا ابھی چل ہی رہا ہے۔“ اس نے آتے ہی کہا ”ایک گرما گرم پیالی ملے تو میرے پاس ایک اچھی خبر ہے۔“

”پہلے اچھی خبر سناؤ پھر چائے ملے گی۔“ ویرا نے خوش گوار موڈ میں کہا۔

اول خان نے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی ”ویرا کا مطالبہ درست اور جائز ہے۔“

”رات موہنی پنڈت کے ہوش میں آنے سے پہلے پولیس اس کی گاڑی تک پہنچ گئی تھی۔“ اول خان نے بتایا۔ ”ہوش میں آنے پر اس نے خود کو پولیس والوں کے نرغے میں پایا تو سراسیمہ ہوگئی اور پولیس کو کوئی بیان دیے یا شکایت درج کرائے بغیر واپس گھر چلی گئی۔“

”اور پولیس نے اسے آرام سے گھر جانے کی اجازت دے دی؟“ غزالہ نے پوچھا۔

”اسے کچھ نہ کچھ حفت تو اٹھانی پڑی ہوگی۔ اس نے کہا کہ وہ نشے کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے گاڑی روک کر کچھ دیر کے لیے سوگئی تھی۔“

”اس نے شکایت نہیں کی پھر بھی شراب نوشی پر اس کا چالان ضرور ہونا چاہیے تھا۔ وہ آج کل بہت اوپر اڑ رہی ہے۔“ ویرا نے حاسدانہ لہجے میں کہا۔

”اقلیتیں امتناعِ شراب کے قانون سے مستثنیٰ ہیں.... اس نے اسی دلیل کا سہارا لیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ ایک مشہور ماڈل گرل ہے۔ اس کے ساتھ نرمی برتی گئی ہوگی۔“

”اقلیتیوں کو شراب نوشی کی اجازت ہے لیکن نشے میں ڈرائیونگ کرنا ایک الگ جرم ہے جس پر یورپ اور امریکا میں بھی سخت کارروائی کی جاتی ہے۔“

”یہ ٹریفک پولیس کا معاملہ تھا۔“ میں نے ہنس کر جواب دیا ”ہوسکتا ہے کہ آس پاس کوئی ٹریفک والا دستیاب نہ رہا ہو۔“

”کیا ہم اسے خوش خبری کہہ سکتے ہیں؟“ ویرا نے منہ بنا کر مجھ سے پوچھا۔

”اس کی رپورٹ پیچیدگیاں پیدا کرسکتی تھی۔ کیونکہ اس کے بیان میں کرنل جمال دستی اور میجر بخشی کے ناموں کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ہوتا۔“ میں نے کہا۔

”اس نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔“ ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا ”اس نے اپنی جان بچانے کے لیے خاموشی اختیار کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ تم اس کی خاموشی میں اپنے فائدے کے پہلو تلاش کررہے ہو۔“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ موہنی اور میجر بخشی کا تال میل کیسے مل گیا۔“ اول خان نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا ”وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے سیدھی معلوم ہوتی ہے۔“

”اس کی خاموشی کو سیدھا پن مت سمجھو۔ وہ بہت چالاک لڑکی ہے۔ بوکھلاہٹ میں کوئی غلط قدم اٹھانے کے

Downloaded from https://paksociety.com

بجائے اس نے ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "پولیس سے جان چھڑا کر اس نے بخشی سے رابطہ کیا ہوگا اور پھر وہی کیا جو بخشی چاہتا تھا کیونکہ وہ بخشی کی آلۂ کار ہے۔ شہر کے نہ جانے کتنے لوگوں کو اس نے رجھا کر بخشی کے دام میں پھنسایا ہوگا۔"

"اگر بخشی نے بھی اسے زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو وہ زبان کا پکا ثابت ہوا ہے۔ ابھی تک ان لوگوں کی طرف سے ہمارے دفترِ خارجہ میں کسی شکایت کی اطلاع نہیں ملی۔" موہنی کے بعد اول خان نے بخشی کی تعریف شروع کردی۔

"یہ بخشی کا سوچا سمجھا کھیل بھی ہوسکتا ہے۔ وہ خاموش رہ کر کرنل جمال دستی کے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے امید ہے کہ جمال دستی ایس ٹی ایف سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے ایک کارآمد پرزہ ثابت ہوگا۔"

"سبب کچھ بھی ہو' فوری طور پر حالات میں کچھ ٹھہراؤ سا نظر آنے لگا ہے۔" اول خان پر اس روز پر امیدی کی کیفیت طاری تھی "تم کو بخشی سے رابطہ ضرور کرنا چاہیے۔"

"اور موہنی کے باپ کی خبر بھی لینی چاہیے۔" ویرا نے لقمہ دیا "وہ اپنی بیٹی کے کرتوتوں میں برابر کا شریک ہے۔ اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"اب تک جو کچھ ہوا' وہ میرے اور بخشی کے درمیان تھا۔ اس میں ایس ٹی ایف کا دخل نہیں تھا بلکہ فورس نے میری آخری کارروائی کو منسوخ کیا ہے۔" میں نے کہا "اسے چھیڑا گیا تو بخشی کا شبہ میری ذات کی طرف جائے گا۔"

"ویسے بھی پنڈت منوہر لال غلے کا آڑھتی اور پرانی وضع کا رئیس ہے۔" اول خان نے اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا "وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا ہوگا۔ بیٹی لکھ پڑھ کر اپنے قدموں پر کھڑی ہوچکی ہے۔ وہ اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا ہوگا۔"

"قیاس آرائیاں کرنے کے بجائے تم بخشی سے بات کیوں نہیں کرتے۔" ویرا نے زور دے کر مجھ سے کہا "تم تو اس سے اپنے ضمیر کا سودا کرچکے ہو۔"

"مرچیں مت چباؤ۔" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "مذاق ایک حد تک اچھا لگتا ہے۔ کبھی کبھی تم اس حد سے بہت آگے نکل جاتی ہو۔"

"آئی ایم سوری!" ویرا کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

میں اول خان کے ہمراہ نکلا تو ویرا بھی ہمارے ساتھ ہولی۔ جیپ میں بات کرتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔

"میں اب بھی کہتی ہوں کہ تم دونوں نے بخشی کی جان بخشی کرکے ایک غلطی کی ہے۔" ویرا نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا "دشمن کو جب اور جہاں موقع ملے' پیس کر رکھ دینا چاہیے مگر تمہاری نام نہاد مصلحتیں.... !" ایک گہرا سانس لے کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں تمہارے فلسفے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن پر اس کے کمزور لمحوں میں وار کرنا چاہیے تاکہ وہ پلٹ کر زیادہ کاری حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ جب جواب میں زیادہ بڑے نقصان کا احتمال ہو تو اسے نظرانداز کردینا بہتر ہوتا ہے۔"

"دنیا بھر میں ہر طرف ایسی رقابتیں چلتی رہتی ہیں کہ تمہاری منطق عام ہوجائے تو روز بیسیوں سفارت کاروں کا لہو بہنے لگے۔" اول خان نے ویرا سے کہا "نفع نقصان کا حساب کتاب ہی انسان کی جبلت میں پوشیدہ اندھے انتقام کے جذبے کو لگام دیتا ہے۔"

میں اس بحث سے دامن بچا کر اول خان کے دفتر میں موجود اس فون کی طرف متوجہ ہوگیا جس پر سی ایس ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میرے پاس بخشی کے دفتر کا وہ نمبر تھا جس پر آپریٹر کے ذریعے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ نمبر سی ایس ڈی کے ذریعے استعمال کرنا ممکن نہیں تھا اسی وجہ سے میں اس کے گھر پر فون کرتا رہا تھا مگر پچھلی رات کی مفاہمت کے بعد اس نے مجھے اپنے دفتر کا راست نمبر بھی دے دیا تھا تاکہ میں کسی ہنگامی صورتِ حال میں اس سے رابطہ کرسکوں۔

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا۔ میری آواز پہچان کر وہ پراعتماد لہجے میں بولا "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور فون کرو گے۔ کہو' تمہارا کیا حال ہے؟ کہاں ہو؟"

"یہ محفوظ فون پر میرا اور تمہارا آخری رابطہ ہے۔" میں نے اپنی آواز پر اداسی طاری کرلی "میں اپنے نئے ساتھی کو چارج دینے کی تیاری کررہا ہوں۔"

"تمہارے بارے میں مجھ سے گھما پھرا کر کئی سوال کیے گئے تھے مگر میں تم سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہا۔ ایس ٹی ایف اس وقت حیرت انگیز طور پر ہم سے تصادم کی حامی نہیں ہے یا کم از کم مجھے یہی تاثر دیا گیا ہے۔ میں نے اپنی شکایت روک لی ہے۔"

"تم مجھے لے جانے کے ارادے سے آئے تھے۔ اس میں ناکامی کا کوئی کفارہ بھی ادا کرنا پڑے گا؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ ہمارے قونصل خانے کے ریکارڈ کے مطابق کل کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"اتنی رازداری کیسے ممکن ہے۔ تمہارے ساتھ وہ ماڈل گرل بھی تھی۔"

ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس نے جواب دیا "اس کے پیشے کے تقاضے عجیب ہیں۔ وہ کل والے اسکینڈل کے بارے میں ذرا بھی زبان کھولتی تو اس کی ساکھ اور مارکیٹ فوراً تباہ ہوجاتی۔ شہر کے شوقین مزاج شرفا چکر باز لڑکیوں سے دور بھاگتے ہیں۔"

"ہر اوباش مال دار اخباروں میں اپنے نام کی تشہیر سے ڈرتا ہے۔" میں نے تفہیمی انداز میں کہا "بات پولیس تھانے تک پہنچ جائے تو لڑکیوں سے برآمد ہونے والے وزیٹنگ کارڈز بھی عذاب جان بن جاتے ہیں۔ مجھے اس لڑکی کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ تھا۔"

"تمہارا تبادلہ ہورہا ہے یا پھر کچھ اور ہونے کا امکان ہے؟" اس نے محتاط لب ولہجے میں پوچھا۔

"یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں ہے جہاں سزا کے طور پر محض تبادلہ کرکے بات ٹال دی جائے۔" میں نے تلخی سے جواب دیا "جو کچھ ہوتا ہے' دو ٹوک اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔"

"بر طرفی؟"

"آثار ایسے ہی ہیں۔ مجھ سے ہر بات پوشیدہ رکھی جارہی ہے۔ یہاں کا مردِ اول کسی بھی وقت مجھے جواب دے سکتا ہے۔"

"وہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" وہ متجسس ہونے لگا۔

"فی الحال کوئی ہوٹل دیکھوں گا۔ باقی بندوبست بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی ملازمت کی پیش کش کی تھی۔ اسے اب پھر دہرا رہا ہوں۔"

"کسی نئی مصروفیت سے پہلے میں چند روز آرام کرنا چاہوں گا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کررہا۔" میرے تذبذب کا اندازہ لگاتے ہی اس کا لہجہ بدل گیا "فوری طور پر تمہاری ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اس خلا کو پر کرکے تم اپنے لیے مستقل جگہ بنا سکتے ہو۔ زندگی بھر عیش کرتے رہو گے۔"

"مجھے بہت کچھ سوچنا ہوگا۔ یہاں سے فراغت کے بعد میں کسی دفتر میں کلرکی یا افسری تو کرسکوں گا' حساس نوعیت کے کاموں پر شاید پابندی ہوگی۔"

"یہ نہ کہنا۔ میں تمہارے بارے میں بہت دور تک سوچ چکا ہوں۔"

اس کی چال بازی پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ بخشی کے ذریعے میں نے شاید اوبرائن کے ذہن سے بھی یہ وسوسہ مٹا دیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ وہ حقیقت فراموش کردینے کے بعد ان دونوں کے ذہنوں میں صرف ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ کرنل جمال دستی ہی وہ شخص ہے جو ڈینی کو پہچانتا ہے اور اس کا سراغ لگا کر اسے پکڑوا سکتا ہے۔

ایس ٹی ایف میں میرا کردار ختم ہوجانے کی امید پر میجر بخشی میری طرف سے کچھ زیادہ ہی پر امید ہوگیا تھا اور اسی وجہ سے فون پر میری ناز برداریاں کررہا تھا۔

"یہ میرے کہنے کی بات نہیں ہے میجر!" میں نے زور دے کر جواب دیا "تم خفیہ اداروں' اور ایجنسیوں میں ملازمت کے پروٹوکول سے اچھی طرح واقف ہو....."

"میری خفیہ معلومات کے مطابق تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس آئین اور قانون سے ماورا ہے۔ اس کا کوئی تحریری کوڈ آف کنڈکٹ نہیں ہوسکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "تم اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ہر فیصلہ کرسکو گے۔"

"جہاں تحریری ضابطۂ کار نہیں ہوتا وہاں روایات کی پاس داری کرنی پڑتی ہے۔ میں خود بھی اس موقع کو نہیں گنواؤں گا مگر مجبوری' مجبوری ہی ہوتی ہے۔"

"تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔" اس کی آواز میں اطمینان جھلکنے لگا "جہاں کام کرنے کی امنگ موجود ہو وہاں کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی ہے۔"

"اب میں کسی نئے ٹھکانے سے تم کو فون کروں گا۔ موجودہ ملازمت سے یہ شاید آخری رابطہ ہو۔" میں نے اپنائیت کے ساتھ کہا۔

بخشی سے میری گفتگو کے دوران ویرا برے برے منہ بناتی رہی تھی۔ اس کے دعائیہ کلمات کے بعد میں نے فون بند کیا تو وہ برس پڑی "اُس سے اس ڈرامے بازی کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ ڈرامے بازی نہیں' حقیقت ہے۔" اول خان نے اسے بتایا "فورس سے بیک دوش کیا جانے والا کوئی شخص کسی سیکرٹ مشن پر کام نہیں کرسکتا۔"

"اسے کیا معلوم کہ تمہارے کیا قاعدے ہیں۔" ویرا

Downloaded from https://paksociety.com

نے جل کر کہا۔

"ڈینی کے آپشن اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ابتدائی مزاحمت بخشی کے اعتماد میں مزید اضافہ کرے گی۔ میں ڈینی کی پالیسی سے پوری طرح متفق ہوں۔"

"تمہیں اس کے ساتھ رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔" ویرا نے مجھے مشورہ دیا "اس طرح تمہیں ان کے عزائم کا علم ہوتا رہے گا۔ دوسری صورت میں تم بے خبری میں مارے جاسکتے ہو۔"

"میجر بخشی کے عزائم ہمارے لیے کبھی بھی نیک نہیں ہوسکتے۔ جب ہم اپنے سفارت کاروں کی زندگی کے خوف سے اسے مار نہیں سکتے تو اس سے رابطہ رکھنا گلے میں ڈھول لٹکا لینے کے مترادف ہوگا۔" میں نے ترشی سے جواب دیا۔

"گلے میں لٹکے ہوئے ڈھول سے نقصان پہنچ سکتا ہے، رابطہ رکھنے میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ اس سے رابطہ رکھنے کا مطلب ہے کہ میں ہر وقت اس کی نظروں میں رہوں گا۔ میرا اصل نام اور کام دھرا رہ جائے گا۔" میں نے وضاحت کی "میری یہ بے عملی اسٹیں فائدہ پہنچائے گی۔"

"تم یہ بات اتنی بحث کے بغیر بھی بتا سکتے تھے۔" ویرا مجھے گھورنے لگی۔

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ اس نے ویرا کی ہٹ دھرمی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ڈینی کو الہام تو نہیں ہوسکتا تھا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔"

"کوئی معقول سبب سامنے ہو تو بحث کی نوبت نہیں آتی۔ کیا مجھے الہام ہوا تھا کہ ڈینی ان لوگوں کی طرف سے کیا سوچ بیٹھا ہے؟"

"ان الہامی مسائل میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تمہارے آدمی شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اول خان سے مطالبہ کیا۔

"ہمارے روٹین کے کچھ کام ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق سیکورٹی سے ہی ہوتا ہے۔ آج تم کو یہ سوال کیوں یاد آرہا ہے؟"

"تمہاری معمول کی سرگرمیوں سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ دھن راج کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔"

پنڈت منوہر لال کے بعد اب وہی ہمارے سامنے ہے۔"

"ہیشم کے بیان کے بعد اس کا نام بڑے ملزم کے طور پر ریکارڈ پر آچکا ہے۔" اول خان نے اضافہ کیا "اس کی تلاش جاری ہے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ اس کا خاندان عمر کوٹ میں رہتا ہے۔ اس پر بہروقت وہاں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"اس کا خاندان وہیں ہے۔ پہلے میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ کراچی سے نکل کر وہیں بھاگا ہوگا مگر اطلاعات ملی ہیں کہ وہ وہاں نہیں ہے۔"

"تمہاری ان اطلاعات کا ذریعہ کیا ہے؟" میں نے روا روی میں پوچھ لیا۔

"دراصل اس علاقے میں ہمارا کوئی یونٹ نہیں ہے۔" اول خان کے اس معذرت خواہانہ انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا "اس کے بارے میں عمر کوٹ پولیس پر انحصار کیا گیا تھا۔ یہ پیغام وہیں سے ملا ہے۔"

"دیہی علاقے کے چھوٹے شہروں میں پولیس اپنے علاقے کے نام نہاد معززین اور جاگیرداروں کی مرضی پر بے چون و چرا عمل کرتی ہے۔" ویرا کو اول خان کے خلاف نکتہ مل گیا اور وہ چہکنے لگی "دھن راج کوئی کمی کمین ہوتا تو اب تک ہتھکڑی اور بیڑی میں بندھا یہاں پڑا ہوتا۔ وہ ایک بڑے اور بارسوخ گھرانے کا آدمی ہے۔ عمر کوٹ کی پولیس نے اس سے مشورے کے بعد ہی پیغام دیا ہوگا۔"

"مجھے بھی یقین ہے کہ وہ وہیں ہوگا۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔" میں نے کہا۔

"پولیس والے قلیل تنخواہوں پر اپنے گھر بار چھوڑ کر ان دور افتادہ علاقوں میں کام کرتے ہیں۔" اول خان نے ندامت سے کہا "طاقت ور جاگیرداروں سے ٹکرا کر وہ دن بھی وہاں نہیں جم سکتے۔ اپنے سکھ چین اور مالی فائدے کے لیے بیشتر پولیس والے ان کے حمایتی اور مددگار بن جاتے ہیں۔"

"اس حوصلہ شکن پیغام کے بعد کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ضروری ہوگیا تھا۔" میں نے سوچا۔

"جس دن مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے دوسروں کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوئی، میں کنارہ کشی اختیار کرنے کو ترجیح دوں گا۔" اول خان نے پرملال انداز میں کہا۔

"اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے چڑانے کے لیے بات بڑھائی "ڈینی سے تم ہمیشہ ہی مشورے لیتے رہتے ہو اور اس پر فخر کرتے ہو۔"

"پالیسی بنانا اور منصوبہ سازی کرنا ایک الگ بات ہے،

Downloaded from https://paksociety.com

میں روز مرہ فرائض کی بات کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم عمر کوٹ کی طرف کوئی پارٹی روانہ کر چکے ہو؟" ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک کر سوال کیا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کوئی تفتیشی ایجنسی نہیں ہے۔" اس بار اول خان نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ کہا "اسٹرائیکنگ فورس ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتی۔"

"پھر یہ کام کون کرے گا؟" ویرا بھی یک بہ یک بہت سنجیدہ ہوگئی۔

میں نے ان دونوں کے درمیان دخل انداز ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان کے ابتدائی فقرے نے میری زبان بند کردی "وہ ایک باضابطہ پولیس کیس ہے۔ ہم ان کی عمل داری میں مداخلت نہیں کرتے۔ وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ مجھے اس کیس سے دلچسپی ہے اس لیے میں کام کی رفتار سے باخبر رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم بلاوجہ میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو۔"

ویرا بہت مکار تھی۔ اول خان کے مسکت جواب پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "بلاوجہ میری ٹانگ نہ کھینچا کرو۔ میں بھی بہت سکون سے دوسروں کی دل آزاری کر سکتی ہوں۔"

"ہنسو نہیں' اب پوری بات سنو!" اول خان کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بظاہر ویرا سے مخاطب ہونے کے باوجود وہ مجھے بھی باتیں سنا رہا تھا۔

"کراچی پولیس کو عمر کوٹ سے کورا جواب مل چکا ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد جارحانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "ان کے لیے یہ بہت بڑا اور اہم کیس ہے۔ یہاں سے پوری رازداری کے ساتھ پولیس اور سی آئی اے کی دو پارٹیاں عمر کوٹ روانہ کردی گئی ہیں۔ اگلے دو تین روز میں وہ دھن راج کو گردن سے پکڑ لائیں گے۔ اس کی گرفتاری پولیس کی ذمے داری ہے۔ یہ کام وہی کریں گے۔"

"دو پارٹیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی وہ اپنا آبائی گھر چھوڑ کر کسی بھی طرف نکل جائے گا۔ زیادہ برے وقت میں وہ سرحد بھی عبور کر سکتا ہے۔" ویرا پھر بحث پر تلی ہوئی تھی۔

"اپنے کان کھلے رکھا کرو۔ وہ لوگ بینڈ باجے کے ساتھ سائرن بجاتے ہوئے نہیں جائیں گے۔ میں نے پوری راز داری کا ذکر کیا ہے۔ یہ رازداری کراچی سے عمر کوٹ تک برقرار رہے گی۔" اول خان نے برہمی سے کہا "دھن راج کی گرفتاری ہی نہیں' پورا کیس پولیس ڈیل کرے گی۔"

"اگر ہمیں کسی مرحلے پر اس کی ضرورت پیش آئی تو کوئی دقت تو نہیں ہوگی؟" میں نے بڑھتے ہوئے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے ایک ضمنی سوال کیا۔

"کراچی لائے جانے کے بعد وہ ہر وقت ہماری دست رس میں ہوگا۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ مقامی پولیس ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرتی ہے۔"

اس کے وہ الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں میجر بخشی کے اغوا کا منظر تازہ ہوگیا۔ پولیس موبائل کا عملہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اس واردات میں دخل انداز ہوا تھا مگر ایس ٹی ایف کے ایک آدمی سے گفتگو کے بعد ان کے سربراہ کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔

دھن راج کا بوجھ میرے سر سے اتر گیا مگر دوسرا مسئلہ اپنی جگہ برقرار تھا۔

"رات میں یہاں سے تمہارے کافی آدمی کلب کی طرف گئے تھے مگر واپسی پر مجھے صرف تین ملے تھے۔ وہ کہاں رہ گئے تھے؟"

"وہ ان دونوں کے پیچھے گئے تھے جو بخشی کی پشت پناہی کے لیے کلب آئے تھے۔"

"کیا انہوں نے شروع میں ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ بخشی کے ساتھی ہیں؟"

"وہ اس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر آخر تک کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔" اول خان نے کہا "حیرت ہے کہ تمہیں یہ ذکر اب یاد آیا ہے۔"

"ذہنی الجھنوں میں بات دب گئی تھی مگر میں بھولا نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"میرے آدمیوں کو ان دونوں پر اس وقت شبہ ہوا جب وہ تم تینوں کے پیچھے پیچھے پارکنگ لاٹ میں آئے تھے۔ جب وہ کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تو میرے آدمی دوبارہ تذبذب میں پڑ گئے تھے کہ کہیں وہ بالکل ہی لاتعلق نہ ہوں۔"

"ان کے تعاقب کے نتائج کے بارے میں تم نے کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری کتھا سن لینے کے بعد میں نے ان دونوں کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ تم کوئی تذکرہ کرتے تو بات خود بہ خود کھلتی چلی جاتی۔"

"میرے لیے ہر وہ شخص بہت اہم ہے جو رزق و روزی اسی دھرتی کے وسائل سے کماتا ہے لیکن کسی لالچ میں پڑ کر پرائی سرحدوں سے آئے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا

Downloaded from https://paksociety.com

بن جاتا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ تمہارے آدمیوں نے انہیں نظرانداز نہیں کیا۔"

"نفری زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ احتیاطاً ان دونوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ وہ بغدادی کے پرانے ہسٹری شیٹر ہیں۔ کلب سے نکل کر کینٹ اسٹیشن کے قریب واقع ایک ہوٹل میں گئے تھے۔" اوّل خان نے مختصر ترین الفاظ میں خلاصہ بیان کردیا۔

"منیجر بخشی بہت محتاط آدمی ہے۔ ایسے خطرناک لوگوں سے اس کا رابطہ کیسے ہوا؟"

"یہ دیکھنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دھن راج سے ملتے جلتے رہے ہوں۔"

"دھن راج پہلے سے روپوش تھا۔ یہ کوئی اور چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "کیا وہ دونوں بھی ہندو ہیں؟"

اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے بتایا "ان کے نام موسیٰ اور ملنگ ہیں۔ چاہو گے تو ان کے بارے میں مزید کھوج لگالیا جائے گا۔"

"اپنے ایک دو آدمیوں کو فوراً اس کام پر مامور کردو۔ بخشی کو زندہ چھوڑنے کی خلش اسی صورت میں دور ہوسکتی ہے کہ چند موٹی گردنیں ہمارے ہاتھ میں آجائیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ کام جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

اس کے اطمینان دلانے پر میں نے اس کا دفتر چھوڑ دیا اور ویرا کے ساتھ واپس ہولیا۔

○☆○

اگلے دو دن انتظار اور باتوں ہی باتوں میں گزر گئے۔ تیسرے دن پہلی خبر یہ ملی کہ کراچی سے عمر کوٹ جانے والی دونوں پارٹیاں بے نیل و مرام واپس آگئی تھیں۔

عمر کوٹ جیسے چھوٹے سے قصبے میں کراچی سے جانے والی نفری فوراً ہی مقامیوں کی نظر میں آگئی تھی پھر وہاں کی پولیس میں موجود کسی کالی بھیڑ نے یہ خبر راج حویلی کے مکینوں تک پہنچادی کہ کراچی کی پولیس دھن راج کو ڈھونڈتی ہوئی اس کے آبائی شہر تک آپہنچی تھی۔

خبر لیک ہونے کے بعد دھن راج کی گرفتاری ناممکنات میں سے تھی۔ تفتیشی پارٹیوں کو عمر کوٹ میں کئی ایسے عینی شاہد ملے جنہوں نے دھن راج کو اس روز تک شہر میں دیکھا تھا لیکن راج محل والے شروع سے آخر تک اسی ایک بات پر اڑے رہے کہ دھن راج کراچی میں تھا۔ انہوں نے کئی ہفتوں سے اس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

عمر کوٹ کی خاک نوردی اور کئی ناکام چھاپوں کے بعد دونوں پارٹیاں واپس آگئی تھیں۔ یوں کاغذی طور پر دھن راج کی جلد از جلد گرفتاری کی ذمے داری اس کے آبائی شہر کی پولیس پر ڈال دی گئی تھی۔ وہ دیسی علاقوں میں قانون کی کمزور عمل داری کی ایک افسوس ناک مثال تھی۔

اس روز دوسری اطلاع کرائے کے بدمعاشوں کے بارے میں ملی۔

موسیٰ اور ملنگ بدنام ہسٹری شیٹر ضرور تھے مگر ان دنوں اپنے طور پر کام نہیں کررہے تھے۔ ان دونوں کا تعلق رستم دادا نامی ایک سفید پوش بدمعاش سے تھا۔

رستم بھاری معاوضہ لے کر اپنے اعتبار کے لوگوں کے لیے مختلف نوعیت کے جرائم کی منصوبہ بندی کرتا تھا۔ اس کے تنخواہ دار آدمی ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ کام کے دوران پکڑے جانے یا زخمی ہونے والوں کے لیے وہ بہت فراخ دلی سے قانونی اور مالی اعانت فراہم کرتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس کے پاس ملازم ہونے کے بعد شہر کے کسی شورہ پشت کو کسی چالان میں عدالت سے سزا نہیں سنائی گئی تھی۔

اس کے لیے کام کرنے والے قانونی ماہرین' مروّج قوانین کی فنی خامیوں کا فائدہ اٹھا کر اس کے پکڑے جانے والے ملازمین کو بچالے جاتے تھے۔

"حیرت کی بات ہے کہ کراچی میں رستم جیسا آدمی موجود ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں۔" اول خان سے وہ تفصیل سننے کے بعد میرا اشتیاق جاگ اٹھا۔

"میں نے کئی بار اس کا ذکر سنا ہے لیکن اسے اہمیت نہیں دی۔" اول خان نے کہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اول خان چپ رہا لیکن سلطان شاہ بول پڑا "اگر میں غلطی نہیں کررہا تو رستم ایرانیوں کے بہائی فرقے کا بدمعاش ہے اور پارسی کالونی میں کہیں رہتا ہے۔"

"یہ وہی رستم تو نہیں جو کسی زمانے میں صدر میں ایرانی چائے کا مشہور ہوٹل چلاتا تھا؟" سلطان شاہ کے دیے ہوئے حوالے پر میری یادداشت بھی تازہ ہوگئی۔ وہ پرانی بات تھی لیکن اس وقت بھی لوگ رستم کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔

"بالکل وہی ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "مجھے یہ

Downloaded from https://paksociety.com

بھی بتایا گیا ہے کہ آج کا رستم دادا کسی زمانے میں چائے خانہ چلاتا تھا۔"

"یہ تحقیر کا ایک انداز ہے ورنہ وہ اس زمانے میں بھی ایک معقول ہوٹل کا مالک تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اس سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔" اول خان نے پر خیال انداز میں کہا "وہ اجنبیوں سے کسی قیمت پر نہیں ملتا اور اپنا زیادہ وقت گھر پر ہی گزارتا ہے۔"

"میں اس سے ضرور ملوں گا۔" میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا "ملاقات کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ وہ برسوں سے یہاں رہ رہا ہے۔ اس کے بہت سے شناسا نکل آئیں گے۔ ان ہی میں سے کسی کے حوالے سے اسے ملنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ کام میں شاید آسانی سے کرلوں گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"تمہیں اس سے ملتے ہوئے یاد رکھنا ہوگا کہ موئی اور ملنگ تم کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔" ویرا نے ہماری گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"میں اس کا ٹائپ سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "وہ جرائم میں ملوث ہونے والوں کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا ہوگا۔"

"لیکن تمہیں اس سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ بخشی کے لیے کام کرسکتا ہے تو ہمارے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"میں ویرا سے متفق ہوں۔" اول خان نے اعتراض کیا "پوری ایس ٹی ایف تمہاری پشت پر موجود ہے۔ تم کن کاموں کے لیے اس سے مدد لینا چاہتے ہو؟"

"ابھی تک ہم اصولوں کی صاف ستھری لڑائی لڑ رہے ہیں اس کے باوجود ہمارے لیے دن بہ دن خطرات بڑھتے جارہے ہیں۔ رستم سے کوئی مفاہمت ہوجائے تو ہم الگ تھلگ رہ کر دشمنوں کو بدترین نقصانات پہنچا سکتے ہیں۔"

"تم کیسے نقصانات کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم لوگوں کے لیے نقل و حمل اور سفر میں دشواریاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ اگر بخشی تعطیلات پر بھارت میں ہو تو کرائے کا کوئی گمنام قاتل وہاں پہنچ کر آسانی سے اسے ٹھکانے لگا سکتا ہے۔"

"یہ خیال ہمیں عملی زندگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" ویرا نے منہ بنایا۔

"ممکن کیوں نہیں ہے....؟" میں نے ترکی بہ ترکی کہا "کیا ہم کو آئزک بیل سے نمٹنے کے لیے امریکا تک دوڑ نہیں لگانی پڑی تھی؟ کیا ہم آج بھی اوبرائن کے لہو کے پیاسے نہیں ہیں؟"

"یہ بہت ٹیڑھے کھیل ہوتے ہیں۔ مقصد کی لگن کے بغیر ان میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "کرائے کے آدمی سر کے بل کھڑے ہو کر بھی تمہارے متبادل نہیں بن سکتے۔ ان کی چند ناکامیاں ہی تمہارے ارمانوں پر اوس ڈال دیں گی۔"

"پھر بھی میں یہ تجربہ کرنا چاہوں گا۔" میں نے اصرار کیا "کسی پرسکون گھر میں بیٹھ کر یہ خیال بہت راحت دے گا کہ کچھ لوگ پیسہ لے کر ہمارے مقصد کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔"

"اس طرح تم اپنے مقام سے گر کر رستم دادا کے درجے پر آجاؤ گے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ وہ پیسے کے لیے یہ سب کر رہا ہے۔ اس کا مقصد دولت کمانا ہے اور ہم ایک بڑے مقصد کے لیے بے دریغ پیسہ لٹائیں گے۔"

"قارون کا خزانہ بھی کم پڑ جائے گا۔ تم بہت چھوٹے ہو۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تم کوڑی کوڑی کو ترس جاؤ گے۔"

"ڈینی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ رستم کو دولت کی بڑی ہوس ہے۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دوبارہ دخیل ہو کر موضوع کو اچانک تبدیل کردیا۔

"تم اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرکے کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا پھر بدل کر اسی پر برس پڑی۔

"یہی کہ رستم دولت کا لالچی کتا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے میں کہا۔

"کچھ جانتے ہو تو کھل کر بات کرو تاکہ میرے آدمیوں کا کام آسان ہوسکے۔" اول خان نے اسے شہ دی "رستم جیسے طاقت ور اور بے رحم لوگوں کے ماضی کو کھنگالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ جان کے خوف سے ہر ایک اپنی زبان سختی سے بند کیے رکھتا ہے۔"

"ایران میں جب بہائیوں کو مار پڑنی شروع ہوئی تو رستم نے وہاں سے بھاگنے والے کئی مال دار لوگوں سے بھاری رقمیں اس وعدے پر جمع کرلیں کہ اپنا کمیشن کاٹ کر وہ باقی رقم انہیں پاکستان میں ادا کردے گا۔ اس لین دین کی کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

رسید تھی نہ معاہدہ۔ یہاں آکر وہ مکر گیا اور اس رقم سے اپنا ہوٹل جمالیا۔" سلطان شاہ بتا رہا تھا "اس کے ہاتھوں لٹنے والوں نے شروع میں اسے پورے شہر میں بدنام کردیا تھا۔ وقت کے ساتھ لوگ یہ قصے بھول گئے اور وہ اپنے جارحانہ مزاج کی وجہ سے دھیرے دھیرے اپنی بدمعاشی کی دھاک بٹھاتا چلا گیا۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتا دیا؟" ویرا نے تنک کر پوچھا "تمہاری عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے کہ پرانے واقعات کے بارے میں تمہاری باتوں پر اعتبار کیا جاسکے۔"

"ڈینی کو معلوم ہے کہ میں نے ٹرانسپورٹ لائن میں کافی دن گزارے ہیں۔ رات کو جب اڈے پر چوپالیں سجتی تھیں تو سن رسیدہ ڈرائیور اور مستری بس شہر کے بدمعاشوں کی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قاسو، دارا اور کالے ناگ کے ساتھی بھی رہ چکے تھے۔"

"کام کا ہویا نہ ہو، رستم دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تم کسی کو کام پر لگاؤ۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔"

میرے ان فقروں پر ویرا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اپنے نادر مشوروں کی عدم قبولیت پر وہ عام طور سے ایسے ہی ردِعمل کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"تمہیں بخشی سے بات کیے ہوئے دو دن ہوگئے ہیں۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "اس کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فرصت کے اوقات میں، میں اس موضوع پر بھی غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل تم مجھ سے ضد پر اترے ہوئے ہو۔ میں جو کچھ کہوں گی، تم اس کا الٹ ہی کرو گے۔" برہم نظر آنے کے باوجود ویرا مداخلت پر مجبور ہوگئی۔

"پھر کچھ منحوس باتیں کرو تاکہ ڈینی کو کچھ مبارک فیصلے کرنے کا موقع مل سکے۔" سلطان شاہ کے بے ساختہ فقروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے بھڑک کر کرسی چھوڑ دی۔

"میں تمہاری صورت پر لعنت بھیجتی ہوں۔" اس نے لڑاکا انداز میں سلطان شاہ کو واقعی لعنت دکھا کر کہا "ڈینی نے تمہیں اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ تم بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہے ہو۔"

"میں نے کبھی قابلیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مشکل سے مڈل پاس ہوں۔" سلطان شاہ نے سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ویرا پیر پٹختی ہوئی دفتر سے نکل گئی۔

"کبھی کبھی تم اس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر ملامت آمیز نظریں ڈال کر کہا اور جلدی سے ویرا کے پیچھے چل دی۔

ان دونوں عورتوں میں یہ اچھی بات تھی کہ آپس میں حسد و رقابت کے جذبوں کے باوجود آڑے وقت میں ایک دوسری کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

ان کے مزاج میں وہ لچک نہ ہوتی تو مختلف اوقات میں تقریباً محاصرے جیسے حالات میں گزر اوقات تک مشکل ہوسکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ سے کہا "آج اس کے ساتھ زیادتی ہوگئی۔ ہم تینوں ہی اس کی ہر بات کی تردید پر تلے ہوئے تھے۔"

"ہم میں سے کسی کا قصور نہیں تھا۔" اول خان نے فوراً اعلان کردیا "آج وہ خود ہی ہر ایک سے لڑنے بھڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایسی تنک مزاجی میں یہی ہوتا ہے۔"

"تم بخشی کے چنگل سے نکلنے کی کسی ترکیب کا ذکر کر رہے تھے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا۔

"بہت آسان ترکیب ہے۔ کرنل جمال دستی کا کردار ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔"

"میں بھی وہ ترکیب سننا چاہتا ہوں۔" اول خان نے کہا۔

"کسی ہیر پھیر میں پڑے بغیر میں اسے بتاؤں گا کہ مجھے ایس ٹی ایف سے سبکدوشی کے ساتھ اومان کے ایک ہوٹل میں پرچیز آفیسر کی حیثیت سے تقرری کا پروانہ تھما دیا گیا ہے۔"

اول خان اچھل پڑا "لاجواب بہانہ ہے۔ فورس چھوڑنے کے بعد تم مقامی منظرنامے سے غائب ہوجاؤ گے۔ گزر اوقات کے لیے باہر کی نوکری ہوگی اس لیے تمہیں بخشی یا کسی اور کے لیے کام کرنے کی حاجت بھی نہیں رہے گی۔"

"وہ بہت عیار اور خود غرض ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "مطالبہ کرسکتا ہے کہ تم باہر ملازمت کی پیشکش مسترد کردو۔ تم امتحان میں پڑجاؤ گے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اسے بتاؤں گا کہ ایس ٹی ایف کا ڈسپلن فوج سے زیادہ سخت ہے۔ حکم کی بس تعمیل ہوتی ہے۔ اس میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا اور جو حکم سے سرتابی پر تل جائے، اس کے دل میں نہایت سرد مہری سے ایک گولی اتار دی جاتی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "سفاکانہ ڈسپلن کی اس سے بہتر تصویر کشی ناممکن ہے۔ تم اسے لاجواب کردو گے۔"

"تم اسے یہ سب کب بتاؤ گے؟" سلطان شاہ نے مطمئن ہوکر سوال کیا۔

"اسے انتظار میں کچھ اور سسکنے دو۔ اس دوران میں میرا شیو کچھ اور بڑھ جائے گا۔ بخشی سے گفتگو کے کچھ عرصے بعد تک میں اپنے پرانے حلیے میں دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا۔"

"تمہاری طویل خاموشی اسے شکوک و شبہات میں ڈال دے گی۔" سلطان شاہ بولا۔

"جواز ملے گا تو وہ مطمئن ہوجائے گا۔ سکدوشی اور اومان کے لیے روانگی کے دوران میں اسٹیشن فور کا ایسا قیدی ہوں جو ہر وقت نادیدہ نگاہوں کی نگرانی میں رہتا ہے۔۔۔"

"تمہاری تیاری ہر طرح مکمل ہے۔" اول خان نے میری بات کاٹ دی "تم نے اس بارے میں سوچ بچار پر واقعی خاصا وقت لگایا ہے۔ حلیے میں تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد کوئی بھی تمہیں کرنل جمال دستی کے طور پر نہیں پہچان سکے گا۔"

○☆○

رستم دادا کے بارے میں میرا اشتیاق مجھے آخر کار فصیل جیسے احاطے والی اس وسیع عمارت تک لے آیا تھا جس کے ایک ستون پر نصب لکڑی کی تختی پر "بسیرا" لکھا ہوا تھا۔ احاطے کی دیواریں کم از کم بارہ فٹ بلند تھیں۔ اوپر نوک دار آہنی سلاخوں کا جنگلہ لگا ہوا تھا تاکہ کوئی کمند یا سیڑھی کے ذریعے بھی دیوار پھاند کر احاطے میں نہ کود سکے۔

دیوار میں نصب سپاٹ آہنی پھاٹک بالکل سادہ اور مہیب تھا۔ اس کی بلندی دیواروں کے سرے چھو رہی تھی اور دونوں پٹ اتنے چوڑے تھے کہ شاید تین گاڑیاں ایک وقت میں پھاٹک سے گزر سکتی تھیں۔

بسیرا ایک ایکڑ سے بھی زیادہ رقبے پر بنی ہوئی اس پرشکوہ عمارت کا نام تھا جس میں رستم دادا اپنے اہل خانہ اور ملازمین کی ایک فوج کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے رستم پر کافی محنت کی تھی اور پتا چلایا تھا کہ بسیرا کی چار دیواری میں جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ رستم کے سارے خانگی ملازمین خالص پیشہ ورانہ بنیادوں پر رکھے گئے تھے۔

وہ اطلاع ہمارے لیے اطمینان بخش ثابت ہوئی تھی کیونکہ بسیرا میں موسیٰ یا ملنگ سے سامنا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اپنی شناخت کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر میں جرائم کی دنیا کے اس بے تاج بادشاہ سے مل سکتا تھا جو کسی کے ایما پر میجر بخشی کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

فون پر رستم کے کسی آدمی سے میری بات ہوئی تھی۔ اس کے لیے اشرف علی خان کا حوالہ قابل اعتبار ثابت ہوا تھا اور اس نے ہمیں ملاقات کے لیے اگلے دن شام چھ بجے کا وقت دے دیا تھا۔

اشرف کراچی کا ایک متوفی شخص تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے ڈکیتی کی ایک مہینہ واردات میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں اپنے لاولد چچا کو مروا کر اس کی بڑی جائداد اور خطیر سرمائے پر وارث کی حیثیت سے قبضہ کیا تھا۔ بعد میں وہ خود بھی اسی طرح ڈکیتی کی ایک واردات میں مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا تھا۔ اشرف اور رستم کے میل جول کا سراغ بھی ایس ٹی ایف کے ذریعے ملا تھا۔

تقریباً سال بھر پہلے مرے ہوئے شخص کے حوالے سے رستم کی کچھار میں جانا دل گردے کا کام تھا لیکن سلطان شاہ پوری رضا و رغبت سے اس مہم میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ ہم چھ بجنے سے چند منٹ پہلے ہی بسیرا کے سامنے موجود تھے۔ میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی تائیدی مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے آہنی پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجا دیا۔ وسیع و عریض آہنی دروازے کا ایک پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھل گیا۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی مگر پھاٹک سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے دوبارہ بریک لگانے پڑے۔

پختہ فرش میں گڑے ہوئے دو ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی زنجیر نے خم دار روش پر آگے بڑھنے کا راستہ مسدود کردیا تھا۔ وہاں دو بادردی محافظ سب مشین گنیں لیے چاق و چوبند کھڑے ہوئے تھے۔ گاڑی رکتے ہی ان میں سے ایک پھرتی سے میری طرف آیا۔

"ملک ممتاز اور ملک افضل۔" میں نے شیشہ اتار کر اسے بتایا "ہمارا وقت طے ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی بیلٹ سے لگا ہوا واکی ٹاکی نکال کر لمحہ بھر کے لیے کسی سے دھیمی آواز میں بات کی اور سلسلہ ختم کرکے مجھ سے مخاطب ہوا "سر! کوئی ہتھیار ہے تو مجھے دے دیں۔ واپسی پر مل جائے گا۔"

ہمیں ایسے اہتمام کی پہلے سے توقع تھی اور ہم دونوں

Downloaded from https://paksociety.com

مسلح تھے۔ اس کی فرمائش پر اعشاریہ تین دو کے دونوں ریوالور نکال کر اس کے حوالے کردیے گئے۔

زنجیر سے آگے کشادہ روش داہنی طرف بنی ہوئی طویل دو منزلہ عمارت کے آخری سرے تک چلی گئی تھی جہاں پہلے سے کئی گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ محافظ نے ریوالور لینے کے بعد اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی آہنی زنجیر فرش پر گرادی اور میں نے آہستگی سے گاڑی پختہ راستے پر آگے بڑھادی۔

روش کے بائیں جانب گھنی اور اونچی باڑھ اُگی ہوئی تھی جو بہت قرینے سے ترشی ہوئی تھی۔ باڑھ کے درمیان جابجا پھل دار درخت نظر آرہے تھے۔ شاید اس کے پیچھے کوئی چھوٹا سا باغ تھا جس کی وجہ سے فضا میں تازگی کا احساس ہورہا تھا۔

"کوئی ایمرجنسی ہوگئی تو یہاں سے نکلنا دشوار ہوجائے گا۔" سلطان شاہ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے پر تشویش آواز میں بڑبڑایا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے یہ مکان قلعے جیسا ہوگا۔"

"برے کلمات منہ سے مت نکالو۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی "تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ کراچی جیسے شہر میں ایسے پر فضا مکان آباد ہیں۔"

"اب تو سولی چڑھ ہی گئے ہیں' رام بھلی کرے گا۔" میرا مشورہ اس کی فکرمندی رفع نہ کرسکا۔

طویل روش کے اختتامی سرے سے پہلے ایک اور باوردی شخص کھڑا ہمیں رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف دباتے ہوئے اس سے چند قدم کے فاصلے پر روک لی۔ وہاں باڑھ کے درمیان ایک راستہ نظر آرہا تھا۔

باوردی ملازم نے سر کی جنبش سے سلام کرتے ہوئے بڑھ کر میرا دروازہ کھول دیا۔ میں انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ سلطان شاہ نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی۔

"سر! صاحب باغ میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" اس نے باڑھ میں بنے ہوئے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

چلتی ہوئی گاڑی کے اترے ہوئے شیشے میں سے محسوس ہونے والا فرحت و تازگی کا احساس یک بیک بڑھ چکا تھا۔ باڑھ میں سے گزرتے ہی پھلوں اور پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے باغ کا منظر ہمارے سامنے تھا۔ باغ کی زمین سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن درختوں کے سائے میں گھاس جلنے کی وجہ سے سیاہ اور خاکستری دھبے نمایاں نظر آرہے تھے۔

اس روح افزا ماحول میں' باغ کے ایک گوشے میں کرسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک جسیم اور قد آور شخص براجمان تھا جو کسی بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

میں نے صرف اس کا نام ہی سنا ہوا تھا' کبھی اس سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان دنوں وہ رستم ایرانی کہلاتا تھا۔ اس کی نشان دہی کرکے محافظ واپس چلا گیا تھا۔ ہم دونوں نے اپنے میزبان کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

وہ بہت وجیہہ اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر داہنی طرف کسی پرانے زخم کا لمبا سا نشان تھا جو کلین شیو رخسار پر دور ہی سے چمک رہا تھا۔ گھنے اور لمبے بالوں میں سیاہی پر سفیدی غالب تھی اور اس کے جسم پر بھی کلف لگا ہوا سفید لباس تھا۔

اس کے گرد بید کا فرنیچر پھیلا ہوا تھا۔ سامنے میز پر چار لاسلکی مواصلاتی آلات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ ان میں سے ایک موبائل فون اور دوسرا واکی ٹاکی تھا۔ بقیہ دو لاسلکی ریسیور تھے جو یقینی طور پر گھر میں موجود عام ٹیلی فون لائنوں سے منسلک تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے ہی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ہم اس کے روبہ رو پہنچے تو وہ فون کان سے چپکائے کسی سے بات کررہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے اپنی کشادہ نشست سے قدرے اچک کر باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا سیدھا ہوگیا۔

سات آٹھ سال کا گورا چٹا بچہ اس کے غیر مصروف کان میں انگلی گھماتے ہوئے شوخ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رستم کی آواز میری توقع کے برعکس نرم ثابت ہوئی۔ فارسی میں ہونے والی گفتگو ختم کرکے فون بند کرنے کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اس کی مسکراتی ہوئی عقابی نظریں چہرے کے پار اترتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ بچہ ہمیں بھول کر دونوں ہاتھوں سے اس کے کان کھینچنے لگا تو اس نے نرمی سے اسے پچکارا اور اردو میں کہا "بیٹا! آرام سے بیٹھو' مہمان آئے ہیں۔"

بچہ باز نہیں آیا۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں ملک ممتاز اور یہ ملک افضل ہے۔"

"خوب!" وہ غصے کے بغیر بچے کو اپنے ہاتھوں سے روکتے ہوئے مسکرایا "کیا پیو گے؟ میں شراب نہیں پیتا مگر

Downloaded from https://paksociety.com

مہمانوں کی تواضع کرنا جانتا ہوں۔ کوئی تکلّف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"صرف چائے!" میں نے کہا۔ وہ شخص ہر اعتبار سے مجھے متاثر کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس جیسا خطرناک آدمی ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا ہوگا مگر وہ زاہدِ خشک نکلا تھا۔

"جاؤ' اب تم اندر جاؤ اور بابا سے کہو کہ چائے بھیج دے۔ ہمیں باتیں کرنی ہیں۔" وہ جس تحمل سے بچے کی حرکتیں برداشت کر رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اسے بہت عزیز ہے۔

"نہیں' پہلے کان میں ایک بات سنو!" بچے نے ٹھنک کر بڑے لاڈ سے کہا۔

رستم نے ہماری طرف سے نظریں ہٹائے بغیر اپنا چہرہ بچے کے سامنے جھکا دیا۔ بچے نے کان کی لو پکڑ کر اسے اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

دہانے کی طرف کھینچا اور ایک زوردار چیخ مار کر ہنستا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

رستم کان میں انگلی ڈال کر زور زور سے ہلانے لگا "بہت شریر بچہ ہے۔"

"شریر ہی نہیں' بہت پیارا بھی ہے۔" میں نے دل کی گہرائی سے کہا "بیٹا ہے تمہارا؟"

"یہ میرا اکلوتا نواسا ہے۔" اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "چائے آنے سے پہلے ہی بات شروع ہوجائے تو کیا ہرج ہے!" اس کی اردو بہت صاف اور شستہ تھی۔

مجھے اس پر رشک آرہا تھا کہ پیسے لے کر لوگوں کے لیے بھیانک جرائم کا ارتکاب کروانے کے باوجود وہ کیسی بھرپور اور پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ بسیرا کی پرفضا چار دیواری میں اس کے طور طریقے ذرا بھی مجرمانہ نہیں تھے۔ وہ ایک خوش قسمت گھریلو آدمی نظر آرہا تھا۔

"ہمیں اشرف علی...." میں نے بات کی براہِ راست ابتدا کرنے کے بجائے تمہید باندھنی چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا۔

"یہ بات میں اپنے سیکریٹری سے پہلے ہی سن چکا ہوں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ یہ شرط نہ ہو تو وقت برباد کرنے والے کنجوس شاید یہاں قطاریں لگالیں گے۔ یہ بتاؤ کہ کام کیا ہے۔ قتل' اغوا یا ڈکیتی؟ اس کے بعد آگے بات ہوگی۔"

"ہم دونوں آپس میں کزن ہیں۔ ایک شخص نے ہم دونوں...." رستم کی مداخلت کی وجہ سے میری بات ایک مرتبہ پھر ادھوری رہ گئی۔

"کام کے سلسلے میں' میں ضروری رازداری کا قائل ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا "میں جج ہوں نہ وکیل۔ تم کو میرے سامنے اپنی خواہش کا کوئی جواز یا سبب پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کام بتاؤ' میں دام بتاؤں گا اور پروگرام طے کرلیا جائے گا۔"

اپنے نواسے کو رخصت کرنے کے بعد رستم کے چہرے پر درشتی عود کر آئی تھی مگر اس کی باتیں بہت دوٹوک تھیں۔ وہ خود ہی اس ملاقات کو بہت سہل بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ کوئی شناخت' نہ جواز۔ مجھے بس براہِ راست کام بتانا تھا۔

رستم سے ملاقات کے لیے میری ساری تیاری بے سود ثابت ہوئی۔ متوقع سوال وجواب کا امکان دور دور تک باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "قتل!"

"تمہارا حریف کس شہر میں رہتا ہے؟" اس نے کسی توقف کے بغیر پوچھا۔

اس نے خود مجھے تفصیل میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف شہر کا نام لینے پر اکتفا کیا "نئی دہلی۔"

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا اور اس نے چونک کر سوال کیا "کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے؟"

میرا جواب اثبات میں تھا۔ اس بار میں نے صرف سر کو جنبش دی تھی۔

"میں ملک کے اندر رہ کر کام کرتا ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کسی تردّد کے بغیر کہا "یہاں میرے رابطے ہیں' آدمیوں کو اونچ نیچ کا ہر تجربہ ہے۔ ملک سے باہر جانے کے لیے مجھے سوچنا ہوگا۔ سفر اور اخراجات سمیت سات لاکھ سے دس لاکھ تک خرچ ہوسکتے ہیں۔"

"رقم میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں اس کی کمزوری سے کھیلنے کے لیے تیار تھا۔

"مگر مجھے دوسرے مسائل کے بارے میں سوچنا اور دیکھنا ہوگا۔ ذرا سی چوک ہوگئی تو میرا آدمی اجنبی دیار میں کسی داد و فریاد کے بغیر مارا جائے گا۔"

رستم مختصر سوال وجواب کا سلسلہ ختم کرکے خود وضاحتوں پر آگیا تھا۔ میں نے بھی اسے شہ دینے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا "بات یہاں کی ہوتی تو ہم خود بھی اسے مار گراتے۔ باہر کی مجبوری ہے اسی لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"وہ نئی دہلی میں کب سے رہ رہا ہے؟" رستم نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

"چند روز کی بات ہے۔ اس سے پہلے وہ کراچی میں تھا لیکن خطرہ بھانپ کر یہاں سے نئی دہلی جا بیٹھا ہے۔" میں نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا "حالات سازگار ہونے پر شاید واپس لوٹ آئے۔"

"تم اس کی واپسی کا انتظار کیوں نہیں کرلیتے؟" کام بالکل پکا ہوگا۔ اخراجات میں بھی خاصی کمی ہوجائے گی۔" اس نے جو برجستہ پیش کی۔

"دل کے سکون کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہم اندر سے انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ بات اب برداشت سے باہر ہوگئی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ یہیں واپس آئے۔ وہاں سے وہ کہیں اور بھی جاسکتا ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

گفتگو کے دوران میں وہ دوسری مرتبہ چونکا اور بولا "بھارتی شہری بھی نہیں ہے؟"

بات آہستہ آہستہ ڈھب پر آگئی تھی۔ میں نے ذرا کھل کر کہا "ہاں' امریکی ہے۔"

"امریکی بہت بزدل اور محتاط ہوتے ہیں۔" اس کے

Downloaded from https://paksociety.com

الفاظ میں تحقیر کی ہلکی سی بُو نمایاں تھی "وہ خطرے سے آگاہ ہے تو ذرا مشکل سے ہی کسی دام میں آئے گا۔"

"یہاں وہ چوکنا رہتا تھا وہاں آرام سے گھیر لیا جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ کوئی اس کا پیچھا کرتا ہوا ئی دہلی تک پہنچ سکتا ہے۔"

اندر سے چائے کی ٹرے لے کر آنے والا معمر اور باریش مگر تن درست شخص ہمارے قریب آگیا۔ ہم تینوں کی خاموشی کے درمیان اس نے چائے کی پیالیاں تیار کیں اور واپس چلا گیا۔

چائے نوشی کے دوران میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اس کے باغ کی تعریف کی اور وہ انکساری سے ہمیں بعض بیش قیمت پودوں اور درختوں کے بارے میں بتانے لگا جو شہر میں ہی نہیں، ملک بھر میں نایاب تھے۔

چائے کا سلسلہ ختم ہونے پر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم کل شام فون کرلو۔ میں کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بتادوں گا۔"

میں نے مایوسی اور قدرے حیرت سے کہا "کیا تمہاری طرف سے انکار کا امکان بھی ہے؟"

"موہوم سا!" اس نے بے پروائی سے کہا "دس پانچ لاکھ کے لیے میں اپنی اس جنت کو چھوڑ کر میدان میں نہیں نکل سکتا۔ میں دوسروں سے کام لیتا ہوں۔ مجھے ان کے حوصلے کا اندازہ لگانا ہے۔ امید یہی ہے کہ تمہارا کام بن جائے گا۔"

"ہم بہت امیدیں لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔ ضرورت ہو تو ہم اپنا فون نمبر چھوڑ دیں۔"

"کام تمہارا ہے، میرا نہیں۔ تمہاری غرض تمہیں یہاں تک لائی ہے۔ تم خود ہی فون کرلینا۔ مجھے تمہارے کسی پتے یا ٹھکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"تم بہت بے خوف اور دلیر آدمی ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"جو آدمی سیدھا اور کھرا کام کرتا ہے، وہ اندر سے اسی طرح مضبوط ہوتا ہے۔"

"پھر بھی اندیشے تو ہوتے ہی ہیں۔ کوئی غلط آدمی بھی یہاں تک آسکتا ہے۔"

"وہ آکر کیا لے گا؟ میں کون سی ہیروئن کی تجارت کرتا ہوں۔ میں منشیات کے دھندے میں ہرگز ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہاں صرف باتیں ہوتی ہیں۔ باہر والوں کو کیا خبر کہ میں یہاں تم سے کیا بات کررہا ہوں۔" اس نے واضح صفائی غرور کے ساتھ کہا "اور اگر کوئی آہی جاتا ہے تو پھر یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہاں چپے چپے پر میرے محافظوں کی نگاہیں رہتی ہیں۔"

"اپنے معاملات کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو مگر یہ سب باتیں آنے والے کو متحیر اور مرعوب کرتی ہیں۔" میں نے کہا۔

اس نے اٹھ کر خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف ہاتھ بڑھادیا۔

ہمارے لیے وہاں رکنے کی مزید کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ملاقات کے خاتمے کے خاموش اعلان پر ہم نے الوداعی مصافحے کیے اور واپس چل دیے۔ اس وقت تک رستم کے باغ میں کھمبوں پر لگے ہوئے متعدد برقی لیمپ روشن ہوچکے تھے۔ دھندلکا پھیل جانے کے باعث باغ کا منظر کچھ اور خوشنما معلوم ہونے لگا تھا۔

رستم کی طرح اس کے گھر کے سارے ملازم بھی مہذب اور شائستہ تھے۔ باڑھ والے راستے کے باہر موجود محافظ نے ادب سے ہمیں رخصت کیا، پھاٹک پر ہمارے پہنچنے سے پہلے ریوالور تیار رکھے جو کسی تاخیر کے بغیر واپس کردیے گئے اور ہم بسیرا سے نکلتے چلے گئے۔

"اس کی شخصیت اپنی شہرت کے برعکس بہت اثر انگیز ہے۔" باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "یہ اگر

زندگی بدل دینے والی

خواتین اور مردوں کو ہمیشہ فٹ اور اسمارٹ رکھنے والی گھریلو ورزش کی مشینیں موٹاپا ختم کرنے والی جاگنگ سائیکل، جمنازیم مشینیں۔ بنچ، بار بیل، ویٹ بار، ٹیبل ٹینس۔ ٹیرف وی پر دکھائے جانے والے تمام فٹنس آئٹم مفت ٹریننگ وڈیو اور بعد از فروخت گارنٹی کیساتھ

بلال برادرس

A-119 سندھی مسلم سوسائٹی نزد طارق روڈ۔ کراچی

فون: 4531961 - 62

marksman

Downloaded from https://paksociety.com

کامیاب ہے تو اس کے اسباب میں اس کی ذات کا نمایاں دخل ہے۔"

وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت تھی۔ اس پوری ملاقات میں صرف ایک بات ہی قابلِ اعتراض تھی کہ رستم نے اپنے خوف ناک پیشے کو سیدھا اور کھرا قرار دیا تھا۔

بسیرا سے ہمیں ہوٹل پہنچنا تھا۔ واپسی پر کسی تعاقب وغیرہ کے اندیشے کے پیشِ نظر وہ بندوبست ضروری سمجھا گیا تھا مگر رستم اپنی دنیا میں مگن رہنے والا' ایک بے فکرا انسان ثابت ہوا تھا۔ اس نے ہمیں ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی نہ ہمارے بارے میں کسی غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ واپسی پر ہمارے پیچھے سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔

ہمارے اس مشن کے بارے میں ویرا بہت زیادہ فکرمند تھی۔ اس کی رائے میں رستم دادا سے چھیڑ چھاڑ ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔ اس کی تسلی کے لیے میں نے راستے ہی میں اپنا موبائل فون آن کر کے سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔

اس نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر چند چٹ پٹی باتیں کیں۔ اس کے انداز سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ اول خان سے بات کر رہا تھا پھر اس نے فون مجھے تھما دیا۔

میں نے اسے ملاقات کی کامیابی کے بارے میں بتایا تو وہ کھل اٹھا۔ یہ بات ابتدا سے ہی ہمارے سامنے رہی تھی کہ رستم کی رضامندی کی صورت میں اوبرائن ڈی ہنٹ پر مہلک وار کر کے ہم امریکیوں کو ششدر کر سکتے تھے۔

ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کے بعد رات ڈھلے ہم وہاں سے اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان تینوں کو ہوٹل بلانے کا خطرہ مول لینے سے بہتر یہی تھا کہ ہم ان کے پاس چلے جاتے۔

ہماری واپسی کی سب سے زیادہ خوشی غزالہ کو ہوئی تھی۔ ہماری اور رستم کی ملاقات کے بارے میں وہ بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھی مگر تفصیلات سن کر وہ بھی خوش ہو گئی۔ صرف سات لاکھ یا اس سے کچھ زائد رقم میں اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے موذی سے نجات حاصل کرنے کا سودا ہر اعتبار سے مسرت انگیز تھا۔

"احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رستم سے کوئی مفاہمت ہونے سے پہلے تم بخشی کے کان کھول دو۔" گفتگو کے دوران میں ویرا نے تجویز پیش کی "اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ تم کل اومان کے لیے روانہ ہو رہے ہو۔"

مجھے اس سے رابطہ کیے کئی دن ہو چکے تھے۔ اول خان اور سلطان شاہ نے بھی ویرا کی تائید کی۔ میں خود بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ میری غیر معمولی خاموشی بخشی کو میری طرف سے کسی جھلاہٹ میں مبتلا کر سکتی تھی۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کرنل جمال دستی والے کھیل کا اختتام کر دیا جائے۔

وقت کافی ہو چکا تھا مگر ایک فیصلے کے بعد رابطے کی کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ نمبر ملنے پر بخشی ہی نے فون اٹھایا اور میری آواز پہچانتے ہی خفگی سے پھٹ پڑا۔ وہ میری اور اس کی آخری دوستانہ گفتگو تھی۔ میں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے اپنی مجبوریوں سے آگاہ کیا اور جب اس کا لب و لہجہ معمول پر آ گیا تو میں نے فورس سے اپنی سبکدوشی اور اومان میں جبری تقرری کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کے لیے وہ خبر ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے اومان سے جان چھڑانے کے لیے تجویزیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ میں مایوسانہ انداز میں جواب دیتا رہا۔ جب ہر راہ مسدود ہو گئی تو اس کی آواز پر ناامیدی کا غلبہ ہو گیا "میں تمہارے لیے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ سب مل سکتا تھا' جو تم چاہتے ہو... گرین کارڈ' بیس لاکھ ڈالر کا انعام اور آزادی... میں نے تمہارا کام آسان کرنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ تم اب بھی حوصلہ کر کے فرار ہو جاؤ تو سب ممکن ہے۔ منظرِ عام پر آئے بغیر بھی تم سب کچھ کر سکو گے۔ ایس ٹی ایف کے درندے تمہارے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"سامنے آئے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ مجھے افسوس ہے میجر کہ وقت کے سفاک ہاتھوں نے میری ہر آرزو کا گلا گھونٹ دیا ہے۔"

"ذہنی تلاش کا کام میں نے کسی اور کو سونپ دیا ہے۔" اس نے مجھے حوصلہ دینے کے لیے انکشاف کیا۔ "اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہیں بس اس کی مدد کرنی ہو گی۔ وہ اپنا مقررہ معاوضہ لے گا اور انعام تمہارا ہو گا۔"

معاوضے پر کسی اور کی خدمت کا ذکر آتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"شاید تم اسے نہ جانتے ہو۔ وہ انڈر ورلڈ کا بادشاہ ہے۔ رستم تمہارے ہر خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہے۔"

وہ اس سے آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی زبان سے رستم کا نام سنتے ہی میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ شاید مجھ سے پہلے رستم سے اپنے معاملات طے کر چکا تھا۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے بچھڑتے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس، لیمڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان وُیرا کو اغوا کرکے لے گیا اور وُیرا کی رہائی کے بدلے راس، لیمڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اولی خان نے بتایا کہ راس، لیمڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ وُیرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلوفر ایسے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس، لیمڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت راکے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ وُیرا نے راس، لیمڈا کو جنم رسید کرکے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے راکے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو،سم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے راکے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بگری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کرکے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشش کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس، لیمڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کرنا یا مگر ملزم پکڑا گیا۔ راکے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے ایڈیٹر قوتعلیمٹ کے فلاٹم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ راکے ایجنٹوں نرُیم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں امریکا لیمڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے ٹک سوڈے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق وہ پراڈاسٹ ٹک سوڈے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ٹک سوڈے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس پر رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ ٹک سوڈے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ تصفیہ ہوچکا تھا بدری کو ٹک کا تکلمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شک تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں وہیرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دوران سفر مدن موہن کے ٹیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اولی خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی انٹیجنس گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر وہ اُن دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش وہیرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس، لیمڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی دی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس، لیمڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رخت سفر باندھ لیا۔ سفر میں وہیرا نے بین الاقوامی ریلیٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس، لیمڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے وہیرا کے پرانے مہمان شناسا بیلک ڈیوڈ اور آئزک بیل کی رنگیں انکار پور یٹرز میں کام کرنے والی وہیرا کی دوست جینی کی مدد سے کرایہ اپنی بلی گھر کو تسیل کیئے کے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے باہمی ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی کشمکش سے راس، لیمڈا کی کی برباد یوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس، لیمڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈی کی مدد سے انہیں واصل جہنم کردیا۔ ٹک سوڈے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ذہنی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے ٹیچرل انفارمیشن سیل کے دو مہمان سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اولی خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ ہمیں ایس پی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو کمرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو گرفتاری واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری نجی کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن کریزن کارڈ کے لالچ کرتل جمال دستی کے روپ میں ایس پی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیٹی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اولی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اولی خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اولی کی برقمتی ہوئی سرکار میں کے باعث اولی خان نے اس کے متعلقہ اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری مصلحت پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اولی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے ایڈیٹر قونصلیٹ کے میجر بخشی اور مدن راج کے پیرو کار کیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی بالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر روادی میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بناپر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی نمرائی کرنے والے ایس پی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جنا گیرو ڈور حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ ہیمنت راس سمیت پکڑے گئے۔ ہیمنت راس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اولی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اولی ہیمنت اور دھن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی، میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسب توقع میجر بخشی نے موہنجوداڑو نائی ایک کال گرل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا واٹر الٹ گیا اور میں اسے بدحواس کرکے اسٹیشن فورلے آیا۔ اپنے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ڈیٹی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن فورس اس سے بھتگو کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ڈیٹی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے نپٹنے کے بجائے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے رستم سے نئی دہلی میں اور برائن ڈی ہنٹ کے قتل کے بارے میں ابتدائی مذاکرات کیے تھے اور وہ اگلے دن مجھے اس بارے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے والا تھا مگر میجر بخشی اس سے پہلے ہی رستم کو میری تلاش پر مامور کرچکا تھا۔

فون پر میجر بخشی کا وہ انکشاف میرے لیے ایک دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اس کے الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے کہ تم نے ذرا سی ہمت کرلی تو رستم دو تین روز میں تمہیں ڈھونڈ نکالے گا۔ تمہیں زیادہ وقت نہیں دیا تھا لیکن میرا وہ ابتدائی ردِعمل زیادہ طول نہیں پکڑ سکا۔ وہ موضوع میرے لیے اتنا سنگین تھا کہ میں نے شعوری کوشش کرکے اپنی پوری توجہ اس کی آواز پر مرکوز کردی۔ وہ میری تشویش سے بے خبر اپنی دھن میں بولے جارہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے ذرا سی ہمت کرلی تو رستم دو تین روز

Downloaded from https://paksociety.com

دینا ہوگا۔" میجر بخشی کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس ذرا بھی وقت نہیں ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "یہ بندوبست چند روز پہلے ہوگیا ہوتا تو اب تک سارا قصّہ نمٹ چکا ہوتا۔ مجھے ہر قیمت پر صبح کی پرواز سے اومان کے لیے روانہ ہونا ہے میں اس پروگرام سے انحراف نہیں کرسکتا۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تمہاری ذرا سی بے خوفی ہم تینوں کی سرخ روئی کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اوپی کے سامنے میرا سر اونچا ہوجائے گا' وہ اپنے بدترین دشمن کو زیر کرلے گا اور تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مل جائے گی۔" اس نے پرامید لہجے میں اصرار کیا۔

"تم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسی باتیں کررہے ہو۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں حکم سے سرتابی کا تصور ناپید ہے۔ میں طے شدہ پرواز سے روانہ نہیں ہوا تو وہ مجھے اس دنیا سے ہی رخصت کردیں گے۔ دنیا کی کوئی بھی ترغیب مجھے یہ بھیانک خطرہ مول لینے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔"

"اس وقت تمہاری باتیں عجیب اور ناقابل فہم ہیں۔" میجر بخشی کی آواز میں جھلاہٹ ابھر آئی "تم اتنے بزدل ہوتے تو بھول کر بھی ایس ٹی ایف سے بغاوت کا خیال اپنے دل میں نہ لاتے۔"

"تو کیا میں تم سے جھوٹ بول رہا تھا؟" میں نے تلک مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"اگر پہلے سچ بول رہے تھے تو اب جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "تم نے بار بار اس طرح روپ بدلے ہیں کہ اب پھر مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم کرنل جمال دستی نہیں ہو۔"

"کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ تم ڈینی فوبیا کے مریض ہو۔" اس بار میں نے بھی ترشی سے کہا "جب بھی تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تمہیں اپنے اردگرد ڈینی کا آسیب ناچتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ تمہاری دہشت دور ہوتی ہے تو تم دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آتے ہو۔"

"بکواس بند کرو۔ میں تمہیں اپنا مضحکہ اڑانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اس کارِ خیر کے لیے مجھے تمہاری کسی اجازت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اپنی بے سروپا باتوں اور حرکتوں سے تم اپنے آپ کو خود ہی مضحکہ خیز بنالیتے ہو۔"

میرے لب ولہجے پر وہ سنبھل گیا۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فون پر اس انداز میں مجھ سے الجھ کر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

"اگر میں تمہاری مجبوری کو مان لوں تو پھر بھی تمہارے پاس پوری رات پڑی ہوئی ہے۔ تم ڈینی کو پکڑوانا چاہتے ہو تو رات بھر میں بہت کچھ کرسکتے ہو۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم اس وقت اشتعال اور غصے میں بالکل بے مغز باتیں کررہے ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی قابلِ عمل تجویز ہے تو میں اس پر غور کرسکتا ہوں۔"

"میں اسی وقت رستم سے بات کرسکتا ہوں۔ اس کا کوئی آدمی صبح ہونے سے پہلے تم سے کہیں بھی مل سکتا ہے۔ تم ڈینی کے بارے میں اپنی معلومات سے اسے آگاہ کردو۔ وہ لوگ تمہارے چلے جانے کے بعد بھی صحیح سمت میں اپنا کام جاری رکھ سکیں گے۔"

"رستم کا نام میرے لیے نیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم یہ نام ایک دھمکی' دھونس اور ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے ہو۔ سب سے پہلے مجھے اس کا حدود اربعہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ پتا چل جانے کے بعد میں اپنے آپشن دیکھوں گا۔"

"میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔ خود اپنے محفوظ قلعے میں محصور رہ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریں ہلاتا رہتا ہے اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرلیتا ہے۔"

"ذرا سے بدلے ہوئے مفہوم کے ساتھ تم یہ خواص ڈینی سے بھی منسوب کرتے رہے ہو۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ رستم ڈینی کی ٹکر کا بلکہ اس سے بھی خوف ناک آدمی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے' وہ ہر حال میں رونما ہو کر رہتا ہے۔"

"اور تم اسے اپنے مقصد برآری کے لیے خرید چکے ہو۔" میں نے تائید چاہی۔

"میں یہ بھی بتاچکا ہوں۔ وہ ڈینی کو ایک دلچسپ شکار اور چیلنج سمجھ کر رضامند ہوا ہے۔ تم اوماٹی مصیبت کو ٹال سکو تو اس بار تمہیں بھی لطف آجائے گا۔"

"میری مجبوری ناگزیر ہے۔ تم اس سے بات کرلو۔ میں اس کے آدمی تک پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا۔ تمہیں میری نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"تم اس کے آدمی سے کہاں مل سکتے ہو؟" مجھے آمادہ پاتے ہی اس نے پوچھا۔

"شہر کا کوئی بھی بارونق علاقہ ہوسکتا ہے جہاں کسی کو ہم دونوں پر شبہ نہ ہو۔"

"تم نے اس سے ملنے کا وعدہ نہیں کیا' اپنی کوشش کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس سے مجھے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے؟"

"ایس ٹی ایف میں پہلے میری پوزیشن صرف مشکوک تھی مگر اب میرے مستقبل کا فیصلہ کیا جاچکا ہے اور میں کراچی میں صبح تک کا مہمان ہوں۔ اگر یہاں سے نکلنے پر کسی نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو میں رستم کے آدمی کا رخ نہیں کروں گا۔ کچھ دور جاکر واپس اسٹیشن فورپر لوٹ آؤں گا۔"

میرا وہ حیلہ بہت وزنی تھا۔ میجر بخشی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکا مگر اس نے یہ ضرور کہا کہ میں اس سے پہلے ہمیشہ اپنے وعدے کے مطابق ان لوگوں تک پہنچتا رہا تھا۔

"ہر بار میں احتیاط سے کام لیتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرا پیچھا نہیں کیا جاتا تھا۔ آج رات بھی یہ نشان صاف ہوا تو

Downloaded from https://paksociety.com

میں ضرور وہاں پہنچوں گا۔"

"تم پر بار بار غصہ آنے کے باوجود میں نہ جانے کیوں تمہارے بارے میں پُرامید ہوں۔" اس کی آواز سے رہی سہی تلخی بھی کافور ہوگئی "میں اس سے پروگرام طے کرتا ہوں۔ تمہیں اس کے مطابق مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔"

میں نے آدھے گھنٹے بعد دوبارہ فون کرنے کا وعدہ کرکے سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم اس سے جان چھڑانے کے بجائے اس معاملے کو بلاوجہ طول دے رہے ہو۔ رستم کے آدمی سے مل کر تم کو کیا فائدہ ہوگا؟" ویرا نے برا سا نتیجہ بنا کر کہا۔

"یہ میری نہیں' اس کی تجویز تھی اور وہ اس پر اصرار کررہا تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "یک لخت رابطہ ختم کرنا بہت آسان ہوتا ہے مگر مجھے منطقی انداز میں اسے یہ یقین دلانا ہے کہ اب وہ کرنل جمال دستی کو پاکستان میں تلاش نہیں کرسکے گا۔"

"وہ رہ رہ کر ہر مرتبہ تمہارے اوپر شبہ کررہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کے آدمی سے ملاقات کے بہانے وہ تمہیں پکڑنے کی کوشش کرے۔ اسے اندازہ ہوچکا ہے کہ وہ افہام و تفہیم کے ذریعے تمہیں اوہان جانے سے نہیں روک سکے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اول تو میرا رستم کے آدمی سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس کی طرف سے کوئی قابلِ عمل تجویز آئی تو اس پر پورے غور و فکر کے بعد اور پوری تیاری کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔"

"اس بار... آپ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔" غزالہ بولی "پھرے کلب سے آپ کے اغوا کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اب وہ کوئی بھی کمینگی دکھا سکتا ہے۔"

میں نے مسکرا کر پیار سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا "تم فکر مت کرو۔ میں جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"یہ دوسرا موقع ہے کہ میجر بخشی نے بالکل وہی سوچا ہے جو تم سوچ رہے ہو۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں تبصرہ کیا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کلب میں طے ہونے والی آخری ملاقات میں تم اس کے اغوا کا منصوبہ لے کر گئے تھے اور وہ بھی تمہارے بارے میں یہی فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔"

"یہ اور بات ہے کہ پہل کرنے کا موقع ملنے کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکا۔" سلطان شاہ بولا "ہماری سیاسی اور سفارتی مجبوریاں آڑے نہ آئی ہوتیں تو وہ اب سے بہت پہلے نرگباش ہوکر جلتے بھنتے ہوئے گوشت کی بو سے لطف اندوز ہورہا ہوتا۔"

"اور اب رستم کے بارے میں بھی یہی ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا "وہ اسے تمہارے پیچھے لگا چکا ہے اور تم اس سے ادبرائن ڈی ہنٹ کا کام تمام کروانا چاہ رہے ہو۔"

"یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میجر بخشی کی سوچ ہماری توقع سے زیادہ تیز ہے۔ یہاں دستیاب وسائل اور رابطوں سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔"

"اس کی قصیدہ گوئی میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ سوچو کہ اب فون پر اس سے کیا بات کرو گے!" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے فکری سے جواب دیا "مجھے صرف اس کی بات سننی ہے اور ہمیشہ کے لیے اسے بھول جانا ہے۔ اس کی تجویز سودمند نظر آئی تو کچھ سوچا جائے گا ورنہ وہ سمجھ لے گا کہ میں کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکا۔"

"تمہاری سوچ بہت معقول اور واضح ہے۔" اول خان نے تعریف کی۔

"یہ بالکل بے مقصد سوچ ہے۔" ویرا نے حسبِ عادت اعتراض کردیا "تمہارے سامنے اب کوئی مقصد باقی نہیں رہا۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم بخشی کے اسیر ہوکر رہ گئے ہو۔"

"تم کوئی بامقصد تجویز پیش کرو۔ میں مان لوں گا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"اس وقت بہترین صورت یہی ہے کہ ہم بخشی کو ماردیں اور اس افسانے کو یہیں ختم کردیں۔"

"یہ موضوع پہلے ہی ختم ہوچکا ہے۔ جوابی کارروائیوں میں ہم نہ جانے کیسے کیسے ہیروں سے محروم ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ نئی دہلی میں بخشی کے فون کا بدلہ ضرور لیں گے۔"

اول خان چائے کے لیے پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا۔ مزے دار چائے کی چسکیوں کے درمیان وقت بہت تیزی سے گزر گیا اور ان کی پیشہ ورانہ پرکھ میں دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

بخشی اپنے حصے کا کام نمٹانے کے بعد میری کال کا منتظر تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے کہا "میری بات ہوگئی ہے۔ تم دو بجے تک بیسرا میں پہنچ سکتے ہو۔"

"بیسرا کیا بلا ہے؟" اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"تمہارے قائداعظم کے مزار کے سامنے پاری کالونی آباد ہے جو پھیل کر سولجر بازار تک چلی گئی ہے اسی کے قلب میں بیسرا ایک مشہور کھل نما عمارت ہے۔ شاید رستم وہیں رہتا ہے۔ اس کا آدمی وہیں تمہارا انتظار کرے گا۔"

"تم یہ سب جانتے ہو مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں صحیح آدمی تک پہنچا ہوں۔"

"مجھے اس دشواری کا اندازہ تھا۔ رستم فیلڈ میں کام کرنے والوں کو شاید اپنے گھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا مگر میری درخواست پر اس نے موسیٰ کو بلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسے تم پہلی ہی نظر میں پہچان لوگے۔"

"میں کسی موسیٰ سے واقف نہیں ہوں۔" میں پھر انجان بن

Downloaded from https://paksociety.com

گیا حالانکہ ایس ٹی ایف کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ کلب میں اغوا کے دو طرفہ پروگرام کی پشت پناہی کے لیے میجر بخشی نے جن دو مسلح غنڈوں کو کلب کے لان پر بلایا تھا' ان ہی میں سے ایک کا نام موسیٰ تھا۔

"کلب میں موجود مسلح آدمیوں کی صورتیں تمہیں یاد ہوں گی' مونچھوں والے کا نام موسیٰ تھا۔"

"اس وقت اس کی صورت یاد نہیں' دیکھوں گا تو پہچان لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر پوچھا "مجھے رستم کا سامنا تو نہیں کرنا ہوگا؟"

"وہ بہت با اصول اور پیشہ ور آدمی ہے۔ غیر ضروری طور پر کسی کے سامنے آتا ہے نہ فضول باتوں میں وقت برباد کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں موقع محل کا جائزہ لے کر ابھی سے تیاری شروع کرتا ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ہر قیمت پر وہاں پہنچنا ہے۔ اس میں کوئی فرد گزاشت ہوئی تو میں اومان میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ میں نے ابھی تک تمہیں اومان کے اس ہوٹل کا نام نہیں بتایا جس میں میری ملازمت کا بندوبست کیا گیا ہے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ وہاں تم روپوش ہو جاؤ گے۔ اومان بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ میرے آدمی ذرا سی دیر میں نام کے سہارے تمہارے کھوج نکال لیں گے۔"

اس بار میں قدرے زور سے ہنسا "یہ دوسرا اتفاق ہے کہ ملازمت کے لیے میرا نام بدل دیا گیا ہے۔ فورس سے نکالے جانے کے بعد مجھے نئے نام اور نئی شناخت کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہوگی۔"

میری ایسی باتیں اسے چڑانے کا سبب بن جاتی تھیں۔ فوراً ہی اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ تم جھوٹے ہو۔ دنیا کے سارے منفی اتفاقات تمہارے ساتھ ہی پیش آتے رہتے ہیں۔ میں یہ بات ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔"

"اپنا خون نہ سلگاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا "یہ سب زمینی حقائق ہیں۔ تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں دو بجے سے پہلے بسیرا میں پہنچ جاؤں گا۔"

"اپی میں ہم سب کی عافیت ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی خفگی باقی تھی "یہ یاد رکھنا کہ اومان وغیرہ میں ہمارا نیٹ ورک بہت فعال ہے۔ وہاں ایس ٹی ایف کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ تم نے مخاصمت کی راہ اختیار کی تو زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔"

اس سے بات ختم ہوتے ہی میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا "موسیٰ اور ملنگ اس وقت کہاں مقیم ہیں؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کینٹ کا ہوٹل ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ وہ وہیں ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ موسیٰ بسیرا پہنچے' اسے اٹھوا لو!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گی۔" اول خان کے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی "ایس ٹی ایف والوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرتے کرتے میرے ہاتھ پیروں کو زنگ لگنے لگا ہے۔"

"جو کام بے خوف و خطر ہو کر سرانجام دیا جا سکتا ہے' اس کے لیے خطرہ مول لینا بے وقوفی ہے۔ یہاں تم جتنی چاہو' اچھل کود کر سکتی ہو۔"

"نہیں!" ویرا اپنی ضد پر اڑ گئی "اپنی بے کاری اب مجھے کھلنے لگی ہے۔"

"ہم دونوں یہ کام آسانی سے کر لیں گے۔" سلطان شاہ نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ہم نے جب سے اسٹیشن فور پر پناہ لی ہے' بستروں سے لگ کر رہ گئے ہیں۔"

"مجبوریوں نے ہمیں پابند کیا ہوا ہے۔ باہر دشمن ہماری گھات میں ہیں اور وہ ویرا کو بہت آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔" ویرا نے تیزی سے کہا "مجھے پہچاننے والوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ اصل دشمن اوبرائن ڈی ہنٹ تھا جو میدان چھوڑ کر بھاگا ہوا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں مجھے کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آتا۔ ویسے بھی میں زندگی بھر خطرات سے کھیلتی رہی ہوں۔"

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے بولنے کا موقع

قدمیں
اضافہ ممکن ہے
آپ خواہ
مرد ہوں یا عورت
اپنے پستہ قد میں مزید
اضافہ کر کے اپنی شخصیت کو
خوبصورت اور پُروقار
بنانے کے لیے ہمیں اپنے
موجودہ قد کی پیمائش اور عمر
کی تفصیل ہمراہ جوابی
لفافے کے لکھیں اور مفید
معلومات حاصل کریں۔
KAYBEE HOME
پوسٹ بکس نمبر 2535 ۔ کراچی 74600

Downloaded from https://paksociety.com

دیئے بغیر کہا "ہم کب تک خوف زدہ چوہوں کی طرح اسٹیشن فور میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ اب ہمیں میدان میں نکلنا پڑے گا۔"

غزالہ بھی اسٹیشن فور کے یکساں شب و روز سے اکتائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ہم نے اول خان پر غیر ضروری بوجھ ڈالا ہوا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے لیے کوئی نیا ٹھکانا ڈھونڈیں۔"

وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے ان کی ہم نوائی اختیار کرنے کا فیصلہ کرکے کہا "ٹھیک ہے، ہم تینوں ہی موسیٰ اور ملنگ کی خبر لیں گے۔"

"بسیرا کون جائے گا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا "تم بخشی سے وعدہ کر چکے ہو۔"

"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "میرا اس حماقت میں پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے موسیٰ کو اٹھوانے کا ذکر چھیڑا تھا۔"

"موسیٰ وہاں نہیں پہنچے گا تو تمہارا جانا بھی غیر ضروری ہے۔" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "موسیٰ کے غائب ہونے سے بخشی الجھ جائے گا۔"

"گڈ!" ویرا خوش ہو گئی "میں بھی یہی کہتی ہوں۔ میجر بخشی کو سفارتی تحفظ حاصل ہے، اس کے خلاف کی جانے والی کسی بھی کارروائی کے انتقام کا خطرہ ہے لیکن دوسروں کو کسی خوشی میں بخشا جائے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ موسیٰ کے ساتھ ملنگ کو بھی اٹھا لیا جائے۔" سلطان شاہ بولا۔

"موسیٰ کو لانا ضروری ہے۔ ملنگ بھی ہاتھ آجائے تو وہ بونس ہوگا۔" میں نے کہا۔

"وہ بہت نچلی سطح کے مجرم ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنے سے کیا فائدہ ہوگا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کئی فائدے تو بالکل واضح ہیں۔ موسیٰ جب بسیرا نہیں پہنچے گا تو میجر بخشی کے ساتھ رستم کو بھی تشویش لاحق ہو جائے گی۔ بظاہر وہ نچلی سطح کے آدمی ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن اتنے اہم ضرور ہیں کہ بخشی کی فرمائش پر رستم ان میں سے ایک کو اپنے گھر بلانے پر آمادہ ہو چکا ہے۔"

"بخشی نے بسیرا میں میری اور موسیٰ کی ملاقات کا پروگرام آج بلکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے طے کیا ہے۔ یہ خبر بھی تازہ ترین معلوم ہوتی ہے کہ بخشی نے میری یعنی ڈینی کی تلاش کا کام رستم کو سونپ دیا ہے۔" میں نے کہا "جب کہ موسیٰ اور ملنگ کے نام کئی روز پہلے ہمارے سامنے آچکے تھے۔"

"اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو؟" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"بخشی اور رستم کے درمیان پہلے سے مفاہمت چلی آرہی ہے...."

ویرا نے میری بات درمیان سے اچک لی "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ موسیٰ اور ملنگ نے ہی بخشی اور رستم کے درمیان رابطہ کرایا ہو۔"

"میں خود یہی کہنا چاہ رہا تھا لیکن تمہیں پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑانے کا خبط ہے۔ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

"ان سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ وہ کلب میں کس کے ذریعے پہنچے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا "میجر بخشی نے اپنی پوزیشن کی وجہ سے خود سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔"

"بہت سے سوالات ہیں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ایک بار ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ چل نکلے گا تو ہر بات خود بہ خود کھلتی چلی جائے گی۔"

"اب تم خود اس کام میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ ہو تو ویرا کو رک جانا چاہیے۔" سلطان شاہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"کیوں؟ میں نے تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے جو مجھے روک رہے ہو؟" ویرا تلملا اٹھی۔

"عورتیں چار دیواری ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ باہر نکل کر وہ موہنی پنڈت بن کر رہ جاتی ہیں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "خلقِ خدا فساد میں مبتلا ہونے لگتی ہے۔"

"تمہاری ایسی کی تیسی، تھوڑی دیر پہلے میں نے بات چھیڑی تو سب سے پہلے تم خود میرے ساتھ نکلنے پر آمادہ تھے۔ اب مجھے دودھ سے مکھی کی طرح الگ کر رہے ہو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"میں نے تمہارے ساتھ جانے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ میری اصولی رائے تھی کہ اب ہمیں جمود کو توڑنے کے لیے خود میدان میں اترنا چاہیے۔ یہ کام مردوں کو ہی زیب دیتا ہے۔"

"کیا تم اس کی رائے سے متفق ہو؟" مجھے خاموش پاکر ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

ویرا کے چہرے پر بے بسی اور جھنجلاہٹ کے آثار اتنے گہرے تھے کہ میں کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جوں ہی ویرا کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ سنجیدگی سے کیے جانے والے مذاق میں خود کو تماشا بنا چکی ہے، وہ مُکّا تان کر خفت آمیز انداز میں سلطان شاہ کی طرف لپکی اور وہ دوڑ کر دفتر سے نکل گیا۔

○☆○

کینٹ کا وہ ہوٹل اسٹارز کے لحاظ سے کسی قطار و شمار میں نہیں تھا مگر نچلی منزل پر واقع ہوٹل کے صاف ستھرے ریستوران کے خوابیدہ سے ماحول میں قدم رکھتے ہی مجھے ایک خوشگوار ذہنی جھٹکا لگا۔ ریستوران میں تزئین، آرائش، صفائی اور سروس کا معیار بہت بہتر تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"یہاں تو ساری ہی لمبی چوڑی میمیں بھری ہوئی ہیں۔" سلطان شاہ بیشتر میزوں پر مغربی لباس میں ملبوس گراں ڈیل، سفید فام عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر میرے کان کے نیچے منمنایا۔

"اچھا ہے۔ ویرا آسانی سے ان روسی عورتوں میں گھل مل جائے گی۔" اسے جواب دیتے ہوئے میں ایک گوشے کی طرف ہولیا جہاں دو میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔

ریستوران میں چہل پہل اور رونق کے باوجود متعدد میزیں بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں۔ سبب یہ تھا کہ بعض آباد میزوں کے گرد گنجائش سے زیادہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر ملے جلے چہرے موجود تھے۔ ہوٹل میں بیشتر مرد مقامی ہی تھے۔ سفید فام مردوں کی تعداد خاصی کم تھی۔

"اس علاقے کے ہوٹل میں اتنی غیر ملکی عورتوں کی موجودگی پر تمہیں حیرت نہیں ہے۔" کرسی سنبھال لینے کے بعد سلطان شاہ نے دوبارہ اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"اگر تم باقاعدگی سے اخبارات پڑھتے رہو تو ایسے مشاہدوں پر تمہیں بھی حیرت نہیں ہوگی۔ یہ سب روسی ریاستوں اور پاکستان کے درمیان پھیرے لگا کر دو طرفہ اسمگلنگ کرنے والیاں ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "ہال سے بھرے ہوئے سوٹ کیس ان کے کمروں میں ہوں گے۔ یہ یہاں اپنے متوقع گاہکوں سے ابتدائی سودے کررہی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ سب کی سب اسی ہوٹل میں جمع ہوگئی ہیں۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"سیزن میں صدر سے یہاں تک کے سارے متوسط ہوٹل ان ہی بنجاروں اور بنجارنوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہ اپنی ریاستوں سے برقی اور الیکٹرونک سامان کی بڑی بڑی کھیپیں لاکر یہاں بیچتی ہیں اور یہاں سے سستے اونی اور چرمی ملبوسات اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔"

"مرد تو پھر بھی قمیص پتلونوں میں ہیں لیکن عورتوں کے کپڑے بے حیائی کی حد تک ناکافی ہیں۔" سلطان شاہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا "انہیں ایسے کپڑوں میں شرم نہیں آتی؟"

"یورپ اور امریکا والوں کی طرح ان کی معاشرت میں بھی شرم حیا کا گزر نہیں ہے۔ پھر یہ ان کے کاروباری حربے بھی ہیں۔ غور سے دیکھو کہ ان سے مذاکرات کرنے والے پاکستانی خریدار اور دکان دار کیسے ندیدے پن سے انہیں گھور رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ پاکستانی مرد گوری چمڑی پر مرتے ہیں۔"

"ہم دونوں بھی پاکستانی مرد ہیں اور دن رات ویرا جیسی آزاد خیال عورت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔" اس نے ملامت بھرے لہجے میں یاد دلایا۔

"میں سب کی نہیں، اوباش فطرت مردوں کی بات کررہا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"لعنت ہو ان موٹی اور لمبی چوڑی چمڑیوں پر۔ بدن کی نمائش سے دنیا میں کون سا کاروبار ہوتا ہے؟"

"غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آج کا سارا کاروبار وجود و زن سے ہی چل رہا ہے۔ شیونگ بلیڈ سے لے کر تعمیراتی سریا تک خوب صورت عورتوں والے اشتہاروں کے ذریعے بیچا جارہا ہے۔"

"اشتہاروں کی اور بات ہے۔ یہاں تو یہ خود....." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اشتہاروں سے ہٹ کر بھی تمہیں جگہ جگہ خوش لباس اور خوب رو سیلز گرلز نظر آئیں گی۔ یورپ میں تو لوگ مردانہ انڈر گارمنٹس بھی ان ہی دکانوں سے خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں جہاں کاؤنٹر پر لڑکیاں خریداروں سے ان کی ضروریات معلوم کرتی ہوں۔"

"یہ یورپ کا کوئی شہر نہیں، کراچی ہے۔ یہاں یہ سب عجیب معلوم ہورہا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ اسمگلنگ اور تجارت کے بجائے براہِ راست جسم فروشی ہی شروع کردیں۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "ان میں کچھ پارسا بھی ہوتی ہوں گی مگر ان کی عمومی شہرت یہی ہے کہ خرید و فروخت کے دوران میں انہیں اپنے وقت کا کوئی معقول خریدار مل جائے تو یہ اسے بھی مایوس نہیں کرتیں۔ خوشی سے ایسی اضافی آمدنی کو قبول کرلیتی ہیں۔ ہر قیمت پر پیسہ کمانے کا اصول ان کی خوش حالی کا راز ہے۔"

"لباس کے اعتبار سے تو مجھے ان میں سے ایک بھی پارسا نظر نہیں آتی۔ وہ گھوم پھر کر دوبارہ اپنے پرانے نکتے پر لوٹ آیا جو اسے پریشان کررہا تھا۔

"یہ برفانی علاقوں کی رہنے والیاں ہیں۔ ہمارے قوانین ان کی راہ میں مانع نہ ہوں تو یہ شاید صرف ستر پوشی پر ہی اکتفا کریں۔ ہر علاقے کے لوگوں کی موسمی ضروریات جدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے گرم اور مرطوب موسم میں تمہیں ان کو تھوڑی سی رعایت دینی ہی ہوگی۔"

اسی دوران میں ویٹر ہمارے لیے چائے اور سینڈوچز لے آیا اور ہم خاموشی کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف ہوگئے۔ سلطان شاہ کی بے چین نگاہیں بار بار گرد و پیش کا طواف کررہی تھیں۔ ہال کی بند فضا میں پرچی ہوئی بُو سے مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ ملک میں شراب نوشی و فروشی پر پابندی ہونے کے باوجود غیر ملکیوں کی آڑ میں وہاں شراب نوشی جاری تھی۔ ریستوران میں الکحل کی تیز بُو، بہکی ہوئی مخمور نظروں اور بات بے بات پر بلند ہونے والے اضطراری قہقہوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ مزید کچھ وقت گزرنے کے بعد وہاں کچھ اور حجاب سرک جائیں گے۔

ہم دونوں اس ہوٹل میں کسی خاص پروگرام کے تحت نہیں پہنچے تھے۔ بس ویرا کی ضد تھی کہ وہ موسیٰ اور ملنگ کو اپنے طور پر بھانسے گی۔ وہ ہم سے گاڑی کی چابی لے کر ان دونوں کے ہوٹل میں

Downloaded from https://paksociety.com

چلی گئی تھی۔ ہم وقت گزاری کے لیے برابر والے اس ریستوران میں گھس گئے تھے جہاں عملی طور پر روسی خواتین غالب تھیں۔

ہمیں اس ریستوران میں نصف گھنٹا گزارنا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہمیں ہر حال میں گاڑی کے پاس پہنچا ہونا تھا۔ ویرا اپنے مشن میں کامیاب ہوتی تو ان دونوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ہمارا انتظار کرتی۔ ناکامی کی صورت میں اسے بے نیل و مرام واپس لوٹ آنا تھا۔

مقررہ وقت پر ہم دونوں ریستوران سے نکلے تو ویرا خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی' سگریٹ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ عقبی نشستوں پر کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ہم دونوں بے خوف ہو کر تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ دروازے کے لیور کی آواز سن کر ویرا نے میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی جس میں کامیابی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو کسی ٹیکسی سے اسٹیشن فوراً روانہ کر دیا ہے۔" سلطان شاہ نے عقبی نشست میں گھستے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

"زیادہ چہکنے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے اس کی طرف مڑ کر تیزی سے کہا "میں نے یہ نکتہ فراموش کر دیا تھا کہ موسیٰ کو دو بجے سے بہت پہلے بیسرا پہنچنا ہے۔ اس وقت وہ دونوں کسی حور پر بھی توجہ نہیں دے سکیں گے۔"

"ماشاء اللہ!" سلطان شاہ نے پھر کھرا طنز کیا "تو اب تم خود کو حور سمجھنے لگی ہو۔ شاید تمہیں پتا نہیں کہ جہنم میں حوریں نہیں' چڑیلیں ہوتی ہیں....."

ویرا نے اس کی بات سُنی اَن سُنی کر کے مجھ سے کہا "ان کا ہوٹل مشتبہ سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔ ہوٹل کا عملہ ان حرکتوں میں پوری طرح ملوث ہے۔ انٹر کام پر موسیٰ سے میری ناکام گفتگو کے بعد ہوٹل کے منیجر نے مجھے دو ہزار روپے کے عوض رات ہوٹل میں بسر کرنے کی پیشکش کی تھی۔"

"اور تم اپنی یہ تذلیل سہہ کر خاموشی سے واپس آ گئیں؟" سلطان شاہ کھول اٹھا۔

"میں گھر سے ایک مشن لے کر نکلی ہوں۔ تمہاری طرح جذبات کی رو میں آ کر عقل کو خیرباد نہیں کہتی۔" ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا "گھر سے قدم نکالنے والی عورتوں کو مغرب کے آزاد معاشرے میں بھی کبھی کبھار ایسے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے مردوں کی عقلوں پر صرف ماتم ہی کیا جا سکتا ہے جو ہر اکیلی عورت کو برائے فروخت تصور کرتے ہیں۔ ہوٹل کے منیجر کو بھی میں نے ایسا معذور سمجھ کر معاف کر دیا اور واپس چلی آئی۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے اس ناخوشگوار موضوع کو یکسر بدل دیا۔

"انتظار۔" ویرا نے کہا "وہ کسی بھی وقت بیسرا کے لیے روانہ ہو سکتا ہے۔ میری ناکامی کے بعد اس پر راستے میں ہی ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"

"تم نے انٹر کام پر موسیٰ سے کیا بات کی تھی؟" سلطان شاہ کا ذہن بدستور ویرا کی توہین میں الجھا ہوا تھا جب کہ ویرا کے لیے اس واقعے کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

"تم ذہنی طور پر ابھی تک ننھے سے جذباتی بچے ہو۔" ویرا قدرے غصے سے بولی "اس قماش کے ہوٹلوں میں رہنے والوں کو اجنبیوں کی طرف سے کال ملنا عام سی بات ہے۔ وقت اور موڈ ہو تو کچھ نہ کچھ طے ہو جاتا ہے ورنہ ہلکی سی معذرت اور کریڈل دبانے سے بات ختم ہو جاتی ہے۔ میں نے بھی یہی ترکیب آزمائی تھی۔"

"تمہیں موسیٰ کے کمرے کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟" سلطان شاہ کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"نام بتا کر کاؤنٹر سے کسی کا بھی کمرا نمبر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تمہیں اتنی معمولی باتیں بھی معلوم نہیں ہیں۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا "تم نے اس سے گھٹیا اور بازاری باتیں کی ہوں گی اسی وجہ سے ہوٹل کے منیجر کو ہمت ہوئی کہ دو ہزار روپے میں تمہیں رکنے کی دعوت دے۔ تم ہم لوگوں کی ذرا ذرا سی بات پر چڑنے لگتی ہو اور اپنی مرضی ہو تو اپنے مقام سے اس قدر گر جاتی ہو اس کے باوجود تمہیں ذلت کا احساس نہیں ہوتا۔"

"اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے کبھی نہیں شرمانا چاہیے۔ عزت اور ذلت دوسروں کے دینے سے نہیں ملتی۔ یہ انسان کا اپنا' اندر کا احساس ہوتا ہے جو اسے بلند یا سرنگوں رکھتا ہے۔ یہ سارے فلسفے مجھے میرے مربّی اور اتالیق' ژان مریسا نونے سکھائے تھے۔ کبھی فرصت ہو تو ذہنی سے اس کی کہانی سن لینا۔"

"اس پر راستے میں ہاتھ ڈالنے میں کام بگڑنے کا خطرہ ہے۔" ویرا سے مایوس ہو کر سلطان شاہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "موسیٰ تمہیں پہچانتا ہے۔ دیکھتے ہی بدک جائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔" میں نے مسکرا کے کہا "آج وہ حریف نہیں' حلیف ہے۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے ہی بیسرا کی طرف جائے گا۔"

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کو وہ رہ کر ویرا والا قصّہ یاد آتا رہا۔ وہ کڑھتا رہا اور ویرا بے پروائی سے اسے سلگانے والے جواب دیتی رہی۔

جوں ہی برابر والے ہوٹل کے دروازے سے موسیٰ باہر آیا' میں اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ اکیلا تھا اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ کچھ فاصلے پر واقع ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے پاس اپنی سواری کے ذریعے کا نہ ہونا میرے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

تشویش کا باعث تھا۔ اس طرح ہماری کارروائی میں ایک غیر متعلقہ اور غیر ضروری فریق شامل ہو سکتا تھا۔ کسی وجہ سے بات بگڑ جاتی تو ٹیکسی ڈرائیور کی گواہی ہمارے لیے کوئی نہ کوئی دشواری پیدا کر سکتی تھی۔

ویرا کو گاڑی پارکنگ سے نکال کر موسیٰ تک پہنچنے میں دیر لگ سکتی تھی۔ میں نے صورتِ حال بھانپتے ہی دروازہ کھول کر اپنی نشست چھوڑی اور موسیٰ کی طرف دوڑ لگا دی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز سن کر موسیٰ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ چوکنے انداز میں تیزی سے پلٹ پڑا۔

اس وقت میں نے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اس قدر نمایاں تھیں کہ انہیں اس کی اکلوتی شناخت قرار دیا جا سکتا تھا۔ سیاہ مونچھوں تلے اس کے ہونٹ تیر زدہ دائرے کی صورت میں سکڑ گئے تھے۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوف کے لہریے تیرنے لگے۔ اس کا داہنا ہاتھ بہت تیزی کے ساتھ جیب کی طرف گیا تھا۔

"میں خالی ہاتھ ہوں' موسیٰ!" میں نے دور ہی سے سرزنش کے انداز میں اتنی اونچی آواز میں کہا کہ میرے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ سکیں۔ اس اعلان کے ساتھ میں نے اپنے دونوں خالی ہاتھ تقریباً شانوں کی بلندی تک اٹھا لیے تاکہ وہ میرے دعوے کی پختہم خود تصدیق بھی کر سکے۔

وہ چلتے چلتے مڑ کر رک چکا تھا' میں اس کی طرف دوڑ رہا تھا۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ میری دوڑ زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن رفتار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے میرا سانس پڑھ گیا تھا۔ میں اس کے سامنے رک کر سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تت.... تم اِس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کا داہنا ہاتھ جیب میں پوشیدہ کسی آتشیں ہتھیار پر جما ہوا تھا مگر پھر بھی خوف سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"مم.... میں.... تم سے مل.... ملنے آیا تھا۔" میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا گیا تھا کہ اب پروگرام بدل گیا ہے...."

"کیا پروگرام بدلا ہے....؟ مجھے کسی تبدیلی کا علم نہیں ہے۔" اس کی خوف زدہ اور اشتباہ آمیز نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ اب تم بسیرا نہیں جاؤ گے۔ ہم یہیں گاڑی میں گھوم پھر کر اپنی باتیں کریں گے پھر تمہیں تمہارے ہوٹل پر چھوڑ دیا جائے گا۔" میں نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کی

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۸ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۸ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ
وہ فن پارے' جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۸ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۷ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بیگانگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۸ روپے

کالی کہانیاں
جرائم' جادو' شیطان' ارواح' طنز و مزاح' اسرار و خوف' سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۱۴۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

نک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور چور نک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں چرا کر قدر معاوضہ پر چُرا تا ہے۔
قیمت فی جلد ۵۰/- روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳۰ سید منشی ہیلو مہاراشٹر ایئر ایئر چندیگڑھ روڈ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com